احسن البیان

فی تفسیر القرآن

سید فضل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احسن البیان

فی تفسیر القرآن

حصہ ششم

سورۃ الحج، سورۃ المؤمنون، سورۃ النور، سورۃ الفرقان،
سورۃ الشعراء، سورۃ النمل، سورۃ القصص، سورۃ العنکبوت،
سورۃ الروم، سورۃ لقمان، سورۃ السجدہ، سورۃ الاحزاب

سید فضل الرحمٰن

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

نام کتاب	:	احسن البیان فی تفسیر القرآن
حصہ ششم	:	تفسیر سورۃ الحج تا سورۃ الاحزاب
تعداد	:	ایک ہزار
اشاعت اوّل	:	شعبان ۱۴۲۳ھ/ اکتوبر ۲۰۰۲ء
صفحات	:	۴۷۲
کمپوزنگ	:	سید قادر معین بابر
اسکیننگ ۔ قرآنی آیات	:	سید عاطف علی
ناشر	:	زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی

ملنے کے پتے

۱۔ فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی،

۲۔ دار الکتاب، عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور،

۳۔ زوّار اسٹیشنرز، دکان نمبر ۴۴، اردو بازار، کراچی،

۴۔ مکتبہ قاسمیہ، نیوٹاؤن، کراچی،

۵۔ اسلامی کتب خانہ، نیوٹاؤن، کراچی،

۶۔ درخواستی کتب خانہ، نیوٹاؤن، کراچی،

۷۔ بیت الکتب گلشن اقبال نمبر ۲، بالمقابل اشرف المدارس، کراچی

۹۔ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور،

فہرست مضامین

سورۃ القصص

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الحج

وجہ تسمیہ: اس سورت میں حج کے احکام کا ذکر ہے اس لئے یہ سورۂ حج کے نام سے مشہور ہو گئی۔

تعارف: اس میں دس رکوع ستتر یا اٹھتر آیتیں، ۱۲۸۳ کلمات اور ۵۴۳۲ حروف ہیں اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ضحاک کہتے ہیں یہ مدینے میں نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ تین آیتوں هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا ...... مِنْ حَدِيْد (آیات ۱۹۔۲۱) کے سوا پوری سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ یہ تین آیتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پوری سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن المنذر نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ چار آیتوں (آیت ۵۲۔۵۵) کے سوا جو مکہ میں نازل ہوئیں، یہ پوری سورت مدنی ہے۔ جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ اس سورت میں مکی اور مدنی دونوں طرح کی آیتیں ہیں۔ قرطبی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اس سورت کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ اس کی بعض آیات کا نزول رات میں، بعض کا دن میں، بعض کا سفر میں، بعض کا حضر میں، بعض کا مکے میں، بعض کا مدینے میں، بعض کا جنگ و جہاد کے وقت اور بعض کا صلح اور امن کی حالت میں ہوا ہے۔ اس میں بعض آیتیں ناسخ ہیں اور بعض منسوخ، بعض محکم ہیں اور بعض متشابہ۔

صحابہ کرام کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اسحٰق بن راہویہؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ کا یہی مذہب ہے۔ بعض صحابہ کے نزدیک اس میں صرف ایک سجدہ ہے جو دوسرے رکوع میں ہے امام ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ اور علمائے کوفہ کا یہی مذہب ہے کہ اس سورت میں ایک سجدہ ہے جو دوسرے رکوع میں آیا ہے۔ (روح المعانی ۱۰۹، ۱۱۰/ ۱۷، مواہب الرحمٰن ۱۳۰، ۱۳۱/ ۱۷ معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶/۲۳۶)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قیامت کے زلزلے اوراس کی ہولناکی کا بیان ہے جس سے دنیا کی ہر چیز تہس نہس ہو جائے گی ۔ پھر اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں مشرکین کی کج بحثی اور تخلیقِ انسانی کے مختلف مراحل کا ذکر ہے ۔ آخر میں کج فہموں کی دنیا میں رسوائی اور آخرت کے عذاب کا ذکر ہے ۔

رکوع ۲: اہل شک ونفاق کی حالت کا بیان ہے پھر مومنوں کے حال اور فیصلے کے دن یعنی قیامت کا احوال مذکور ہے ۔ آخر میں اہل دوزخ اوران کی سزاؤں کا بیان ہے ۔

رکوع ۳: اہل جنت اوراس کی نعمتوں کا بیان اوراللہ کی راہ سے روکنے والے گمراہوں کا حال مذکور ہے

رکوع ۴: حج کی فرضیت کا اعلانِ عام اور بیت اللہ کی عظمت وفضائل کا بیان ہے ۔ پھر اللہ کی حرمتوں اور شعائر اللہ کی تعظیم کا حال مذکور ہے ۔

رکوع ۵: قربانی کی اہمیت ، نحر کا طریقہ اور قربانی کی روح کا مفصل ذکر ہے ۔

رکوع ۶: مشرکین سے جہاد وقتال کی اجازت اور کفار کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ ان کو مہلت دیتا ہے ۔ پھر جب حجت پوری ہو جاتی ہے تو انکو عذاب سے دو چار کر دیا جاتا ہے اور اللہ کی گرفت سے کوئی نہیں نکل سکتا ۔ منکرین پر اللہ کا عذاب ضرور آئے گا کیونکہ اللہ کا وعدہ اٹل ہے ۔

رکوع ۷: رسولوں کا فرضِ منصبی ، شیطان کا فتنہ اور منکرین کا قیامت تک دھوکے میں رہنا مذکور ہے ۔

رکوع ۸: اللہ کی راہ میں ہجرت کا انعام اور ذاتی ومعاشرتی معاملات میں معاف کر دینے کی ترغیب ہے ۔ آخر میں اللہ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے

رکوع ۹: اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت اور زبردست غلبے کا بیان ۔ مجادلین کو تہدید اور مشرکین و منکرین کی اندھی تقلید مذکور ہے ۔

رکوع ۱۰: شرک کی ایک مثال کا بیان ہے پھر اللہ کا پیغام پہنچانے والوں کا ذکر ہے ۔ آخر میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے کا حکم دیا گیا ہے ۔

قیامت کا زلزلہ

۲،۱۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ۝

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو کیونکہ بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔ جس دن تم اس (زلزلے) کو دیکھو گے تو (اس روز) ہر دودھ پلانے والی (ماں) اپنے دودھ پیتے (بچے) کو بھول جائے گی اور ہر حمل والی (پورے دن ہونے سے پہلے) اپنا حمل ڈال دے گی اور (اے مخاطب اس دن) لوگ تجھے نشے (کی سی حالت) میں نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے (جس کے خوف سے ان کے ہوش گم ہوں گے)

تَذْهَلُ : وہ غافل ہو جائے گی۔ وہ بھول جائے گی۔ ذُهُوْلٌ سے مضارع

مُرْضِعَةٍ: دودھ پلانے والی۔ اِرْضَاعٌ سے اسم فاعل۔

تَضَعُ : وہ رکھتی ہے۔ وہ ڈالتی ہے۔ وہ جنتی ہے۔ وَضْعٌ سے مضارع۔

سُکٰرٰی: نشے میں مست۔ بے ہوش۔ واحد سَکْرَانٌ۔

تشریح: اے لوگو! اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہو، اس کی فرماں برداری اور اطاعت گزاری میں لگے رہو۔ اس کی نافرمانی میں مبتلا ہو کر اس کے قہر کے مستحق نہ بنو۔ بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے۔ اس سے دنیا تہس نہس ہو جائے گی۔ یہ ایسا سنگین حادثہ ہوگا کہ اس سے بڑھ کر کوئی حادثہ نہیں۔ پس تقویٰ اور اللہ کی فرماں برداری کے سوا کوئی چیز اس سے محفوظ رکھنے والی نہیں، اس لئے تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کے احکام پر چلو۔

قیامت کے دو عظیم زلزلے ہیں۔ ایک تو قیامت سے کچھ پہلے ہوگا اور وہ علاماتِ قیامت میں سے ہے اور دوسرا قیامت کے وقت یا نفخۂ ثانیہ کے بعد ہوگا۔ اگر یہاں پہلا زلزلہ مراد ہے تو آیت اپنے ظاہری معنی پر رہے گی کہ جس روز یہ زلزلہ آئے گا اس روز خوف و دہشت کے مارے لوگوں کا یہ

حال ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی عورت اپنے اس بچے سے غافل ہو جائے گی جس کو وہ دودھ پلا رہی ہوگی، اور ہر حمل والی عورت حمل کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی اپنے حمل کو گرا دے گی۔ اگر آیت میں دوسرا زلزلہ مراد ہو تو دو احتمال ہیں ایک یہ کہ حقیقتاً زلزلہ آئے اور دودھ پلانے والی یا حاملہ عورتوں کا اسی حالت میں حشر ہو۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ زلزلے سے مراد قیامت کے اہوال و شدائد ہوں اور یوم ترونها تذهل الخ کو تمثیل پر محمول کیا جائے، یعنی وہاں اس قدر گھبراہٹ ہوگی کہ اگر دودھ پلانے والی عورتیں موجود ہوں تو گھبراہٹ اور شدتِ ہول کی وجہ سے وہ اپنے بچوں کو بھول جائیں اور حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں۔

علقمہ اور شعبی کے نزدیک یہ زلزلہ قیامت سے پہلے آئے گا اور قیامت کی خصوصی نشانی ہوگا، جلال الدین محلی نے لکھا ہے کہ یہ زلزلہ آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے آئے گا، ابن عربی اور قرطبی نے اسی قول کو پسند کیا ہے کیونکہ آئندہ آیات سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اس روز تم لوگوں کو نشے کی سی حالت میں دیکھو گے، حالانکہ نہ انہوں نے شراب پی ہوگی اور نہ وہ نشے میں ہوں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی ایسا سخت ہوگا جس سے لوگوں کی یہ حالت ہو جائے گی۔ (مظہری ۱۵،۱۶/ ۶، روح المعانی ۱۱۰۔۱۱۳/ ۱۷، عثمانی ۱۲۸/ ۲)

یہاں جس زلزلے کا ذکر ہے وہ قیامت سے پہلے ہوگا جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے، اور قیامت کی طرف اس کی اضافت قرب کی وجہ سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کر چکا تو اس نے صور کو پیدا کیا اور حضرت اسرافیل کو دے دیا۔ وہ اس کو اپنے منہ میں لئے ہوئے، اپنی آنکھوں کو اوپر اٹھائے ہوئے عرش کی جانب دیکھ رہے ہیں کہ کب اللہ کا حکم ہو اور وہ صور میں پھونک ماریں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایک پھونکنے کی بہت بڑی چیز ہے جس میں تین مرتبہ پھونکا جائے گا۔ پہلا نفخہ گھبراہٹ کا ہوگا۔ دوسرا بیہوشی کا اور تیسرا اللہ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے کا۔ اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل کو نفخۂ اولیٰ کا حکم دے گا اور کہے گا کہ گھبراہٹ کی پھونک مار۔ پس انکے پھونک مارتے ہی تمام زمین و آسمان والے گھبرا اٹھیں گے، سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے۔ حضرت اسرافیل بغیر رکے اور بغیر سانس لئے بہت دیر تک اس میں پھونک مارتے رہیں گے۔ اسی پہلے نفخہ کا

ذکر: وَمَا یَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً مَّالَهَا مِنْ فَوَاقٍ o (ص آیت ۱۵) میں ہے۔

''اور یہ لوگ بس ایک زور کی چنگھاڑ کے منتظر ہیں جس میں کوئی وقفہ نہ ہوگا۔''

اس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر مٹی بن جائیں گے، زمین کپکپانے لگے گی جیسے فرمایا:

یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ قُلُوْبٌ یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ o

(النّٰزعٰت آیات ۶،۸)

''جس دن ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجائے گی۔ اس دن بہت سے دل دھڑک رہے ہوں گے''۔

جب زمین لرزنے لگے گی اور یکے بعد دیگرے زبردست جھٹکے لگیں گے، اس دن دل دھڑکنے لگیں گے، زمین کی حالت ایسی ہوجائے گی جیسے طوفان اور گرداب میں کشتی کی ہوتی ہے یا جیسے کوئی قندیل چھت میں لٹک رہی ہو اور ہوائیں چاروں طرف سے اس کو جھلا رہی ہوں۔ یہی وقت ہوگا جب دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے اور بچے بوڑھے ہوجائیں گے اور شیاطین بھاگنے لگیں گے یہاں تک کہ وہ زمین کے کناروں تک پہنچ جائیں گے اور وہاں ان کو فرشتے ملیں گے جو ان کے چہروں پر ماریں گے۔ پھر وہ وہاں سے لوٹ آئیں گے، لوگ ادھر ادھر پریشان بھاگنے دوڑنے لگیں گے اور ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

یَوْمَ التَّنَادِ o یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ مَالَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ هَادٍ o (المؤمن: ۳۲۔۳۳)

فریاد کا دن، جس دن تم پیٹھ پھر کر بھاگو گے، تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور جس کو اللہ گمراہی میں ڈال دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

اس وقت زمین ایک طرف سے دوسری طرف تک پھٹ جائے گی، اس وقت کی گھبراہٹ کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ پھر آسمان میں انقلابات ظاہر ہوں گے، سورج اور چاند بے نور ہوجائیں گے اور ستارے جھڑنے لگیں گے اور کھال ادھڑنے لگے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مُردے اس سب کچھ سے بے خبر ہوں گے۔ (البتہ زندہ لوگ سب کچھ دیکھ رہے ہوں گے)۔ یہ حدیث طبرانی، ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہ میں بہت طویل ہے۔ (ابن کثیر ۲۰۳،۲۰۴/۳)

مشرکین کی کج بحثی

۳،۴۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں جس (شیطان) کے حق میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو کوئی اس کو دوست بنائے گا تو وہ اس کو گمراہ کردے گا اور اس کو دوزخ کے عذاب تک لے جائے گا۔

مَرِيْدٍ: سرکش۔اللہ تعالیٰ کا نافرمان۔

تَوَلَّاهُ: اس نے اس سے دوستی کی۔تَوَلِّیٌ سے ماضی۔

السَّعِيْر: دہکتی ہوئی آگ۔دوزخ۔سَعْرٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے ابی مالک سے روایت کی کہ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جو دین کے معاملے میں بڑا جھگڑالو تھا اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور قرآن کریم کو سابقہ قوموں کی داستانیں اور افسانے کہتا تھا، قیامت اور دوبارہ زندہ ہونے کا منکر تھا۔

(مظہری ۶/۲۵۳، روح المعانی ۱۷/۱۱۴)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ اُبی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی اور بلکہ یہ ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو اللہ کی ذات وصفات اور افعال کے بارے میں جائز وناجائز جھگڑا کرے۔ (روح المعانی ۱۷/۱۱۴)

تشریح: لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی جہالت اور بے علمی کی بنا پر اللہ کی ذات وصفات اور احکام کے بارے میں جھگڑتے ہیں، موت کے بعد کی زندگی کا انکار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو اس پر قادر نہیں مانتے اور اللہ اور اس کے رسولوں کی اتباع چھوڑ کر سرکش شیطانوں کی پیروی کرتے ہیں جو ان کو راہِ حق سے گمراہ کر کے جہنم کی راہ پر لگا دیتے ہیں۔ شیطان کی سرشت اور فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے پیچھے چلنے والوں کو سیدھے راستے سے بہکا کر ایسے راستے پر چلنے کے لئے آمادہ کرتا ہے جو ان کو درزخ کے عذاب تک لے جاتا ہے۔

تخلیقِ انسانی کے مراحل

۵۔ يَآيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْــــًٔا ۭ

اے لوگو! اگر تمہیں (قیامت کے روز) دوبارہ زندہ ہونے میں شک ہے (تو تم اس کو سوچو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بغیر شکل کے بھی، تاکہ ہم تم پر (اپنی قدرت) ظاہر کر دیں، اور جسے ہم چاہتے ہیں ایک مقررہ مدت تک رحم (مادر) میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر ہم تمہیں بچہ بنا کر نکال لیتے ہیں پھر (تمہاری پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں سے بعض (تو پہلے ہی) مر جاتے ہیں اور تم میں سے بعض کو ناکارہ عمر (بڑھاپے) کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، تاکہ وہ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد پھر بے خبر ہو جائے۔

اَلْبَعْث: زندہ کرنا۔ اٹھانا۔ قیامت۔ مصدر ہے۔

تُرَاب: مٹی۔ خاک۔

عَلَقَة: جمے ہوئے خون کی ایک پھٹکی۔ خون کا جما ہوا لوتھڑا۔

مُضْغَة: بوٹی۔ گوشت کا ٹکڑا۔ گوشت کا لوتھڑا۔ اصل میں مُضْغَة کسی چیز کے اتنے حصے کو کہتے ہیں جو چبایا جاتا ہے۔

مُخَلَّقَة: تخلیق کی ہوئی۔ بنی ہوئی۔ پورے وقت پر پیدا ہونے والا۔ بعض علما نے کہا کہ وہ بچہ جو اپنی پوری مدت حمل گزار کر اپنے وقت پر پیدا ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ بچہ جو ٹھیک اور

درست حالت میں پیدا ہو،اس کے اعضا میں کوئی کمی ہو اور نہ کوئی عیب۔

غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ : اس سے مراد وہ بچہ ہے جو وقت سے پہلے ساقط ہو جاتا ہے۔ وہ بچہ جو ناقص الخلقت یا عیب دار ہو۔

نُقِرُّ : ہم ٹھہراتے ہیں اِقْرَارٌ سے مضارع ہے۔

اَرْذَلِ : بہت خراب۔ بہت نکما۔ رَذَالَةٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح : اے لوگو! اگر قیامت کے روز مر کر زندہ ہونے میں تمہیں شک وشبہ ہے تو اس بات کو دیکھو کہ ہم نے تمہاری جنس کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تم سب کو حقیر پانی کے ایک قطرے سے پیدا کیا، جس نے پہلے جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کی، پھر وہ گوشت کا ایک لوتھڑا بن گیا جس میں کوئی شکل وصورت نہیں ہوتی۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے صورت عنایت فرماتا ہے، سر، ہاتھ، سینہ، پیٹ، رانیں، پاؤں اور تمام اعضا بنتے ہیں۔ کبھی اس سے پہلے ہی حمل ساقط ہو جاتا ہے اور کبھی اس کے بعد اور کبھی ٹھہر جاتا ہے۔ یہ سب تمہارے مشاہدے کی باتیں ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے جو اسے ٹھیک ٹھاک اور درست کر کے اس میں روح پھونک دیتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے خوبصورت یا بدصورت، مرد یا عورت بنا دیا جاتا ہے، رزق، زندگی، نیکی، بدی وغیرہ اسی وقت لکھ دی جاتی ہے تاکہ تم پر اللہ کی قدرت وحکمت کا کمال ظاہر ہو جائے اور تمہیں یقین ہو جائے کہ جو اللہ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لا سکتا ہے، وہ اس کو دوبارہ زندہ کر کے بھی اٹھا سکتا ہے۔

پھر ایک کمزور بچے کی شکل میں ہم تمہیں بطنِ مادر سے نکالتے ہیں جس کی سماعت و بصارت، اس کی عقل وحواس، اس کی پکڑنے اور حرکت کرنے کی قوت، غرض تمام اعضا اور قوتیں نہایت ضعیف اور کمزور ہوتی ہیں۔ پھر بتدریج ہم ان کو ترقی دیتے ہیں اور پروان چڑھاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنی پوری قوت کو پہنچ جاتے ہیں پھر تم میں سے کسی کو لڑکپن میں، کسی کو جوانی میں وفات دیتے ہیں اور کسی کو انتہائی پیری اور بالکل ناکارہ عمر تک پہنچا دیا جاتا ہے، وہ عقل وخرد کھو بیٹھتا ہے اور بچوں کی طرح ضعیف ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ سمجھدار بننے کے بعد ناسمجھ اور کارآمد ہونے کے بعد نکما ہو جاتا ہے۔ پس جو خدا ان سب باتوں پر قادر ہے کیا وہ انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ بلاشبہ وہ ایسا کر سکتا ہے اور ضرور کرے گا۔

قرطبی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ انسان کا مادہ چالیس روز تک رحم میں جمع رہتا ہے۔ پھر چالیس دن کے بعد علقہ یعنی منجمد خون بن جاتا ہے، پھر چالیس ہی دن میں وہ مضغہ یعنی گوشت بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اس کے متعلق چار باتیں اسی وقت فرشتے کو لکھوا دی جاتی ہیں۔ اول یہ کہ اس کی عمر کتنی ہے، دوسرے رزق کتنا ہے، تیسرے عمل کیا کیا کرے گا۔ چوتھے یہ کہ انجام کار شقی اور بد بخت ہوگا یا سعید وخوش نصیب ہوگا۔

(معارف القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع ۲۴۰/۶)

اللہ کی قدرت کاملہ

۵۔۷، وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝

اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خراب (بنجر) پڑی ہوئی ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ تر وتازہ ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی خوشنما جڑی بوٹیاں اگاتی ہے۔ یہ سب اس لئے کہ اللہ ہی برحق ہے اور وہی مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ (بھی حق ہے) کہ قیامت آنے والی ہے (جس کے آنے میں) کچھ بھی شک نہیں اور یہ بھی (حقیقت ہے) کہ جو قبروں میں ہیں (قیامت کے روز) اللہ ان کو دوبارہ زندہ کردے گا۔

هَامِدَةً: خشک۔ بنجر، بغیر سبزے کے۔ هَمْدٌ وهُمُودٌ سے۔ اسم فاعل

اِهْتَزَّتْ: وہ حرکت کرتی ہے۔ وہ جھومتی ہے۔ وہ ابھرتی ہے۔ اِهْتِزَازٌ۔ ماضی

رَبَتْ: وہ پھولی۔ وہ بڑھی۔ رَبْوٌ و رُبُوٌّ سے ماضی

بَهِيج: بارونق۔ خوش منظر، تر وتازہ۔ بَهْجٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: مردہ زمین جو بالکل چٹیل، سخت اور خشک ہوتی ہے اور اس پر کہیں سبزے کا نام ونشان نہیں ہوتا، ہم اپنی قدرت سے اس پر آسمان سے پانی برسا کر اسے لہلہاتی اور تر وتازہ کر دیتے ہیں اور اس

سے ہر قسم کے خوشنما نباتات اگاتے ہیں ۔ پس جو خدا اس طرح مردہ زمین کے زندہ کرنے پر قادر ہے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کے متفرق اجزا کو جمع کر کے پھر اسی حال پر لے آئے جس پر وہ پہلے تھے ۔ یہ سب کچھ اسی کی قدرتِ کاملہ سے ہو رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ہستی کامل اور حق ہے، وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے ۔ بلا شبہ قیامت آنے والی ہے اور یہ بات قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا کیونکہ اس نے اس کا وعدہ فرما رکھا ہے اور اس کے وعدے کے خلاف ہونا محال ہے ۔ (مظہری ۲۵۳ ۔ ۶/۲۵۶ حقانی ۳/۳۱۴،۳۱۳)

دنیا کی رسوائی اور آخرت کا عذاب

۸ ۔ ۱۰ ۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو علم و ہدایت اور کسی روشن کتاب کے بغیر اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں تکبر سے گردن موڑتے ہوئے تاکہ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں ۔ ایسے شخص کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور قیامت کے روز ہم اس کو دہکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے ۔ یہ تیرے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور یہ کہ اللہ اپنے بندوں پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کرتا ۔

ثَانِيَ : موڑنے والا ۔ پھرانے والا ۔ ثَنْیٌ سے اسم فاعل

عِطْفِهٖ : اس کا شانہ ۔ اس کا بازو ۔ اس کا پہلو ۔

خِزْيٌ : ذلت ۔ خواری ۔ رسوائی ۔

الْحَرِيْقِ : جلتی ہوئی آگ ۔ بھڑکتی ہوئی آگ ۔ حَرْقٌ سے صفت مشبہ ۔

تشریح: حشر و نشر کے اثبات اور منکرین قیامت کے شبہات کے ابطال کے بعد فرمایا کہ بعض لوگ ایسے کج فہم اور ضدی ہیں کہ واضح اور روشن دلائل سننے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ، قدرت کاملہ

اور حکمت باہرہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس نہ تو علم وعقل ہے اور نہ کوئی نقلی یا عقلی دلیل ہے جس کو کسی آسمانی کتاب سے پیش کرسکیں۔ ان کی کج روی اور بے عقلی کا یہ حال ہے کہ جب ان کو حق کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ غرور وتکبر سے اپنی گردن اکڑا لیتے ہیں اور اپنی بے سرو پا باتوں کے ذریعے لوگوں کو اللہ کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور جس طرح خود گمراہ ہیں اسی طرح دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے غرور وتکبر کی سزا کے طور پر دنیا میں بھی ذلت ورسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کو جلتی ہوئی آگ کا مزہ چکھایا جائے گا۔

قیامت کے دن جب ان کو عذاب دیا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا کہ کسی کو جرم کے بغیر سزا دے۔ وہ تو عدل وانصاف کرنے والا ہے اور عدل کا تقاضا یہ ہے کہ کفر ونافرمانی کی سزا دی جائے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸/ ۵، مظہری ۲۵۶، ۲۵۷/ ۶)۔

اہل شک ونفاق کی حالت

۱۱۔۱۳۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو ایک کنارے ہو کر عبادت کرتا ہے، پھر اگر اس کو کچھ (دنیوی) فائدہ پہنچ گیا تو اس عبادت پر قائم ہو گیا اور اگر اس پر کچھ آزمائش آ گئی تو منہ کے بل الٹا پھر گیا۔ اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا، یہی ہے صریح خسارہ۔ وہ اللہ کو چھوڑ کر اس کو پکارتا ہے جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے وہ اس

کو پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔ ایسا دوست بھی
بُرا ہے اور ایسا رفیق بھی برا ہے۔

حَرْفٍ : کنارہ۔ دھار۔ طرف۔ جمع حِرَفٌ وحُرُوْفٌ ۔

انْقَلَبَ : وہ لوٹ کر آیا۔ وہ پھر گیا۔ اِنْقِلَابٌ سے ماضی

بِئْسَ : بُرا۔ خراب۔ فعل ذم ہے۔

الْعَشِيْرُ : رشتہ دار۔ دوست۔ ساتھی۔ جمع عُشَرَاءُ۔

شانِ نزول: بخاری، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ بعض لوگ مدینے میں آ کر مسلمان ہو جاتے تھے۔ اسلام کے بعد اگر اس کی بیوی کے لڑکا پیدا ہوتا اور گھوڑوں کے بچے پیدا ہوتے تو کہتا کہ یہ مذہب اچھا ہے اور اگر عورت کے لڑکا نہ ہوتا گھوڑوں کے بچے پیدا نہ ہوتے تو کہتا کہ یہ دین برا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
(مظہری ۲۵۷، ۲۵۸/ ۶، ابن کثیر ۲۰۹، ۲۱۰/ ۳)

تشریح: بعض لوگ محض دنیاوی غرض سے دین کو اختیار کرتے ہیں، ان کے دل شک وشبہ میں مبتلا رہتے ہیں اگر دین میں داخل ہونے کے بعد ان کو دنیا کی بھلائی حاصل ہو جاتی۔ جیسے رزق میں وسعت، صحت وعافیت، مال واولاد کی کثرت وغیرہ تو دین پر قائم رہتے ہیں، اور اگر کوئی مصیبت وتکلیف پاتے ہیں، جیسے بیماری، رزق میں تنگی، مال میں خسارہ وغیرہ تو دین کو چھوڑ دیتے ہیں، ایسا شخص گویا کہ کنارے پر کھڑا ہے اُدھر دنیا گئی اِدھر دین گیا، یہ بڑی بدنصیبی اور دنیا وآخرت کی بربادی ہے کہ یہ لوگ دنیا کی بھلائی نہ ملنے کی وجہ سے اللہ کی بندگی چھوڑ کر بتوں کو پوجنے لگے۔ حالانکہ جن بتوں کو یہ پوجتے ہیں جن سے یہ مدد مانگتے ہیں، جن سے فریاد کرتے ہیں اور جن سے روزیاں مانگتے ہیں وہ تو محض عاجز وبے بس ہیں ان کے ہاتھ میں کسی قسم کا نفع ونقصان نہیں۔ ایسی بے بس وعاجز اور بے ضرر چیز سے روزی اور مدد مانگنا اور اس کی عبادت کرنا ہی پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ قیامت کے روز یہ بت، ان کے نہایت برے ولی اور نہایت برے ساتھی ثابت ہوں گے۔ (عثمانی ۱۳۱۔۱۳۲/ ۲، مواہب الرحمٰن ۱۴۹، ۱۵۱/ ۱۷)

مومنین کی فلاح اور منکرین کی نامرادی

۱۴۔۱۶،

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۝ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيظُ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يُّرِيدُ ۝

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے، ایسے باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جس کو (مایوسی کی حالت میں) یہ گمان ہو کہ اللہ دنیا و آخرت میں اس (رسول اللہ ﷺ) کی مدد نہ کرے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ ایک رسی آسمان تک تان لے پھر اس (رسی کے ذریعے آسمان پر پہنچ کر اس وحی) کو موقوف کرادے۔ پھر دیکھے کہ کیا اس کی اس تدبیر سے اس کا غصہ جاتا رہا۔ اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو واضح آیتیں بنا کر نازل کیا ہے اور یہ کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت نصیب فرماتا ہے۔

يَمْدُدْ: وہ ڈھیل دیتا ہے۔ وہ دراز کرتا ہے مَدٌّ سے امر غائب بمعنی مضارع۔

سَبَبًا: سبب، ذریعہ۔ حیلہ۔ رسی۔ سامان۔ جمع اَسْبَاب۔

كَيْدُهٗ: اس کا مکر۔ اس کا فریب۔ اس کی چالاکی۔

يَغِيظُ: وہ غصہ دلاتا ہے، وہ ناراض کرتا ہے۔ غَيْظٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی اسد اور بنی غطفان کے حق میں ہوا۔ ان دونوں قبیلوں کا یہودیوں سے باہم امداد کا معاہدہ تھا۔ رسول اللہ (ﷺ) نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے مسلمان ہونا ممکن نہیں کیونکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ اللہ محمد (ﷺ)

کی مدد نہیں کرے گا اور مسلمان ہونے کے بعد ہمارا یہودیوں سے معاہدہ ٹوٹ جائے گا، وہ ہمیں غلہ دیں گے نہ ٹھہرنے کی جگہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۵۹، ۲۶۰/۶)

تشریح: بیشک اللہ تعالیٰ جو معبود حقیقی اور قادر مطلق ہے اپنے مومن اور نیکوکار بندوں کو مرنے کے بعد ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ اپنے دوستوں کو عزت دیتا اور ان کو فتح و نصرت سے نوازتا ہے اور منکرین و منافقین کو ذلیل و رسوا کرتا ہے کیونکہ وہ قادر مطلق ہے جبکہ ان بتوں کو جن کو یہ کافر پوجتے ہیں، نفع و نقصان کا ذرا بھی اختیار نہیں۔

پھر فرمایا کہ منکرین کا یہ گمان غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کی دنیا اور آخرت میں کوئی مدد نہیں کرے گا اور دین اسلام بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ منکرین کے دلوں میں اسلام کے بارے میں غیظ و غضب بھرا ہوا ہے۔ وہ جتنی چاہیں تدبیریں کرلیں مگر اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی مدد ضرور فرمائے گا خواہ یہ منکرین اپنے غصے میں مرہی جائیں۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی مدد نہیں فرمائے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ ایک رسی کے ذریعے آسمان تک پہنچ جائے اور اس اترتی ہوئی آسمانی مدد کو کاٹ دے، اگر وہ اس پر قادر ہے۔ کیونکہ آسمان پر پہنچے بغیر آسمانی مدد کو روکنا ممکن نہیں لہذا اس کو چاہئے کہ کسی بھی ذریعے سے آسمان پر پہنچ جائے اور وہاں سے آپ کی مدد و نصرت کو قطع کردے۔ مگر کوئی حیلہ اور تدبیر آسمانی مدد کو نہیں روک سکتا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے یہ قرآن واضح اور روشن آیتوں کے ساتھ نازل کیا ہے جن میں کسی قسم کا ابہام نہیں۔ جو شخص ان میں غور و فکر کرتا ہے اس پر صاف صاف حق واضح ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے۔ سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۰، ۱۱/ ۵، حقانی ۳۱۶، ۳۱۷/ ۳)

فیصلے کا دن

۱۷، ۱۸

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۱۷ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾

بیشک جولوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور جو صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرک ہیں۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے درمیان ضرور فیصلہ کردے گا۔ بیشک اللہ ہر شے سے واقف ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی، سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے اور جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے تو اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا، بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

الدَّوَابُّ : چلنے والے۔ چوپائے۔ خلائق۔ واحد دَابَّۃٌ ۔

یُھِنْ: وہ اہانت کرتا ہے۔ وہ ذلیل کرتا ہے۔ اِھَانَۃٌ سے مضارع۔

مُکْرِمٍ: اکرام کرنے والا۔ عزت دینے والا۔ نوازنے والا۔ اِکْرَامٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مذاہب کے تنازعات کا دوٹوک فیصلہ فرمادے گا یعنی وہ مومنوں، یہودیوں، صابیوں، نصرانیوں، مجوسیوں اور مشرکوں کے درمیان فیصلہ فرمادے گا اور حق پرستوں کو باطل پرستوں سے جدا کر کے جنت میں داخل کردے گا، اور تمام کافروں کو خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ یا مجوس یا صابی یا مشرک، وہ سب کو جہنم میں داخل کردے گا کیونکہ وہ سب کے احوال کا نگراں ہے۔ سب کے ظاہری و باطنی حالات کا اس کو علم ہے، اس سے کسی کا عمل مخفی نہیں۔

عبادت کی مستحق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی عظمت کے سامنے ہر چیز سر جھکائے ہوئے ہے۔ خواہ وہ آسمانوں کے فرشتے ہوں یا زمین کے حیوان، انسان، جنات، چرند، پرند، وغیرہ، سب اپنی اپنی حالت کے مطابق اس کے سامنے سربسجود ہیں اور اس کی تسبیح اور حمد کر رہے ہیں۔

سورج ، چانداور ستارے بھی اللہ کوسجدہ کرتے ہیں۔اگرچہ سورج چانداور ستارے مـن فـی السمـوت میں داخل تھے مگر یہاں ان کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا کہ جاہل لوگ ان میں سے ہر چیز کوسجدہ اوراس کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ چیزیں تو خود اپنے خالق و مالک عزوجل کوسجدہ کرتی ہیں،سو یہ سجدے کے لائق نہیں اسلئے فرمایا۔

لَاتَسْجُدُوْالِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْااللّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَهُنَّ.

(سورۃ حم سجدہ آیت ۳۷)

''تم سورج اور چاندکوسجدہ نہ کرو بلکہ اس کوسجدہ کرو جوان کا خالق ہے''۔

چاندسورج کا سجدہ ان کا غروب ہونا ہے۔ پہاڑوں اور درختوں کا سجدہ،ان کے سائے کا دائیں بائیں پڑنا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَاخَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَىْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ٥ (سورۃ نحل آیت ۴۸)

کیا وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کونہیں دیکھتے کہ ان کے سائے (کبھی) دائیں طرف اور(کبھی) بائیں طرف جھکتے رہتے ہیں۔(گویا کہ)وہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں،

بہت سے لوگ اللہ تعالٰی کوعبادت کے طور پر نہایت رغبت اور ذوق وشوق کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں اوران کواس کا اجر وثواب دیا جاتا ہے۔یہی لوگ مومن اوراہل طاعت ہیں اور بہت سے لوگوں نے اسی سجدے کا انکار کر کے اپنے آپ کوعذاب کا مستحق بنالیا ہے۔ یہ منکرین ہی کافر ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

جس کواللہ تعالٰی ذلیل وخوار کرے اس کا اکرام کرنے والا کوئی نہیں اور وہ قادر ومختار ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے اس لئے اس نے اپنی مشیت سے جیسی مخلوق چاہی پیدا کر دی،اس سے کوئی سوال نہیں کر سکتا کہ اس نے اپنی مخلوق کی اہانت کیوں کی (مواہب الرحمٰن ۱۵۴-۱۶۳/ ۱۷،مظہری ۲۶۲،۲۶۱/ ۶)

مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہٹ کر رونے لگتا ہے کہ افسوس! ابن آدم کوسجدے کا حکم فرمایا۔اس نے سجدہ کرلیا اور جنتی ہوگیا اور میں انکار کر کے جہنمی بن گیا۔ (ابن کثیر ۲۱۰،۲۱۱/ ۳)

کافروں کا حال

۱۹۔۲۲، هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۚ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾

یہ دو فریق مخالف ہیں جو اللہ کے مقابلے میں جھگڑتے ہیں۔ پھر جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے تو آگ کے کپڑے قطع کئے گئے ہیں۔ اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ اس سے جو کچھ ان کے پیٹ میں (آنتیں وغیرہ) ہوگا وہ سب گلا دیا جائے گا۔ اور ان (کو مارنے) کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے۔ جب بھی وہ غم کے سبب اس (دوزخ) سے نکلنا چاہیں گے تو ان کو پھر اسی میں دھکیل دیا جائے گا۔ اور (ان سے کہا جائے گا کہ) دہکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھتے رہو۔

خَصْمٰنِ: دو جھگڑنے والے۔

يُصَبُّ: وہ ٹپکایا جائے گا۔ وہ اوپر سے ڈالا جائے گا۔ صَبٌّ سے مضارع مجہول۔

اَلْحَمِيْمُ: کھولتا ہوا پانی، نہایت گرم پانی۔

يُصْهَرُ: وہ پگھلا دیا جائے گا۔۔ وہ گلا دیا جائے گا۔ صَهْرٌ سے مضارع مجہول۔

الْجُلُوْدُ: جلدیں۔ کھالیں۔ چمڑے۔ واحد جِلْدٌ۔

مَقَامِعُ: گرز۔ بڑے بڑے ہتھوڑے۔ اِنْقِمَاعٌ۔ اسم آلہ سے واحد مِقْمَعٌ۔

حَدِيْدٌ: لوہا۔

الْحَرِيْقِ: جلتی ہوئی آگ۔ بھڑکتی ہوئی آگ۔ حَرْقٌ سے صفت مشبہ۔

شانِ نزول: شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوذرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ آیت هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ کا نزول حضرت حمزہؓ، حضرت عبیدہؓ، حضرت علیؓ اور عتبہ، شیبہ اور ولید

بن عتبہ کے متعلق ہوا۔ پہلے تینوں حضرات مومن تھے اور باقی تینوں اشخاص کافر تھے۔

ابن جریر نے بروایت عوفی حضرت ابن عباسؓ کا قول اور ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں اور اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ اہل کتاب کہتے تھے کہ ہمارے نبی تمہارے نبی سے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے مقدم ہے اس لئے ہم تمہارے مقابلے میں اللہ سے زیادہ قریب ہیں۔ اور مسلمان کہتے تھے کہ ہم اپنے نبی ﷺ پر اور تمہارے نبی پر اور اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے ہم قرب الٰہی کے زیادہ مستحق ہیں۔ اللہ کے معاملے میں فریقین کا یہی جھگڑا تھا۔ مجاہد اور عطا بن رباح نے کہا کہ ھذٰن خصمٰن سے تمام مسلمان اور کافر مراد ہیں۔ یہی دو فریق ہیں (مظہری ۲۶۲، ۲۶۳/ ۶، ابن کثیر ۲۱۲، ۲۱۳/ ۳)

تشریح: گزشتہ آیت یعنی اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا میں جن فرقوں کا ذکر ہوا ان سب کو حق اور باطل پر ہونے کی بنا پر دو فریق کہہ سکتے ہیں۔ ایک مومنین کا گروہ جو اپنے رب کے تمام احکام کو مانتے اور اس کے دین کا غلبہ چاہتے تھے۔ دوسرے کفار جس میں یہود و نصاری، مجوس، مشرکین، صابئین وغیرہ سب شامل ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کرنے کے بجائے اللہ کے دین کو پست کرنے اور باطل کو ابھارنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کافروں کو آگ کا لباس پہنائے گا۔ ان کافروں کے سر کے اوپر انتہائی گرم پانی ڈالا جائے گا جو دماغ کے راستے سے پیٹ میں پہنچے گا جس سے ان کے پیٹوں کے اندر کی چربی، آنتیں، جگر اور تلی وغیرہ سب کٹ کٹ کر نکل پڑیں گے اور ان کے بدن کی بیرونی کھال بھی گل کر گر پڑے گی۔ پھر فوراً ہی وہ اصلی حالت پر کر دیئے جائیں گے اور بار بار یہی عمل ہوتا رہے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ○

(سورۂ نساء آیت ۵۶)

جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب چکھیں۔

پھر فرمایا کہ ان کو مارنے کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے۔ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ دوزخیوں کو گرزوں سے مارا جائے گا اور گرز کی ضرب مستقل طور پر ہر ہر عضو پر پڑے گی اور (ہر ضرب پر) وہ موت کو پکاریں گے۔

ابو یعلی، ابن ابی حاتم، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوہے کا وہ گرز زمین پر رکھ دیا جائے اور سارے جن وانس اس کو اٹھانا چاہیں تو اٹھا نہ سکیں اور اگر اس کی ایک ضرب پہاڑ پر پڑ جائے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے۔

اہل دوزخ جب بھی عذاب سے بچنے کے لئے دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو فوراً ان کو دوزخ میں لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا مزہ چکھتے رہو۔ اب اس عذاب سے کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

بیہقی نے ابو صالح کا قول نقل کیا ہے کہ جب دوزخ میں کسی کافر کو پھینکا جائے گا تو وہ گڑھے کی تہ تک پہنچے بغیر کہیں نہیں رکے گا۔ پھر جہنم کی آگ کا جوش اس کو اٹھا کر جہنم کے بالائی کنارے تک لے جائے گا۔ اس وقت اس کی ہڈیوں پر گوشت کی بوٹی نہ ہوگی پھر فرشتے اس کو گرزوں سے ماریں گے اور وہ لڑھکتا ہوا تہ تک پہنچ جائے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے گا۔

(عثمانی ۲/۱۳۴، مظہری ۶/۲۶۶،۲۶۴)

اہل جنت کا حال

۲۳، ۲۴۔ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝

بیشک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کئے، ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا، اور ان کو پاکیزہ بات کی ہدایت کی گئی اور ان کو اس (خدا) کے راستے کی ہدایت ہوگئی جو حمد کے لائق ہے۔

يُحَلَّوْنَ: ان کو آراستہ کیا جائے گا۔ ان کو زیور پہنایا جائے گا۔ تَحْلِيَةٌ سے مضارع۔

اَسَاوِرَ: کنگن۔ واحد سِوَارٌ۔

لُؤْ لُؤًا: موتی۔جمع لآلی۔

حَرِیْرٌ: ریشم۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں اہل درزخ، ان کی سزاؤں، آگ کے لباس اور آگ میں جلنے وغیرہ کا بیان تھا۔ان آیتوں میں اہل جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان ہے کہ جو لوگ مومن ہیں اور ان کے اعمال بھی نیک ہیں تو ان کو اعمال صالحہ کے بدلے میں جنت ملے گی جس کے باغوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ جنت میں ان لوگوں کو سونے کے کنگن اور موتیوں کا زیور پہنایا جائے گا۔اور ان کا لباس ریشم سے بنا ہوا ہوگا۔

طبرانی نے الاوسط میں اور بیہقی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر ادنیٰ جنتی کے زیور کا دنیا والوں کے زیور سے موازنہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ادنیٰ جنتی کو جس زیور سے آراستہ کرے گا وہ ساری دنیا والوں کے زیور سے اعلیٰ ہوگا۔

شیخین نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کہ مومن کا زیور (اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں) اس حد تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔

شیخین نے بیان کیا کہ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرمارہے تھے تم لوگ نہ ریشم پہنو نہ دیبا، نہ سونے چاندی کے برتنوں میں پیو، نہ ان کے پیالوں، رکابیوں میں کھاؤ۔یہ چیزیں ان (کافروں) کے لئے دنیا میں ہیں اور تم لوگوں کے لئے آخرت میں ہوں گی۔

ابو داود طیالسی نے صحیح سند سے اور نسائی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا اور اگر جنت میں پہنچ بھی گیا تب بھی دوسرے اہل جنت ریشم پہنیں گے، یہ نہیں پہن سکے گا۔

پھر فرمایا کہ ان کو جنت میں یہ نعمتیں اس لئے ملیں گی کہ ان کو دنیا میں کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ پر ایمان کی توفیق ملی تھی اور اس خدا کے راستے یعنی دین اسلام پر چلنے کی ہدایت مل گئی تھی جو حمد کا مستحق ہے۔بعض علما کہتے ہیں کہ پاکیزہ قول سے جنت میں اللہ کی حمد وثنا اور تسبیح وتقدیس مراد ہے اور صراط حمید سے جنت کا راستہ مراد ہے۔ (مظہری ۲۶۶۔۲۶۸/۶)

اللہ کی راہ سے روکنے والے

۲۵۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِیْهِ وَ الْبَادِ ؕ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۵﴾

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے اور اس مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے تمام آدمیوں کے لئے بنایا ہے۔ اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا سب (کے حقوق) برابر ہیں اور جو اس میں کج روی کا ناحق ارادہ کرے گا تو ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے۔

یَصُدُّوْنَ: وہ روکتے ہیں۔ وہ باز رکھتے ہیں۔ صَدٌّ سے مضارع۔

الْعَاكِفُ: اعتکاف کرنے والا۔ ٹھہرنا۔ جم کر بیٹھنا۔ عُكُوْفٌ سے اسم فاعل۔

الْبَادِ: بادیہ نشین، جنگل کے رہنے والے، بَدْوٌ اور بَدَاوَةٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جو لوگ خود گمراہ ہیں وہ دوسروں کو اللہ کے راستے پر چلنے سے روکتے ہیں حتیٰ کہ ان لوگوں نے ان مسلمانوں کا راستہ بھی روک دیا جو اپنے پیغمبر کے ہمراہ عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ جا رہے تھے اور ان کو عمرے کے ارکان ادا کرنے نہیں دیئے حالانکہ وہ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کا دعوٰی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ o (سورۃ انفال آیت ۳۴)

(یہ کافر مشرک تو کبھی بھی اس کے متولی نہ تھے) اس کے اولیا تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں۔

پھر فرمایا کہ مسجد حرام تو وہ جگہ ہے جس سے لوگوں کی عبادات و مناسک کا تعلق ہے۔ یہاں ہر شخص کو قیام کرنے اور عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں خواہ وہ مقیم ہو یا مسافر اور شہری ہو یا پردیسی سب کو عبادت کرنے کا حق حاصل ہے، کوئی کسی کو نہیں روک سکتا۔ پس جو شخص جان بوجھ کر یہاں بے دینی اور شرارت کی بات کرے گا اس کے لئے سخت عذاب ہے۔

اگرچہ ہر خلاف دین کام خصوصاً کفر و شرک ہر جگہ، ہر زمانے میں حرام اور انتہائی سخت گناہ اور موجب عذاب ہے مگر جو شخص ایسے کام حرم محترم کے اندر کرے گا اس کا جرم دوگنا ہوگا اسی لئے یہ بات یہاں حرم کی تخصیص کر کے بیان کی گئی ہے۔

(مظہری ۲۶۸۔۶/۲۷۳، عثمانی ۲/۱۳۶)

فرضیتِ حج کا اعلانِ عام

۲۶۔۲۹، وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۞ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۞ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۞ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۞

اور جب ہم نے ابرہیم کے لئے کعبہ کی جگہ مقرر کردی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا اور لوگوں میں حج کا اعلان کردے۔ لوگ تیرے پاس پیدل چل کر بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی دور دراز کے تمام راستوں سے آئیں گے تاکہ اپنے فائدے حاصل کرنے کے لئے آجائیں اور (تاکہ) جو چوپائے اللہ نے ان کو دے رکھے ہیں (قربانی کے) مقررہ ایام میں (ذبح کرتے وقت) ان پر وہ اللہ کا نام لیں۔ پھر اس (قربانی کے گوشت) میں سے تم (خود) بھی کھاؤ اور محتاج فقیر کو بھی کھلاؤ، پھر چاہئے کہ وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور (احرام کھول کر) اپنی نذریں (مناسک) پوری کریں اور (خدا کے) قدیم گھر (کعبہ) کا طواف کریں۔

بَوَّأْنَا: ہم نے جگہ دی۔ ہم نے ٹھکانا، تَبْوِیَۃٌ سے ماضی۔

ضَامِرٍ: کمزور (اونٹ یا سواری کا جانور)، لاغر، دبلا۔ ضُمْرَۃٌ سے اسم فاعل۔

فَجٍّ: دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستہ۔ جمع فِجَاجاً۔

عَمِیْقٍ: گہرا۔ دور۔ بعید: عُمْقٌ سے صفت مشبہ۔

بَهِیْمَةِ: چوپائے۔ (اونٹ۔ بکری۔ گائے وغیرہ)۔ جمع بہائم۔

الْبَائِسَ: بدحال بھوکا۔ مصیبت زدہ۔ بُؤْوسٌ سے اسم فاعل۔

یَقْضُوْا: ان کو دور کرنا چاہئے۔ان کو صاف کرنا چاہئے۔قَضَاءٌ سے امر غائب۔

تَفَثَهُمْ: ان کا میل کچیل۔ان کے ناخن،ان کے بال۔

نُذُوْرَهُمْ: ان کی نذریں،ان کی منتیں،واحد نَذْرٌ ۔ایسی بات کو اپنے اوپر واجب کر لینے کا نام ''نذر'' ہے جو اللہ نے واجب نہ کی ہو۔

اَلْعَتِیْقِ: قدیم۔بلند مرتبہ۔آزاد،مراد خانہ کعبہ۔عِتْقٌ سے صفت مشبہ۔جمع عُتُقٌ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کا نام بیت العتیق اس لئے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کافروں اور جابروں کے غلبے اور قبضے سے آزاد کر دیا ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع،۶/۲۶۰)

کسی کافر کو مجال نہیں کہ اس پر قبضہ اور غلبہ کر سکے اصحاب فیل کا واقعہ اس پر شاہد ہے۔

تشریح: یہ بات قابل ذکر اور یاد رکھنے کی ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اس جگہ ٹھکانا دیا جہاں بیت اللہ ہے۔حضرت ابرہیم علیہ السّلام پہلے سے یہاں آباد نہ تھے بلکہ ان کو ملک شام سے ہجرت کرا کر یہاں لایا گیا تھا۔معتبر روایات میں ہے کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم کی آمد سے پہلے موجود تھا۔حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے سے پہلے یا اس کے ساتھ ہی پہلی مرتبہ اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیا بیت اللہ کا طواف کرتے تھے حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے وقت بیت اللہ کی تعمیر اٹھالی گئی تھی البتہ اس کی بنیادیں اور مقررہ جگہ موجود تھی حضرت ابرہیم علیہ السّلام کو اسی جگہ لا کر ٹھہرایا گیا تھا اور ان کو تین حکم دیئے گئے تھے۔

۱۔ اَنْ لَّا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا ۔یہ کہ میری عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔

بظاہر تو یہ شرک سے پرہیز کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا گیا ہے مگر اس سے مراد عام لوگوں کو سنانا ہے کہ وہ شرک سے پرہیز کریں کیونکہ حضرت ابرہیم کی بت شکنی اور شرک کرنے والوں سے مقابلہ اور اس میں سخت ترین آزمائش کے واقعات تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں آنے سے پہلے ہو چکے تھے۔

۲۔ وَطَهِّرْ بَیْتِیَ . میرے گھر کو ان لوگوں کے لئے پاک کیجئے جو قیام کرتے ہیں اور رکوع وسجود کرتے ہیں۔بیت اللہ در و دیوار اور تعمیر کا نام نہیں بلکہ اس بقعہ مقدس اور مکان (جگہ) کا نام ہے جس پر پہلی مرتبہ بیت اللہ تعمیر ہوا تھا۔چونکہ وہ بقعہ اور مکان موجود تھا اور اس جگہ

قوم جرہم اور عمالقہ نے کچھ بت رکھے ہوئے تھے جن کی پوجا کی جاتی تھی۔اس لئے گھر کو پاک کرنے کا حکم دیا گیا جیسا کہ قرطبی نے بیان کیا۔

۳۔ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ. آپ لوگوں میں اعلان کر دیجئے کہ تم پر اس بیت اللہ کا حج فرض کر دیا گیا۔

بغوی، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم کو حج کی فرضیت کے اعلان کا حکم ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ (یہاں تو جنگل اور میدان ہے کوئی سننے والا نہیں) جہاں آبادی ہے وہاں میری آواز کیسے پہنچے گی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کے ذمے صرف اعلان کرنا ہے اس کو ساری دنیا میں پہنچانا اور پھیلانا میرا کام ہے۔آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا۔بعض روایات میں ہے کہ آپ نے جبل ابی قبیس پر چڑھ کر اعلان کیا۔کانوں میں انگلیاں دیکر دائیں اور بائیں اور شرقاً وغرباً یہ ندا دی کہ اے لوگو! تمہارے رب نے اپنا بیت (گھر) بنایا ہے اور تم پر اس کا حج فرض کیا ہے ،سو تم سب اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرو۔اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی اس آواز کو ساری دنیا میں پہنچا دیا،صرف اس وقت کے زندہ لوگوں تک ہی نہیں بلکہ جو لوگ قیامت تک پیدا ہونے والے تھے بطور معجزہ ان سب کو یہ آواز پہنچا دی گئی اللہ تعالیٰ نے جس جس کی قسمت میں حج کرنا لکھ دیا ہے ان میں سے ہر ایک نے اس آواز کے جواب میں حاضر ہونے کا اقرار کیا یعنی لبیک اللھم لبیک کہا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حج کے تلبیے کی اصل بنیاد اسی اعلان ابراہیمی کا جواب ہے۔

یَاْتُوْکَ رِجَالًا......عَمِیْقٍ. اطرافِ عالم سے لوگ بیت اللہ کی طرف چلے آئیں گے کوئی پیدل، کوئی سوار ہو کر۔سوار ہو کر آنے والے بھی دور دراز ملکوں سے آئیں گے جس سے ان کی سواریاں بھی کمزور اور دبلی ہو جائیں گی۔چنانچہ اس وقت سے آج تک بیت اللہ کی طرف حج کے لئے آنے والوں کی یہی کیفیت ہے۔

لِیَشْھَدُوْا مَنَافِعَ لَھُمْ. لوگوں کی یہ حاضری اپنے ہی منافع کے لئے ہے، دینی منافع کے ساتھ ساتھ بہت سے دنیوی منافع بھی مشاہدے میں آتے ہیں۔حج وعمرے میں یہ خصوصیت ہے کہ اس سے کوئی شخص دنیوی فقر وفاقہ میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ بعض روایات میں ہے کہ حج وعمرے میں خرچ کرنا افلاس ومحتاجی کو دور کر دیتا ہے۔حج کے دینی منافع بھی بہت ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کے لئے حج کیا اور اس میں بے حیائی کی باتوں اور گناہ کے کاموں سے بچتا رہا تو وہ حج سے ایسی حالت میں واپس آئے گا کہ گویا کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہے۔

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ ..... الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ. وہ لوگ چند معلوم دنوں میں ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام ذکر کرتے ہیں۔ جو اللہ نے ان کو عطا فرمائے ہیں کفار بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھاتے تھے اس لئے اللہ نے حکم دیا کہ تم ذبح کے وقت اللہ کا نام لو، پھر اس قربانی کے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ اگر چہ ایام حج میں قربانی کا گوشت ان کے لئے حلال کر دیا گیا ہے لیکن قربانی کے گوشت پر نظر نہیں ہونی چاہئے بلکہ اصل چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے جو ایام حج میں جانوروں کو قربان کرتے وقت کیا جاتا ہے، اللہ کا ذکر ہی اس کی روح ہے۔

پھر فرمایا کہ حج میں قربانی سے فارغ ہو کر احرام کھول دو اور سر منڈ والو۔ ناخن ترشواؤ اور مونچھیں کترواؤ، اس آیت میں قربانی کا ذکر پہلے آیا ہے اور احرام کھولنے کا بعد میں اس لئے یہ افعال اس ترتیب سے کرنے چاہئیں یعنی پہلے قربانی کرے پھر حلق کرا کے احرام کھولے۔ اگر کسی نے قربانی سے پہلے حلق کرایا تو اس پر دم جنایت واجب ہوگا۔

اور فرمایا کہ تم اپنی مانی ہوئی نذر پوری کرو۔ جمہور کے نزدیک نذر پوری کرنے سے ان امور کی ادائیگی مراد ہے جو اللہ کی طرف سے واجب نہیں ہوئے بلکہ بندے نے خود اپنے اوپر واجب کر لئے ہیں۔

اور اس بیت عتیق کا طواف کرو۔ یہاں طواف سے مراد طواف زیارت ہے جو حج کا دوسرا رکن اور فرض ہے۔ حج کا پہلا رکن وقوف عرفات ہے جو طواف زیارت سے پہلے ادا ہوتا ہے طواف زیارت ادا کرنے کے بعد احرام کے سب احکام مکمل ہو جاتے ہیں اور پورا احرام کھل جاتا ہے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۵۵۔۲۶۰/۶)

اللہ کی حرمتیں

۳۰، ۳۱۔ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۚ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ

مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝

یہ بات تو ہو چکی اور جو کوئی اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے رب کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے چوپائے حلال کر دیئے گئے ہیں سوائے ان کے جو تم کو پڑھ کر سنا دیئے گئے ہیں (یعنی جن کا حرام ہونا وقتاً فوقتاً بتایا جا چکا ہے) سو تم بتوں کی نجاست سے بچو اور جھوٹی بات سے بھی اجتناب کرو۔ خالص ایک اللہ کو مانتے ہوئے، اسکے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے والے نہ بنو اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، سو یا تو پرندے اسے اچک لے جائیں گے یا ہوا کسی دور دراز جگہ میں اسے پھینک دے گی۔

الرِّجْسَ: گندگی۔ ناپاکی، پھٹکار۔ جمع اَرْجَاسٌ۔

اَلْاَوْثَان: بت۔ اللہ کے سوا پرستش کی جانے والی ہر چیز۔ مثلاً پتھر۔ قبر۔ جھنڈا وغیرہ۔ واحد وَثَنٌ۔

اَلزُّوْرِ: جھوٹ۔ کفر۔ شرک۔ انحراف۔

خَرَّ: وہ گر پڑا۔ خَرٌّ و خُرُوْرٌ سے ماضی۔

تَخْطَفُهُ: وہ (پرندوں کا غول) اس کو اچک لیتی ہے۔ وہ اس کو جھپٹ لیتی ہے۔ خُطْفٌ سے مضارع، تَخْطَفُهُ الطَّيْرُ سے یہاں وہ تباہ کن خواہشات نفس مراد ہیں جو انسان کی یکسوئی اور اطمینان خاطر کو چھین لیتی ہیں۔

تَهْوِىْ: وہ (اوپر سے نیچے) گراتی ہے۔ وہ پھینک دیتی ہے۔ هَوِيَانٌ سے مضارع۔ تھوی به الريح سے مراد شیطان ہے جو انسان کو پرلے درجے کی گمراہی کے مقام پر پھینکتا ہے۔

سَحِيْقٍ: بہت دُور۔ بعید۔ سُحْقٌ سے فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ۔ مکان سحیق سے مراد حق سے دوری کا مقام ہے۔

تشریح: جو شخص اللہ کی حرمتوں کی تعظیم و تکریم کرے گا یعنی گناہوں اور حرام کاموں سے کامل اجتناب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ جس طرح نیکیوں کے کرنے پر اجر و ثواب ملتا ہے اسی طرح برائیوں کے چھوڑنے پر بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔ حرمت والا شہر (یعنی مکہ)

بیت الحرام (حرمت والا گھر یعنی کعبہ) ماہ حرام (حرمت والے مہینے جن میں لڑنا حرام ہے) حج، عمرہ صفا، مروہ، منیٰ، عرفات، قربانی کے جانور یہ سب اللہ کی حرمتیں ہیں، ان سب کا ادب و تعظیم بڑی خوبی اور نیکی کی بات ہے۔

پھر فرمایا کہ حالت احرام اور بلد حرام میں تمہارے کھانے کے لئے چوپائے یعنی اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ وغیرہ جانور حلال ہیں البتہ جو جانور حرام تھے وہ پہلے ہی بیان ہو چکے جیسے مردار جانور۔ بہتا ہوا خون، خنزیر،، اللہ کے سوا کسی اور نام کا ذبیحہ، گلا گھونٹ کر مارا ہوا وغیرہ، سو تم بت پرستی کی گندگی اور بتوں کے نام پر ذبح کرنے کو چھوڑ دو اور جھوٹی باتوں سے بچتے رہو۔

زور کا لفظ عام ہے اور ہر قسم کی جھوٹی بات اس میں شامل ہے لیکن یہاں کافروں کے مشرکانہ مقولے مراد ہیں مثلاً ان کا یہ کہنا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، بت اللہ کے دربار میں ان کی سفارش کریں گے وغیرہ۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر اپنے خطبے میں تین بار فرمایا جھوٹی گواہی خدا کے ساتھ شرک کرنے کے برابر کر دی گئی پھر آپ نے مندجہ بالا فقرہ یعنی و اجتنبوا قول الزور تلاوت فرمایا۔

اے مسلمانو! تمہارا حقیقی معبود ایک ہی خدا ہے سو تم بت پرستی کی گندگی اور جھوٹ وغیرہ سب برائیوں سے اجتناب کرتے ہوئے خالص اللہ کی طرف جھکنے والے اور شرک نہ کرنے والے بن جاؤ۔ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو وہ گویا آسمان سے گر پڑتا ہے پھر پرندے اس کی بوٹیاں نوچ لیتے ہیں یا ہوا اس کو دور لے جا کر پھینک دیتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خالص اللہ کی عبادت کمالِ رفعت ہے اس سے اعلیٰ اور بالا کوئی اور چیز نہیں۔ جب کوئی شخص اللہ کی عبادت کے ساتھ کسی مخلوق کی عبادت کو شریک کر دیتا ہے تو وہ کمالِ رفعت کی چوٹی سے نیچے گر پڑتا ہے، جیسے آسمان پر چڑھا ہوا پستی کے غار میں گر پڑے۔ پس شرک کرنے والے پر نفس اور شیطان غالب آ جاتے ہیں اور شیطان آدمی کو ایمان کی بلندی سے گمراہی کی پستی میں پھینک دیتا ہے۔ (ابن کثیر ۲۱۸، ۲۱۹/۳، مظہری ۳۱۷۔ ۳۱۹/۶)

شعائر اللہ کی تعظیم

۳۲، ۳۳۔ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

لَکُمۡ فِیۡہَا مَنَافِعُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ مَحِلُّہَاۤ اِلَی الۡبَیۡتِ الۡعَتِیۡقِ ﴿۳۳﴾

یہ (سن چکے) اور جو کوئی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دل کی پرہیز گاری کی بات ہے۔تمہارے لئے (قربانی کے جانوروں میں) ایک مقررہ وقت تک فائدے حاصل کرنا (جائز) ہے۔ پھر ان کے حلال (ذبح) ہونے کی جگہ اس قدیم گھر کے قریب ہے۔

تشریح: شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کی پرہیز گاری سے پیدا ہوتی ہے۔دل میں جس درجہ کا تقویٰ اور اللہ کی عظمت ہوگی اس سے اسی درجہ کی تعظیم کا ظہور ہوگا۔پس شعائر اللہ کی تعظیم شرک نہیں بلکہ تقویٰ اور پرہیز گاری کی علامت ہے۔ان کی تعظیم وہی کرتا ہے جس کے دل میں تقویٰ اور خوف خدا ہو،

یہاں شعائر سے کیا مراد ہے تو بعض نے کہا کہ اس سے تمام اعمال حج مراد ہیں جیسے وقوف عرفہ، رمی جمار وغیرہ ابن کثیر نے بھی شعائر کو عام لیا ہے۔ان میں بدنے بھی داخل ہیں۔ابن عباس کی روایت میں ہے کہ تعظیم شعائر یہ ہے کہ ان (قربانی کے جانوروں) کو موٹا تازہ کرے اور خوبصورت خریدے۔ابن ابی حاتم اور خطیب نے لکھا ہے کہ شعائر کی تعظیم یہ ہے کہ جو بدنے (قربانی کے جانور اونٹ، گائے وغیرہ) حرم کو بھیجے جائیں وہ خوب موٹے تازے اور خوبصورت چھانٹ کر لئے جائیں۔

پھر فرمایا کہ قربانی کے ان نامزد جانوروں سے دودھ، سواری، بار برداری اور دوسرے منافع حاصل کرنا اس وقت تک حلال ہے جب تک ان کو حرم مکہ میں ذبح کرنے لئے نامزد کر کے ہدی نہ بنالیا جائے۔ جب کسی جانور کو حرم کی ہدی کے لئے نامزد کردیا جائے تو پھر کسی خاص مجبوری کے بغیر اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز نہیں مثلاً ایک شخص اونٹ کو ہدی بنا کر لے جارہا ہے اور خود پیدل چل رہا ہے۔اگر سواری کیلئے اس کے پاس دوسرا کوئی جانور نہ ہو اور پیدل چلنا بھی اس کے لئے دشوار ہو جائے تو مجبوری اور ضرورت کے تحت اس کے لئے اس اونٹ پر سوار ہونا جائز ہے۔البتہ قربانی کے بعد ہدی کے جانوروں کے گوشت اور کھال وغیرہ سے نفع اٹھانا جائز ہے

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے خود سنا ہے رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے کہ جب تو اس کی سواری پر مجبور ہے تو اس پر دستور کے مطابق سوار ہوجا، جب تک

تجھے دوسری سواری نہ ملے۔

اس کے بعد فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کے حلال ہونے کی جگہ قدیم گھر (بیت اللہ) کے قریب ہے، یعنی ہدی کے جانور کو منیٰ اور حدودِ حرم کے اندر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ حدود حرم سے باہر ہدی کے جانور کی قربانی جائز نہیں۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۶۳/۶، مواہب الرحمٰن ۲۰/۱۷، مظہری ۳۱۹۔۳۲۱/۶)

قربانی کی اہمیت

۳۴، ۳۵۔ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝

اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کرنا مقرر کیا تھا تاکہ وہ ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں (ذبح کرتے وقت) اللہ کا نام لیں۔ پھر تم سب کا خدا تو ایک ہی خدا ہے سو تم اس کا حکم مانو اور (اے رسول ﷺ) آپ عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب ان پر مصیبت آپڑتی ہے تو وہ اس پر صبر کرتے ہیں اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے (اللہ کی رضا کے لئے) خرچ کرتے ہیں۔

مَنْسَكاً: قربانی عبادت کا طریقہ۔ حج کا کام۔ جمع مَنَاسِکُ۔

الْمُخْبِتِيْنَ: عاجزی کرنے والے۔ خشوع کرنے والے۔ اِخْبَاتٌ سے اسم فاعل۔ واحد مُخْبِتٌ۔

وَجِلَتْ: وہ (دل) ڈر گئے۔ وہ لرز گئے۔ وَجِلٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: آیت میں جو لفظ منسک آیا ہے وہ کئی معنی میں بولا جاتا ہے۔ ایک معنی جانور کی قربانی کے ہیں، دوسرے معنی تمام افعال حج کے اور تیسرے معنی مطلق عبادت کے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی یہ لفظ

مختلف مواقع پر مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے، یہاں تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں ۔

۱۔ مجاہد وغیرہ نے اس کو یہاں قربانی کے معنی میں لیا ہے ۔ اس لئے آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ قربانی کا جو حکم اس امت کے لوگوں کو دیا گیا ہے وہ کوئی نیا حکم نہیں بلکہ قربانی کی یہ عبادت سابقہ تمام امتوں کے لئے بھی ضروری قرار دی گئی تھی ۔

۲۔ قتادہ نے اس کو دوسرے معنی میں لیا ہے ۔ سو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح حج کے افعال اس امت پر عائد کئے گئے ہیں اسی طرح سابقہ امتوں پر بھی حج فرض کیا گیا تھا ۔

۳۔ ابن عرفہ نے تیسرے معنی لئے ہیں ۔ اس اعتبار سے آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے اللہ کی عبادت گزاری پچھلی تمام امتوں پر بھی فرض کی تھی ۔ عبادت کے طریقے میں تو کچھ فرق رہا ہے مگر اصل عبادت سب امتوں میں مشترک رہی ہے ۔

اللہ تعالی نے تمام سابقہ امتوں اور گروہوں کو قربانی کا حکم دیا تھا ۔ وہ سب اللہ کے نام پر ان چوپایوں کی قربانی کرتے تھے جو اللہ نے ان کو دیئے تھے، اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کرنا اور اس کی نذر و نیاز کرنا ہر ملت و امت میں شرک رہا ہے، پھر فرمایا کہ تمہارا معبود حقیقی ایک ہی خدا ہے سو تم اپنے آپ کو اسی کے حوالے اور سپرد کر دو اور خالص اسی کی اطاعت کرو اور اسی پر قائم رہو ۔

مسند احمد میں زید بن ارقمؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ قربانیاں کیا ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہے ۔ صحابہ نے عرض کیا ہمارے لئے اس میں کیا ہے آپ نے فرمایا کہ ہر بال کے بدلے ایک نیکی، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ صوف (اون) کے بارے میں کیا ہے ۔ آپ نے فرمایا اون کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے ۔ (مسند احمد ۴۹۵/۵)

اے نبی ﷺ آپ اللہ کے سامنے پست ہونے والوں، اس کے احکام پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے والوں اور اس کی بندگی میں عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے ۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں ۔ وہ خاص طور پر مصیبت کے وقت صبر و استقلال سے کام لیتے ہیں اور وہ پابندی اوقات و شرائط کے ساتھ نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تا کہ اللہ کا قرب حاصل ہو ۔

(روح المعانی ۱۵۳، ۱۵۴/ ۱۷، ابن کثیر ۲۲۱/ ۳)

نحر کا طریقہ

۳۶۔ وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور ہم نے تمہارے لئے قربانی کے اونٹوں (اور گائے، بھینس وغیرہ) کو اللہ کی نشانیوں میں سے بنادیا ہے۔ تمہارے لئے ان میں خیر (بھلائی) ہے سو تم (قربانی کرتے وقت) ان کو قطار میں کھڑا کر کے (ذبح کی نیت سے) ان پر اللہ کا نام لو (یعنی ان کو نحر کرو) پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں تو اس میں سے خود بھی کھاؤ اور صبر سے بیٹھنے والے کو بھی کھلاؤ اور سوال کرنے والے کو بھی کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے تابع کردیا تاکہ تم شکر گزار بنو۔

الْبُدْنَ: یہ بَــدَنَۃٌ کی جمع ہے۔ بدنہ کا اطلاق اونٹ، گائے۔ بھینس وغیرہ پر ہوتا ہے۔ اس کا زیادہ استعمال اونٹوں کے لئے کیا جاتا ہے۔ بدن کی جسامت بڑی ہونے کی بنا پر ان جانوروں کو بدنہ کہا جاتا ہے۔ بکریوں اور بھیڑوں کو بدنہ نہیں کہا جاتا۔

صَوَآفَّ: صف بستہ۔ صف باندھنے والیاں۔ صَفٌّ سے اسم فاعل۔ واحد صَافَّۃٌ۔

وَجَبَتْ: وہ گر پڑی۔ وہ آپڑی۔ وَجَبَۃٌ وُجُوْبٌ سے ماضی۔

الْمُعْتَرَّ: سوال کرنے والا۔ مانگنے والا محتاج۔ اِعْتِرَارٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: پہلے شعائر اللہ کی تعظیم کا عام حکم دیا گیا تھا۔ یہاں صراحت کے ساتھ بتایا گیا کہ اونٹ وغیرہ قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔ ان میں تمہارے لئے دینی اور دینوی فوائد ہیں سو تم ذبح کرتے وقت ان پر اللہ کا نام لیا کرو اور اونٹ کے ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو قبلہ رخ کھڑا کر کے اور بایاں ہاتھ باندھ کر سینے پر زخم لگایا جائے۔ جب سارا خون نکل جائے اور وہ اونٹ گر پڑے تب ٹکڑے کر کے استعمال میں لایا جائے۔ اگر اونٹوں کی تعداد زیادہ ہو تو ان کو قطار باندھ کر کھڑا کردیں۔

مستدرک میں حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا کہ اگر اونٹ ہو تو

اس کو کھڑا کر کے کہیئے۔ اللّٰہُ اَکْبَر ،الله اکبر ،الله اکبر ، اللھم منک و لک. اس کے بعد بسم اللہ کہہ کر اونٹ کے گلے میں ہنسلی کے پاس زور سے نیزہ چبھودے۔ (مستدرک حاکم ۴۲۲/۲)

بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک شخص اونٹ کو بٹھا کر حلقوم میں نیزہ مار رہا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ادھر سے گزرے تو یہ حالت دیکھ کر فرمایا۔ اس کو کھڑا کردے اور پاؤں باندھ دے محمد ﷺ کا یہی طریقہ ہے۔

پھر جب ان قربانی کے جانوروں کے پہلو زمین پر گر پڑیں اور ان کی جان نکل جائے تو تم خود بھی اس کا گوشت کھاؤ اور بے سوال اور سوالی محتاج کو بھی کھانے کے لئے دو۔ قانع اس شخص کو کہتے ہیں جو سوال سے بچتا ہو اور جو کچھ اس کو مل جائے اسی پر قناعت کرتا ہو۔ معتر وہ مسکین ہے جو سوال کرتا اور مانگتا ہے۔

یہ تم پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے تمہیں اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنے کی طاقت عطا کی اور عظیم الجثہ اور طاقتور ہونے کے باوجود اس (اللہ) نے اس کو تمہارے قابو میں دیدیا کہ تم اس کو تین ٹانگوں پر کھڑا کر کے نحر کرتے ہو۔ سو تمہیں اس انعام کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اخلاص کے ساتھ قربانی پیش کرنی چاہئے، نہ یہ کہ شرک کر کے الٹا اس کی ناشکری کرو۔ (مظہری ۳۲۳، ۶/۳۲۴، عثمانی ۱۳۹، ۲/۱۴۰)

قربانی کی روح

۳۷۔۳۸، لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۞ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۞

اللہ کے ہاں نہ تو ان کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون بلکہ اس کے پاس تو تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا ہے، تاکہ تم اس کی بڑائی بیان کرو، اس بات پر کہ اس نے تمہیں (کارِ خیر کی) ہدایت کی اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دیجئے، بلاشبہ اللہ مومنوں سے (دشمنوں کو) ہٹا دے گا۔

بلا شبہ اللہ کسی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔۔

یَنَالَ: وہ پہنچتا ہے۔وہ پاتا ہے۔نَیْلٌ سے مضارع۔

لُحُوْمُهَا: اس (قربانی) کے گوشت۔واحد لَحْمٌ۔

دِمَاؤُهَا: اس کے لہو۔اس کے خون۔واحد دَمٌ۔

خَوَّانٍ: بڑا خیانت کرنے والا۔بڑا دغاباز۔خِیَانَۃٌ سے مبالغہ۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم، ابن جریر اور ابن المنذر نے ابن جریج کا بیان نقل کیا ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ قربانی کا خون کعبہ میں چھڑکتے اور گوشت (کے پارچے) وہاں بکھیرتے تھے۔ (جب اسلامی دور آیا تو) صحابہ نے کہا ہم اس عمل کے زیادہ مستحق ہیں (ہم بھی کعبہ میں خون چھڑکا کریں گے) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن المنذر اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ مشرکین مکہ قربانی کے بعد ذبیحہ کا خون کعبہ کے سامنے لے جاتے اور کعبہ کی طرف چھینٹیں مارتے تھے۔مسلمانوں نے یہ عمل کرنے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶/۳۲۵)

تشریح: اللہ تعالیٰ قربانیوں کے گوشت اور خون کو اٹھا کر اپنے پاس نہیں لے جاتا اور نہ ان قربانیوں کے گوشت اور خون سے اس کو کوئی نفع ہوتا ہے۔وہ ساری مخلوق سے غنی اور تمام بندوں سے بے نیاز ہے۔اس کے پاس صرف نیک اعمال پہنچتے ہیں جنکی بنیاد اخلاص اور تقوی پر ہو اور جو محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے شرک کی آمیزش کے بغیر کئے گئے ہوں۔اللہ تعالیٰ تقوے کو دیکھتا ہے، اسی کو قبول فرماتا ہے اور اسی پر اجر و ثواب عنایت فرماتا ہے۔چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا اور نہ وہ تمہارے اموال کی طرف نظر کرتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہیں۔ایک اور حدیث میں ہے کہ صدقہ و خیرات سائل کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے اللہ کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔اسی طرح قربانی کے جانور کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے ہی قربانی مقبول ہو جاتی ہے۔

پھر فرمایا کہ اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تا کہ تم اللہ کی راہ میں ان کی قربانی کر کے ان پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں قربانی کرنے کی توفیق دی اور جاہلیت کی مشرکانہ رسموں سے تمہیں آگاہ کیا اور اے نبی ﷺ آپ ان اخلاص سے قربانی کرنے والوں کو

ہمارے قرب اور رضا کی بشارت سنا دیجئے۔

بلا شبہ اللہ ان مشرکوں کے شر اور فتنوں کو مومنوں سے ہٹا دے گا۔ بیشک جو لوگ کفر و شرک کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ دغا بازی کرتے ہیں اور طرح طرح سے ان کو ستاتے ہیں اور ان کو مسجد حرام کی زیارت سے روکتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحتوں اور حکمتوں کے تحت ان کو ایک خاص مدت تک مہلت دی ہے۔ آخر کار اہل حق ہی غالب ہوں گے۔

(ابن کثیر ۲۲۴/۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۴/۵)

مسلمانوں کو قتال کی اجازت

۳۹۔۴۱، أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۞ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۞

ان لوگوں کو جنگ کی اجازت دیدی گئی جن سے کافر قتال کرتے ہیں کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور بیشک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے، محض یہ کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ ایک دوسرے کو نہ ہٹاتا رہتا تو خانقاہیں اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہود کے) عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، سب منہدم ہو چکے ہوتے۔ اور بیشک اللہ بھی اسی کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے گا۔ بلا شبہ اللہ بڑی قوت والا (اور) بڑے غلبے والا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکواۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

هُدِّمَتْ: وہ منہدم کی گئی۔ وہ گرادی گئی۔ تَھدِیْمٌ سے ماضی مجہول۔

صَوَامِعُ: عیسائی راہبوں کے عبادت خانے۔ چھوٹے گرجے۔ واحد صَوْمَعَةٌ۔

بِیَعٌ: عیسائیوں کے عبادت خانے۔ بڑے گرجے۔ چرچ۔ واحد بِیْعَةٌ۔

صَلَوٰاتٌ: یہود کے عبادت خانے۔

مَکَّنّٰھُمْ: ہم نے ان کو فائز کیا۔ ہم نے ان کو قوت دی۔ تَمْکِیْنٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: امام احمد، ترمذی، سدی اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مکہ سے نکلے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنے نبی کو نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ یہ ضرور ہلاک ہو جائیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اہلِ تفسیر کا بیان ہے کہ مکہ کے مشرک، صحابہ کو بہت زیادہ ایذائیں دیتے تھے، صحابہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو کسی کا سر پھٹا ہوا ہوتا، کوئی زخمی ہوتا، کوئی پٹ کر آتا، سب لوگ آپ سے شکایت کرتے کہ ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا جا رہا ہے۔ آپ ان کو تسلی دیتے اور فرماتے صبر کرو ابھی مجھے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد یہ آیت مدینے میں (ہجرت کے بعد) نازل ہوئی۔

تشریح: عبدالرزاق، عبد بن حمید، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بزار، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم ابن حبان، حاکم، ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا اور ترمذی نے اس کو حسن اور حاکم نے صحیح قرار دیا کہ کچھ اوپر ستر آیات میں قتال کی ممانعت کے بعد قتال کی اجازت میں یہ سب سے پہلی آیت نازل ہوئی۔

قتال کا حکم کوئی نیا حکم نہیں تھا۔ سابقہ انبیا اور ان کی امتوں کو بھی کفار کے ساتھ قتال کے احکام دیئے گئے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ بعض کو بعض کے ذریعہ دفع کرتا رہا ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو کسی زمانے میں بھی کسی مذہب وملت کے لئے امن کی جگہ نہ ہوتی اور درویشوں کی خانقاہیں اور عیسائیوں کے گرجے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، ڈھا دیئے جاتے۔

چونکہ کافروں نے مسلمانوں پر زیادتیاں کی ہیں اور انہیں ناحق ایذائیں پہنچائی ہیں اس لئے ان کو جہاد کرنے اور کافروں سے قتال کرنے کی اجازت دیدی گئی۔ اللہ تعالیٰ ان بے سروسامان مظلوموں

کی امداد واعانت پر پوری طرح قادر ہے۔قتال کی اجازت اس لئے دی گئی کہ مسلمان مظلوم ہیں ان کے گھر باران سے چھین لئے گئے ہیں،ان کو ناحق بے گھر کر کے مکہ سے خارج کر دیا گیا اور وہ بے سرو سامانی کے عالم میں مدینے پہنچے۔ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ صرف ایک خدا کی عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ظاہر ہے اللہ کو رب کہنا کوئی جرم نہیں جس کی پاداش میں ان کو جلا وطن کیا جاتا مگر مشرکین کے نزدیک یہ اتنا بڑا جرم تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا۔اگر اللہ تعالیٰ شریر و بدکاروں کو مومنوں اور نیک لوگوں کے ذریعہ دفع نہ کرتا اور کافروں پر مسلمانو کو اقتدار و تسلط عطانہ کرتا تو زمین پر فساد برپا ہو جاتا۔اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا کیونکہ اللہ ہی فتحیاب کرنے کی قوت رکھتا ہے اور وہ ایسا غالب ہے کہ اس کے غلبے کو روکا نہیں جا سکتا۔

یہ مومن ایسے لوگ ہیں کہ جب ہم ان کو زمین پر اقتدار عطا کریں گے تو یہ لوگ ہماری یاد سے غافل نہیں ہوں گے بلکہ نماز قائم کریں گے اور زکواۃ ادا کریں گے اور لوگوں کو بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔چونکہ ہر کام کا نتیجہ اللہ ہی کے دست قدرت میں ہے اس لئے وہ مذکورہ مظلوم مہاجروں کو ضرور کامیاب فرمائے گا۔

(مواہب الرحمٰن ۲۲۸۔۲۳۷/ ۱۷،ابن کثیر ۲۲۵، ۲۲۶/ ۳،روح المعانی ۱۶۳، ۱۶۵/ ۱۷)

کفار کو تنبیہ

۴۲۔۴۶، وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

اور (اے نبی ﷺ) اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود (بھی تکذیب کر چکے ہیں) اور قوم ابراہیم اور قوم لوط بھی اور

فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ اٰذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۝

اہل مدین (بھی تکذیب کر چکے ہیں) اور موسیٰ کو بھی جھٹلایا گیا پھر ہم نے کافروں کو (چندے) مہلت دی۔ پھر میں نے ان کو پکڑ لیا سو کیسا سخت تھا میرا عذاب سو کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا اور وہ نافرمان تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے ہی کنوئیں بیکار اور بہت سے محل بلند کئے ہوئے (ویران پڑے ہیں) کیا ان لوگوں نے زمین کی سیر نہیں کی کہ (تباہ شدہ بستیوں کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے یہ سمجھتے یا ان کے کان ایسے ہوتے جن سے یہ سنتے۔ پس (نہ سمجھے والوں کی) آنکھیں ہی اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ (وہ) دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اَمْلَيْتُ: میں نے ڈھیل دی، اِملاءٌ سے ماضی۔

نَكِيْرِ: میرا عذاب۔

خَاوِيَةٌ: گری ہوئی۔ خالی۔ کھوکھلی۔ بے روح۔ خَوَاءٌ سے اسم فاعل۔

بِئْرٍ: کنواں۔

مَشِيْدٍ: بلند کئے ہوئے۔ مضبوط بنائے ہوئے۔ تَشْيِيْدٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ آپ ان کافروں کی تکذیب، مخالفت اور عداوت سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ منکرین کا انکار و تکذیب صرف آپ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ یہ تو نوح علیہ السلام سے لیکر موسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیا کا انکار کرتے چلے آئے ہیں۔ کسی زمانے میں بھی انہوں نے حق کو تسلیم نہیں کیا۔ مگر میں نے منکروں کو فوراً سزا نہیں دی بلکہ میں ان کو مہلت دیتا رہا کہ یہ خوب سوچ سمجھ لیں اور اپنے انجام پر غور کر لیں۔ پھر جب وہ حد سے گزر گئے، کسی طرح باز نہ آئے اور ان پر حجت پوری ہوگئی تو میں نے ان کو عذاب میں گرفتار کر لیا اور میری گرفت ایسی سخت تھی کہ کوئی اس سے نکل نہ سکا۔

ابن کثیر میں ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کے لوگوں کو کہا کہ میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ اس کے بعد بھی اس کو چالیس سال تک مہلت دی گئی۔ پھر عذاب میں گرفتار کیا۔

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے۔ پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو وہ چھوٹ نہیں سکتا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ　　(سورۃ ہود آیت ۱۰۲)

اور آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے۔ بیشک اس کی گرفت سخت تکلیف دینے والی ہے۔

پھر فرمایا۔ ہم نے بہت سی بستیوں کو تہ و بالا کر دیا کیونکہ ان کے رہنے والوں نے کفر و شرک کر کے اپنے اوپر ظلم کیا تھا، وہ رسولوں کی تکذیب کرتے تھے، اللہ کا انکار کرتے اور بتوں کو مانتے تھے۔ سو اب ان کے مکان اپنے چھتوں پر گرے پڑے ہیں اور ان کے کنوئیں بیکار پڑے ہیں، کوئی ان سے پانی کھینچنے والا نہیں اور کتنے ہی اونچے اونچے پختہ اور مضبوط محل اجڑے پڑے ہیں۔ اب کوئی ان میں آباد نہیں۔ نہ ان کی مضبوطی اور پختگی انہیں بچا سکی اور نہ ان کی خوبصورتی کسی کام آئی۔ اللہ کے عذاب نے سب کو تہس نہس کر دیا۔

کیا اہل مکہ ملک میں گھومے پھرے نہیں اور عبرت کے مقامات ان کی نظروں سے نہیں گزرے۔ یہ مکذبین نہ تو گزشتہ مکذبین کی بستیوں کا حال دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں اور نہ سابقہ امتوں کے واقعات سن کر راہ راست پر آتے ہیں۔ گویا یہ لوگ دل کے اندھے ہیں کہ بصارت تو رکھتے ہیں مگر بصیرت نہیں رکھتے۔ حقیقت میں اندھا وہی ہے جو دل اور عقل کا اندھا ہو۔ ایسے شخص کو نہ تو عزت حاصل ہوتی ہے اور نہ خیر و شر کی تمیز۔ (مواہب الرحمٰن ۲۳۸۔۲۴۳/ ۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ ۳۱، ۳۲/ ۵ ابن کثیر ۲۲۷/ ۳)

اللہ کا اٹل وعدہ

۴۷، ۴۸۔　وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝

(اے نبی ﷺ) وہ آپ سے عذاب مانگنے میں جلدی کرتے ہیں اور اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا اور بیشک تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے ہزار برس کے برابر ہے۔ اور کتنی ہی بستیاں ایسی ہیں جن کو میں نے مہلت دی اور وہ نافرمان تھیں۔ پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور (سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ قریش کے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے اور ان کو اس کے آنے کا وعدہ دیتے تھے مگر مشرکین مکہ اس کا انکار کرتے تھے اور استہزاءً اس کو جلدی طلب کرتے تھے حالانکہ عذاب اپنے مقررہ وقت پر آ کر رہے گا کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اس لئے اللہ کا عذاب آ کر رہے گا خواہ کچھ مدت کے بعد آئے۔ کسی کے استہزا اور تکذیب سے نہ یہ ٹلے گا اور نہ اس کے آنے میں کوئی تاخیر یا جلدی ہوگی۔

پھر فرمایا کہ آپ کے رب کے پاس کا ایک دن دنیا کی گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ اگر اس نے تمہیں ایک ہزار سال تک بھی مہلت دی تب بھی اس کیلئے یہ عرصہ ایک دن کی مانند ہے۔ وہ قادر مطلق ہے جب چاہے گا پکڑ لے گا، تاخیر کی وجہ سے کوئی چیز اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں ہوسکتی۔ عذاب فوراً نازل کر دینا یا اس کو کچھ مدت کے لئے مؤخر کر دینا، اس کی قدرت کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔

بعض مفسرین نے یہ مطلب بیان کیا کہ مشرکین جس عذاب موعود کے فوری طلب گار ہیں، تکلیف کی شدت اور طول کے اعتبار اس کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہے۔ بعض اہل علم کا خیال یہ ہے کہ اللہ کے حکم کی انتہا کا اظہار ہے۔ مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا لیکن اس نے عذاب کو اس دن تک مؤخر کر رکھا ہے جو تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا یعنی قیامت کے دن تک۔

عذاب کے معاملے میں ڈھیل دینے سے کسی قوم کو بے فکر نہیں ہو جانا چاہئے کیونکہ ڈھیل ملنے سے کوئی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اس کی طرف سے جو ڈھیل مل رہی ہے وہ اس کا حلم اور

فضل ہے۔ ان سے پہلے بھی بہت سی بستیوں کو مہلت دی گئی، وہ بھی مہلت ملنے پر کہیں نکل کر نہ بھاگ سکے۔ آخر سب کو لوٹ کر اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔　　(عثمانی ۲/۱۴۳، مظہری ۶/۳۳۵، ۳۳۴)

رسول کا فرض منصبی

۴۹۔۵۱، قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! بیشک میں تو تمہیں صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے تو ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو پست کرنے میں کوشش کی وہی دوزخی ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مشرکین مکہ جو عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں، آپ ان کو بتا دیجئے کہ میں تو تمہیں صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔ عذاب نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں وہ اللہ کے اختیار میں ہے خواہ وہ فوراً لے آئے خواہ تاخیر سے لائے، اس کا علم اسی کو ہے۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو ان کے لئے گناہوں سے مغفرت اور عزت کی روزی ہے اور جو لوگ ہماری آیتوں کو مٹانے کے درپے رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ کو عاجز کر دیں گے اور اس کی گرفت اور عذاب سے بچ نکلیں گے تو وہی لوگ اہل دوزخ ہیں ان کے لئے نہ مغفرت ہے اور نہ رزق کریم۔

شیطان کا فتنہ

۵۲۔۵۴، وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لِّيَجْعَلَ

مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے بھی کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں بھیجا کہ اس نے جب کوئی تمنا کی ہو تو شیطان نے اس کی تمنا میں کچھ آمیزش نہ کی ہو۔ سو اللہ شیطان کی آمیزش کو دور کر دیتا ہے پھر وہ اپنی آیتوں کو مستحکم کر دیتا ہے اور اللہ خبر دار (اور) (حکمت والا ہے) تا کہ اللہ شیطان کی آمیزش کو ان لوگوں کے لئے آزمائش بنادے جن کے دلوں میں (شک کا) مرض ہے اور جن کے دل سخت ہیں اور بیشک یہ ظالم تو بڑی مخالفت میں ہیں اور تا کہ علم والے لوگ اس کو اپنے رب کی طرف سے حق جان کر اس پر ایمان لئے آئیں۔ پھر ان کے دل بھی اسی کی طرف جھک جائیں اور اللہ ہی مومنوں کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے

اُمْنِيَّتِهٖ: اس کی آرزو۔ اس کی تمنا۔ اس کا خیال۔ جمع اَمَانِيِ ۔

فَيَنْسَخُ: پس وہ منسوخ کرتا ہے۔ پس وہ مٹا دیتا ہے۔ نَسْخٌ سے مضارع۔

اَلْقَاسِيَةِ: سخت ہونے والی۔ سیاہ ہونے والی۔ قَسَاوَةٌ سے اسم فاعل۔

فَتُخْبِتَ: پس وہ عاجزی کرے۔ پس وہ جھکے۔ اِخْبَاتٌ سے مضارع۔

تشریح: بغوی نے لکھا ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جس کے سامنے رو در رو ہو کر جبرائیل آئے اور نبی وہ ہوتا ہے جس کی نبوت بصورت الہام یا بصورت خواب ہو۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ رسول وہ ہے جسکو نئی شریعت دیکر بھیجا گیا ہو اور نبی کا لفظ عام ہے۔ رسول بھی نبی ہوتا ہے ور وہ شخص بھی نبی ہوتا ہے جس کو سابقہ شریعت کی دعوت دینے اور اس کی تائید کرنے کے لئے بھیجا گیا ہو۔ اس قول پر ہر رسول کا نبی ہونا تو لازم ہے اور ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔

آپ سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آیا ہو کہ جب بھی اس نے لوگوں کو کوئی حکم خداوندی پڑھ کر سنایا تو شیطان نے اس کے تلاوت کردہ حکم خداوندی کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات ڈال دیئے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ جب پیغمبر اپنے دل میں غلط مرغوبات پیدا کر لیتا ہے تو شیطان اسی کے دل پسند خیال میں ایسی بات ڈال دیتا ہے جو دنیا میں انہاک کا موجب ہوتی ہے۔

پھر اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے خیال کو نیست ونابود کر دیتا ہے اور پیغمبر کو اس کے خیال کی طرف جھکنے سے محفوظ رکھتا ہے اور ایسا راستہ بتا دیتا ہے کہ شیطانی وسوسہ دور ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو اور مضبوط اور محکم کر دیتا ہے جو آخرت کے امور میں پیغمبر کے انہماک کا موجب ہوتی ہیں اور اللہ لوگوں کے احوال اور صلاحیتوں کو خوب جانتا ہے۔ جو ہدایت کا مستحق ہوتا ہے اس کو ہدایت یاب کرتا ہے اور جو گمراہی کا مستحق ہوتا ہے اس کو گمراہ کر دیتا ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے حکمت سے کرتا ہے۔ کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں۔

یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تا کہ شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسے کو اللہ ایسے لوگوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنا دے جن کے دلوں میں شک کا مرض ہے اور جن کے دل بالکل ہی سخت ہیں۔ واقعی یہ ظالم لوگ بڑی مخالفت میں ہیں، یہ حق سے بہت دور نکل گئے ہیں، ظاہری اسباب میں ان کا حق کی طرف آنا بہت مشکل ہے، القائے شیطانی میں ایک حکمت یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح علم اور صحیح فہم عطا کی گئی ہے وہ جان لیں اور یقین کر لیں کہ حق وہی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا اور جو کچھ نبی نے پڑھا ہے، اور اس یقین کی وجہ سے وہ لوگ ایمان پر اور زیادہ قائم ہو جائیں اور ان کے دل اس کی طرف اور بھی عاجزی کے ساتھ جھک جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی راہِ راست دکھاتا ہے۔ (مظہری ۳۴۷۔۳۴۱/۶، بیضاوی ۳۶۶)

منکرین کا قیامت تک دھوکے میں رہنا

۵۵،۵۷۔ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ۞ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

اور کافر تو اس (قرآن کی طرف سے) ہمیشہ شک ہی میں رہیں گے یہاں تک کہ یکایک ان پر قیامت آجائے یا ان پر کسی منحوس دن کا عذاب آ پہنچے۔ اس روز اللہ ہی کی حکومت ہوگی۔ وہی ان میں فیصلہ کرے گا۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے وہی نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو انہیں کے لئے ذلت کا عذاب ہوگا۔

مِرْيَةٍ: شک۔ تردد۔ وہ شک جس سے تردد پیدا ہو۔

بَغْتَةً: یکایک۔ ایک دم۔ اچانک۔

عَقِيْمٍ: بے اولاد۔ بانجھ، بے اثر۔ منحوس۔ مراد قیامت کا دن۔

مُهِيْنٌ: ذلیل کرنے والا۔ بے عزت کرنے والا۔ اِهَانَةٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: کافر لوگ تو شک ہی میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کا ہولناک حادثہ ان پر اچانک آجائے یا اسی قیامت کے دن کا عذاب ان کے سامنے آجائے۔ پھر فرمایا کہ جس روز کافروں کا شک وشبہ دور ہو جائے گا اس روز صرف اللہ تعالیٰ کی حکومت ہوگی۔ وہ ہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو وہ اللہ کی مہربانی سے نعمتوں والے باغوں میں رہیں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی تو انہی کے لئے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔

شیخین نے صحیحین میں روایت بیان کی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کے اعمال بھی (موجب نجات نہ ہوں گے) آپ نے فرمایا نہ میں (اپنے اعمال کی وجہ سے نجات کا مستحق ہوں گا) مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانپ لے۔ (مظہری ۳۴۲/۶)

اللہ کی راہ میں ہجرت کا انعام

۵۸۔۵۹۔ وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝

اور جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی ، پھر وہ قتل کئے گئے یا (اپنی موت) مر گئے تو یقیناً اللہ ان کو بہترین رزق دے گا اور بیشک اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ البتہ اللہ ان (مومنوں) کو ایسے مقام میں داخل کرے گا جسے وہ پسند کریں گے اور بیشک اللہ خوب جاننے والا (اور) بخشنے والا ہے۔

تشریح: جن لوگوں نے اپنا وطن، اپنے اہل و عیال اور اپنے دوست احباب کو چھوڑ کر اللہ کی رضا کے لئے اس کی راہ میں ہجرت کی ، پھر وہ میدانِ جہاد میں دشمن کے ہاتھوں شہید ہو گئے یا اپنی طبعی موت مر گئے تو دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ اور ان کو ضرور رزقِ حسن دیا جائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں پہنچائے گا جہاں وہ خوش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ لوگ کس چیز سے راضی ہوں گے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کن لوگوں نے خالص اس کے راستے میں اپنا گھر بار ترک کیا ہے اور کون لوگ اس کی نعمتوں کے مستحق ہیں وہ بڑے حلم والا ہے، بندوں کے گناہ معاف فرماتا ہے، ان کی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے اور ان کی ہجرت کو قبول فرماتا ہے۔

معاف کر دینے کی ترغیب

۶۰۔ ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝

بات یہی ہے۔ اور جو کوئی اسی قدر بدلہ لے جس قدر اس کو تکلیف دی گئی تھی پھر اس شخص پر زیادتی کی جائے تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ

معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔

عَاقَبَ: اس نے بدلہ لیا۔اس نے تکلیف پہنچائی۔مُعَاقَبَۃٌ سے ماضی۔

بُغِیَ: اس پر زیادتی کی گئی۔بَغْیٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: اگر کسی پر ظلم ہوا ہو تو وہ ظالم سے اتنا ہی بدلہ لے جتنا اس پر ظلم ہوا۔اگر ظالم پھر از سرنو اس پر زیادتی کرے تو وہ پھر مظلوم ٹھہرے گا اور یقیناً اللہ تعالیٰ مظلوم کی مدد کرے گا۔اگر مظلوم اپنا بدلہ لے لے تو اللہ اس کی گرفت نہیں کرے گا کیونکہ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اس آیت میں معاف کر دینے کی ترغیب ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہونے کے باوجود بندوں کو معاف فرما دیتا ہے تو جس بندے کے ساتھ زیادتی کی گئی ہو وہ تو انتقام لینے کی پوری قدرت بھی نہیں رکھتا اس لئے اس کو معاف ہی کر دینا چاہئے۔ پس بندوں کو بھی اپنے ذاتی اور معاشرتی معاملات میں عفوو درگزر سے کام لینا چاہئے۔ ہر وقت بدلہ لینے کے درپے نہیں رہنا چاہئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ مظلوم کی دعا سے بچو کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔ (مسند احمد،۳/۶۲۳،رقم ۲۱۱۴۰)

قدرتِ کاملہ

۶۱۔۶۲۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۞

یہ اس لئے کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور بیشک اللہ خوب سننے ولا (اور) دیکھنے والا ہے۔ یہ اسی لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور جس کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہی باطل ہے۔ اور بیشک اللہ ہی عالیشان (اور سب سے) بڑا ہے۔

يُوْلِجُ: وہ پیدا کرتا ہے۔وہ داخل کرتا ہے۔اِيْلَاجٌ سے مضارع۔

الْعَلِيُّ: بلند مرتبہ۔عالیشان۔برتر۔عَلَاءٌ و عُلُوٌّ سے صفت مشبہ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہی خالق و متصرفِ کامل ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوق میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ دن اور رات کو ایک دوسرے میں داخل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک کو کم کر دیتا ہے اور دوسرے کو بڑھا دیتا ہے جیسے سردیوں میں دن چھوٹے ہوتے ہیں اور راتیں بڑی، اسی طرح گرمیوں میں دن بڑے ہوتے ہیں اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔

پھر فرمایا کہ وہ بندوں کی تمام باتیں سنتا ہے اور ان کی تمام حرکات و سکنات کو دیکھتا ہے۔ بندوں کا کوئی حال اس پر پوشیدہ نہیں۔ اس کا کوئی حاکم نہیں وہ سب کا حاکم و مالک ہے۔ کوئی اس کے سامنے چون و چرا نہیں کر سکتا۔ وہی حقیقی معبود ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کے سوا جس کو یہ کافر لوگ پوجتے ہیں وہ سب باطل ہے۔ باطل معبود کسی کو نفع نہیں پہنچا سکتے۔ ہر قسم کا نفع و نقصان اسی قادرِ مطلق اور مالکِ حقیقی کے قبضے و اختیار میں ہے۔ وہ بہت بلند اور بہت بڑی شان والا ہے۔

تسخیرِ بحر و بر

۶۳۔۶۶، اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ۚ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۠﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَحْیَاكُمْ ۫ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے آسمان سے پانی برسایا پھر (اس سے) زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بیشک اللہ باریک بین (اور) باخبر ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بیشک اللہ ہی بے نیاز (اور) ہر طرح کی تعریف کے لائق ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے اور کشتی کو بھی جو دریا میں

اس کے حکم سے چلتی ہے اور اسی نے آسمان کو تھام رکھا ہے اس سے کہ وہ اس
کے حکم کے بغیر زمین پر گر پڑے، بیشک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا (اور
مہربان) ہے۔ اور (اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی۔ پھر وہی تمہیں
مارے گا، پھر وہی (قیامت کے دن) تمہیں (دوبارہ) زندہ کرے گا۔ بیشک
انسان البتہ ناشکرا ہے۔

فَتُصْبِحُ: پس وہ ہو جاتی ہے۔ اِصْبَاحٌ سے مضارع۔
مُخْضَرَّةٌ: سرسبز۔ سیاہی مائل۔ اِخْضِرَارٌ سے اسم فاعل۔
یُمْسِکُ: وہ روکتا ہے۔ وہ تھامتا ہے۔ اِمْسَاکٌ سے مضارع۔
تَقَعَ: وہ گر پڑے۔ وُقُوْعٌ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم الشان قدرت اور زبردست غلبے کو بیان فرمایا ہے کہ اس کے حکم سے ہوائیں ابر کو گھیر کر لاتی ہیں پھر اس ابر سے بارش برستی ہے جس سے مردہ اور بنجر زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ زمین کے اندر جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ وہ ایک ایک دانے سے واقف ہے اور بارش کے پانی کو وہیں پہنچا دیتا ہے اور وہ دانہ اگ آتا ہے۔ بیشک وہ بندوں کا حال اور ان کی ضرورتوں کو خوب جانتا ہے۔

پھر فرمایا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے۔ وہی تمام کائنات کا مالک و خالق ہے۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اسے کسی کی حاجت نہیں۔ سب اس کے سامنے فقیر اور اس کی بارگاہ عالی کے محتاج ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے تمام حیوانات و جمادات، کھیتوں اور باغات کو تمہارے فائدے کے لئے تمہاری ماتحتی میں دے رکھا ہے۔ آسمان و زمین کی چیزیں تمہارے ہی لئے سرگرداں ہیں۔ یہ اس کا احسان اور فضل و کرم ہے کہ اس کے حکم سے کشتیاں پانی چیرتی ہوئی اور موجوں کو کاٹتی ہوئی ہواؤں کے ساتھ سمندروں میں چلتی ہیں اور تمہیں اور تمہارے مال و متاع کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچاتی ہیں۔ اور اس کی قدرت کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ وہ آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ زمین پر نہ گر پڑے ورنہ اگر وہ حکم دے تو ابھی آسمان زمین پر آ رہے اور تم سب ہلاک ہو جاؤ۔ انسانوں کے گناہوں کے باوجود یقیناً اللہ ان پر نہایت شفیق و مہربان ہے۔

پھر فرمایا کہ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے وہی تمہیں موت دے گا۔ تم دن رات دیکھتے ہو کہ

اس عالم میں کوئی آ رہا ہے اور کوئی جا رہا ہے۔ وہی قیامت کے روز تمہیں جزا و سزا کے لئے دوبارہ زندہ کرے گا۔ پس تم خوب سمجھ لو کہ وہی موت وحیات اور وجود وعدم کا مالک وخالق ہے سو تم جہالت اور حماقت سے قیامت کا انکار نہ کرو۔ یقیناً انسان بڑا ناشکرا ہے کہ اس قدر کثیر نعمتیں پا کر بھی ان کا شکر ادا نہیں کرتا۔ (ابن کثیر ۳/۲۳۳)

مجادلین کو تہدید

۶۷۔۷۰، لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۚ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۚ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۚ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

ہر امت کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے جس پر وہ عمل کرتے ہیں سو اس کام میں انہیں آپ سے جھگڑا نہیں کرنا چاہئے۔ اور آپ (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف بلائیے۔ بلاشبہ آپ سیدھے راستے پر ہیں اور اگر وہ آپ سے جھگڑیں بھی تو آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ قیامت کے روز اللہ ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ سب کو جانتا ہے۔ بیشک یہ سب کتاب میں (درج) ہے۔ بیشک یہ (بات) اللہ پر آسان ہے۔

مَنْسَكًا: قربانی۔ عبادت۔ حج کا طریقہ۔ امام رازی نے اس آیت میں منسک سے شریعت اور طریقہ عبادت کے معنی لئے ہیں۔ بعض نے منسک کا ترجمہ تہوار کیا ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے قربانی کا مقام اور بعض نے اس سے مراد عبادت گاہ لی ہے۔

عربی میں منسک اس مقام کو کہتے ہیں جہاں لوگ کسی اچھے یا برے کام کے لئے

جمع ہونے کے عادی ہوں ۔ مناسک حج کو مناسک اسی لئے کہا جاتا ہے کہ
لوگ حج کے مقامات پر ہر سال آتے اور جمع ہوتے ہیں ۔ راجح قول یہ ہے کہ
منسک سے شریعت اور مطلق طریقہ عبادت مراد ہے ۔ (مظہری ۶/۳۴۶)

نَاسِکُوْہُ: اس کی عبادت کرنے والے ۔ اس کی قربانی کرنے والے ۔ نُسُکٌ سے اسم فاعل ۔

یُنَازِعُنَّکَ: وہ تجھ سے جھگڑا کرتا ہے ۔ مُنَازَعَۃٌ سے مضارع ۔

تشریح: تمام انبیا اصولِ دین میں متفق رہے ہیں البتہ مختلف زمانوں میں اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے بندگی کے مختلف طریقے مقرر کئے ہیں جن کے موافق وہ امتیں اللہ کی عبادت کرتی رہیں ۔ اس امت محمدیہ کے لئے بھی ایک خاص شریعت بھیجی گئی جس کی پیروی قیامت تک سب پر لازم ہے لیکن اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت مقرر نہیں کی گئی ۔ یہی سیدھی راہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں ۔ اس لئے توحید جیسی متفق علیہ عبادت میں جھگڑا کرنا کسی کو زیب نہیں دیتا ۔

جب ایسی واضح باتوں میں بھی حجتیں نکالی جائیں تو آپ کچھ پرواہ نہ کریں، آپ حق پر ہیں اور آپ سے منازعت کرنے والے باطل پر ہیں ۔ آپ جس سیدھے راستے پر چل رہے ہیں اس پر قائم رہئے اور لوگوں کو اسی کی طرف بلاتے رہئے اور خوامخواہ کے جھگڑے نکالنے والوں کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیجئے وہ ان کی تمام حرکات و سکنات اور ان کے تمام اعمال سے خوب واقف ہے ۔ قیامت کے روز وہ ان کے تمام اختلافات کا فیصلہ کر دے گا ۔ اس روز انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر ۔ اس روز مومنوں کو ثواب ملے گا اور کافروں کو عذاب ہوگا ۔

اللہ تعالیٰ کا علم تو زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو محیط ہے، اور بعض مصالح اور حکمتوں کی بنا پر اس نے تمام واقعات لوحِ محفوظ میں اور بنی آدم کے تمام اعمال ان کے اعمال ناموں میں لکھ دیئے ہیں ۔ اسی کے موافق قیامت کے دن فیصلہ ہوگا ۔ اتنی بے شمار چیزوں کا ٹھیک ٹھیک جاننا اور لکھ دینا اور اس کے مطابق ہر ایک کا فیصلہ کرنا اللہ کے لئے ذرا مشکل نہیں ۔ اس کے لئے یہ سب کچھ بہت آسان ہے ۔
(عثمانی ۲/۱۴۹، مظہری ۳۴۵۔۶/۳۴۷)

اندھی تقلید

۷۱، ۷۲۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۗ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۗ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۗ اَلنَّارُ ۗ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

اور یہ اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہیں جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور نہ خود ان کے پاس اس کا کوئی علم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ۔ اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو آپ ان منکروں کے چہروں پر ناخوشی (کے آثار) پہچان لیں گے ۔ قریب ہے کہ یہ ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ان کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ ناگوار (چیز) کی خبر دوں ۔ وہ آگ (دوزخ) ہے اللہ نے کافروں سے اس کا وعدہ کر رکھا ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ۔

سُلْطٰنًا: دلیل ۔ قوت ۔ غلبہ ۔ اقتدار ۔ جمع سَلَاطِیْنُ ۔

اَلْمُنْکَرَ: برائی ۔ ناخوشی ۔ خلاف شرع ۔ اِنْکَارٌ سے اسم مفعول ۔

یَکَادُوْنَ: وہ نزدیک ہیں ۔ وہ قریب ہیں ۔ کَوْدٌ سے مضارع ۔

یَسْطُوْنَ: وہ حملہ کریں گے ۔ وہ جھپٹ پڑیں گے ۔ سَطْوَۃٌ سے مضارع ۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا حال بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی معرفت سے بے خبر ہیں اور ایسی چیز کی عبادت کرتے ہیں جس کی اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری اور نہ اس کے بارے میں ان کو کچھ علم ہے سوائے اس کے کہ یہ بت پرستی یا تو انہوں نے اپنے آباؤ واجداد سے لی اور اسی پر عمل کرتے آرہے ہیں یا اپنی رائے اور اٹکل سے اختیار کر لی اور اب اسی پر جمے ہوئے ہیں ۔ ان کافروں کے ساتھ الٹا معاملہ ہے کہ جو حق اور صحیح ہے اس کو یہ ناحق اور باطل سمجھتے ہیں اور جو باطل اور غلط ہے اس کو صحیح اور سچ

سمجھتے ہیں۔ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں جو قیامت کے روز ان کو عذابِ الٰہی سے بچا لے۔

ان کے ظلم وعناد کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے ہماری صاف اور واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں جو اس کی وحدانیت کی روشن دلیل ہوتی ہیں تو ان کو سنتے ہی ان کے تیور بدل جاتے ہیں اور غصے و ناگواری کے جذبات ان کے چہروں سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔اس وقت ان کے غصے اور نفرت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ گویا وہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں گے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنا رہے ہیں۔

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں تمہارے غصے اور ناگواری سے بھی اور بدتر چیز کی خبر دوں اور وہ دوزخ کی آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۲۷۱۔۲۷۲/ ۱۷)

مشرک کی مثال

۷۳، ۷۴۔ يَاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

اے لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے سو تم اس کو کان لگا کر سنو (وہ یہ کہ) جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ اس کے لئے سب کے سب جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس بھی نہیں لے سکتے۔طالب و مطلوب (عابد و معبود) دونوں ہی کمزور ہیں۔انہوں نے اللہ کے مرتبے کے مطابق اس کی قدر نہیں کی۔بیشک اللہ تو بڑا قوی (اور) زبردست ہے۔

ذُبَابًا: مکھی۔جمع اَذِبَّۃٌ۔

يَسْتَنْقِذُوْهُ: وہ اس کو چھڑاتے ہیں۔وہ اس کو نجات دلاتے ہیں۔اِسْتِنْقَاذٌ سے مضارع۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کی ایک مثال بیان فرمائی ہے جس سے مشرکوں کی کم عقلی اور ان کے معبودوں کی عاجزی و بے بسی ظاہر ہوتی ہے چنانچہ ارشاد باری ہے کہ جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر

بتوں کو پکارتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں، وہ ان کافروں کی حاجت روائی تو کیا کریں گے وہ تو سب مل کر بھی ایک حقیر مکھی پیدا نہیں کر سکتے۔ یہی نہیں بلکہ ان کی بے بسی کا عالم یہ ہے کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس چیز کو مکھی سے واپس نہیں لے سکتے۔ گوان بتوں کو مکھی سے مقابلے اور اس سے انتقام کی بھی طاقت نہیں حالانکہ مکھی خود نہایت کمزور وضعیف ہے مگر ان بتوں سے بہتر ہے کہ یہ ان سے چھین لے جاتی ہے لیکن وہ بت اس سے کچھ نہیں چھین سکتے۔ پس طالب و مطلوب دونوں کمزور ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ طالب سے مراد مکھی ہے جو اس چیز کی طلب گار ہوتی ہے جس کو وہ بت سے چھینتی ہے اور مطلوب سے مراد بت ہے جس سے مکھی طلب کرتی ہے۔ پس طالب کمزور ہے اور مطلوب بالکل ہی بے بس۔ ضحاک نے کہا کہ طالب سے مراد بت پرست اور مطلوب سے مراد بت ہے۔

پھر فرمایا کہ ان مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی ویسی تعظیم و تکریم نہیں کی جیسی ان کو کرنی چاہئے تھی۔ اسی لئے انہوں نے حقیر ترین چیزوں کو اس کی عبادت میں شریک قرار دے لیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں۔ ان مشرکین کے معبود عاجز و بے بس ہیں۔ مکھی جیسی حقیر ترین مخلوق بھی ان پر غالب ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۱۷/۲۷۳ ۲۷۲، مظہری ۶/۳۴۹،۳۴۸)

اللہ کا پیغام پہنچانے والے

۷۵، ۷۶۔ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۚ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

فرشتوں اور انسانوں میں سے اللہ جس کو چاہتا ہے پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ بیشک اللہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکوں نے کہا تھا۔

ءَ اُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا (سورہ صٓ آیت ۸)

کیا ہماری جماعت میں سے اس (معمولی) شخص پر قرآن اتارا گیا (اور اس کو نبی بنایا گیا حالانکہ ہم میں بڑے بڑے سردار اور عزت والے موجود ہیں)

(مظہری ۶/۳۴۹)

تشریح: اختیار کامل اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہ ملائکہ اور انسانوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنا پیغمبر منتخب کر لیتا ہے۔ فرشتے بھی اللہ کے قاصد ہیں جو اللہ کے احکام انبیا تک پہنچاتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ملائکہ میں سے پیغام پہنچانے والے، جبرائیل میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام وغیرہ ہیں، یہ فرشتے اللہ کا پیغام انبیا تک پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ اپنی رسالت کے لئے منتخب کرتا ہے وہ لوگوں کو حق کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ کی طرف سے جو احکام ان پر نازل ہوتے ہیں وہ دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ سب سے پہلے رسول حضرت آدم علیہ السلام تھے اور سب سے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں۔ بیشک اللہ تمہارے اقوال کو سننے والا اور تمہارے افعال کو دیکھنے والا ہے۔ تمہارا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ ان کے ماضی حال اور مستقبل سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس لئے وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رسالت کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ (مظہری ۶/۳۵۰،۳۴۹، ابن کثیر ۳/۲۳۵)

مومنوں کو عبادت کا حکم

۷۷، ۷۸۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ

اے ایمان والو! رکوع اور سجود کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور بھلائی کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور اللہ کے کام میں کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق

ہے ۔ اسی نے تمہیں منتخب کیا ہے اور اس نے تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں
کی (یہی) تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے ۔ اسی (اللہ) نے تمہارا نام
پہلے سے مسلمان رکھا اور اس قرآن میں بھی تا کہ رسول تم پر گواہ بنے اور تم
لوگوں پر گواہ بنو ۔ سو تم نماز قائم کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کو مضبوطی سے
تھامے رکھو ۔ وہی تمہارا مولا ہے ۔ پھر کیا ہی خوب مولا و مالک اور کیا ہی
خوب مددگار ہے ۔

تشریح: اے مومنو! اگر تم ہماری رضا اور خوشی حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہمارے آگے جھکو، ہمارے ہی حضور میں پیشانی ٹیکو اور ہماری عبادت میں لگے رہو اور ہمارے ہی لئے بھلائی کے کام کرتے رہو تا کہ تم دنیا و آخرت میں فلاح پاؤ ۔

اگر تم قرب اور رضا کے بلند مقام پر پہنچنا چاہتے ہو تو اللہ کی راہ میں جہاد کرو کہ جہاد کا حق ادا ہو جائے ۔ اللہ نے تمہیں برگزیدہ اور منتخب کر لیا ہے اور دوسری امتوں پر تمہیں عزت و شرافت اور بزرگی و کرامت عطا فرمائی ہے ۔ کامل رسول اور کامل شریعت سے تمہیں سرفراز فرمایا ہے ۔ دین کے بارے میں اللہ نے تم پر کوئی تنگی اور سختی نہیں رکھی ۔ اس نے تمہیں کوئی ایسا حکم نہیں دیا جو تمہاری طاقت سے باہر ہو ۔ فرائض اور واجبات میں تمہیں طرح طرح کی رخصتیں اور سہولتیں دیں لہٰذا تم اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کو لازم پکڑو جو نہایت آسان ہے ۔ اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے گذشتہ کتابوں میں بھی اور اس قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا جس کے معنی فرماں بردار کے ہیں ۔ سو تم بھی فرماں بردار بندے بن کر دکھاؤ ۔

دنیا میں یہ شرف و امتیاز اللہ نے تمہیں اس لئے عطا کیا تا کہ قیامت کے روز اللہ کا رسول تم پر گواہ ہو اور تم تمام امتوں پر گواہ بنو، سو تم نماز کو ٹھیک ٹھیک قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھامے رہو ۔ وہی تمہارا آقا ہے لہٰذا اسی پر بھروسہ رکھو اور کسی پر نظر نہ کرو ۔ فلاحِ دارین کا دارومدار اسی سے وابستگی اور تعلق پر ہے

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۸، ۵۹/ ۵، ابن کثیر ۲۳۶، ۲۳۷/ ۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ المؤمنون

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا مومنوں کے اوصاف سے ہوئی اس لئے اس سورت کا نام مؤمنون ہوگیا۔

تعارف: اس میں چھ رکوع ایک سو اٹھارہ آیتیں ۱۰۷۰ کلمات اور ۴۵۳۸ حروف ہیں۔

یہ سورہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔سورت کے شروع میں مومنوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔یہی اوصاف حقیقت میں ایمان کے اہم شعبے ہیں۔اس کے بعد انسان کے مبدا اور معاد کا بیان اور سابقہ امم کے واقعات مذکور ہیں۔

یزید بن بابنوس سے روایت ہے۔انہوں نے کہا کہ ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اے ام المؤمنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق (اخلاق) کیسا تھا۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلق تو قرآن ہے پھر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ تم سورۃ المؤمنون پڑھتے ہو؟ پھر خود فرمایا کہ پڑھ: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ. یہاں تک کہ جب وہ دس (آیتوں) تک پہنچے تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلق یہ تھا۔

(الادب المفرد، حدیث نمبر ۳۰۸ مستدرک حاکم ۲/۴۲۶)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: رکوع کے شروع میں مومنون کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔اس کے بعد تخلیق انسان کے مراحل اور آسمانوں کی تخلیق کا بیان ہے آخر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کے انعامات مذکور ہیں۔

رکوع ۲: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی حالت اور طوفان نوح کا بیان ہے۔

رکوع ۳: قوم عاد یا ثمود کا واقعہ، دیگر امم سابقہ کا ذکر اور آخر میں موسیٰ و ہارون اور ابن مریم علیہم السلام کے واقعات مذکور ہیں۔

رکوع ۴: اکلِ حلال اور عملِ صالح کی تاکید کے بعد مومنوں کی صفات کا ذکر ہے۔ پھر آخرت سے غفلت کا انجام اور متکبرین کی جہالت وگمراہی کا بیان ہے۔

رکوع ۵: اللہ کے انعامات اور اس کی حاکمیت کے بیان کے بعد توحید کے دلائل مذکور ہیں۔

رکوع ۶: آنحضرت ﷺ کو دعا کی تلقین، قیامت کا حال اور کفار کا اعتراف گناہ مذکور ہے۔ پھر کفار کی عذاب جہنم سے نجات پانے کی تمام امیدیں ٹوٹ جانے کا ذکر ہے۔ دنیا کی زندگی کی حقیقت اور کافروں کے باطل گمان کا بیان ہے۔

مومنوں کے اوصاف

۱۔۱۱، قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

بیشک ایمان والوں نے فلاح پالی۔ (یہ وہ ہیں) جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں اور جو زکوٰۃ دینے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں یا لونڈیوں کے سو یقیناً ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو کوئی اس کے علاوہ (لذت نفس کے لئے) کچھ اور چاہے تو وہی (حد شرعی) سے تجاوز کرنے والے ہیں اور (مومن وہ ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں اور (وہ بھی مومن

ہیں) جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اَیۡمَانُھُمۡ: ان کے داہنے ہاتھ۔

مَلُوۡمِیۡنَ: ملامت کئے ہوئے۔ لَوۡمٌ سے اسم مفعول۔

العٰدُوۡنَ: حد سے نکلنے والے۔ سرکش۔ عُدۡوَانٌ سے اسم فاعل۔

رٰعُوۡنَ: رعایت کرنے والے۔ خیال رکھنے والے۔ رِعَایَۃٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: بغوی نے حضرت ابوہریرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی نماز کے اندر اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھالیا کرتے تھے جب آیت مذکورہ نازل ہوئی (یعنی قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ .... خٰشِعُوۡنَ) تو وہ سجدہ گاہ پر نظر جمانے لگے۔ ابن ابی حاتم نے ابن سیرین کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحابہ نماز کے اندر آسمان کی طرف نظریں اٹھا لیتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ٦/٣٦٠)

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے سات اوصاف بیان فرمائے ہیں کہ وہ مومن فلاح پا گئے جو:

١۔ اپنی نمازوں کو خشوع وخضوع، یکسوئی اور نہایت سکون کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

٢۔ لغو اور بیکار باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

٣۔ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں یعنی مالی حقوق میں کوتاہی نہیں کرتے۔

٤۔ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، اپنی بیویوں اور باندیوں کے سوا کسی اور جگہ اپنی شرمگاہوں کو استعمال نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں پر کسی قسم کا الزام اور ملامت نہیں۔ جو لوگ اپنی بیویوں اور باندیوں کے سوا کوئی اور راہ ڈھونڈتے ہیں تو وہی لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں اور یہی لوگ قابلِ ملامت ہیں۔

٥۔ وہ اپنی امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں خواہ ان امانتوں کا تعلق اللہ سے ہو یا بندوں سے۔

٦۔ وہ اپنے عہدوں کی پوری پوری حفاظت اور نگہبانی کرتے ہیں۔ عہد کر کے اسے توڑتے نہیں بلکہ اس پر قائم رہتے ہیں۔ یہ لوگ امانت میں خیانت نہیں کرتے۔ آنکھ، کان اور دیگر اعضا سب اللہ کی امانتیں ہیں ان کو اللہ کے حکم کے خلاف استعمال کرنا امانت میں

خیانت کرنا ہے۔ اسی طرح شرمگاہوں کو بیوی اور شرعی باندی کے سوا دوسری جگہ استعمال کرنا بھی امانت میں خیانت ہے۔

۷۔ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہ نمازوں سے غفلت نہیں کرتے بلکہ وہ ان پر قائم و ثابت رہتے ہیں اور ان کو پابندیٔ وقت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

ایسے مومن جن میں یہ تمام صفات موجود ہوں فردوس کے وارث ہوں گے جو جنت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ وہاں موت آئے گی۔ اور نہ کبھی وہاں سے نکالے جائیں گے۔ فلاح و کامیابی کا یہی بلند ترین مقام ہے۔

(روح المعانی ۲۔۱۲/ ۱۸، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۱۔۶۳/ ۵)

تخلیقِ انسانی کے مراحل

۱۲۔۱۶، وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۝ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝

یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر (خلاصے) سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ مقام میں رکھا۔ پھر ہم نے نطفے کو عَلَقَةً (جما ہوا خون) بنا دیا۔ پھر اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا ٹکرا بنا دیا۔ پھر اس گوشت کے ٹکڑے سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا۔ پھر اس کو ایک نئی صورت میں (یعنی انسان) بنا دیا۔ سو بڑی برکت والا ہے اللہ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔ پھر اس کے بعد تم سب کو یقیناً مرنا ہے۔ پھر یقیناً تم سب قیامت کے روز اٹھائے جاؤ گے۔

سُلٰلَةٍ : خلاصہ۔ سَنِی ہوئی۔ نچوڑی ہوئی۔

عَلَقَةً : جمے ہوئے خون کی ایک پھٹکی۔ گاڑھا خون۔

مُضْغَةً :　بوٹی۔ گوشت کا لوتھڑا۔ گوشت کا ٹکڑا۔

عِظٰماً :　ہڈیاں۔ واحد عَظْمٌ۔

کَسَوْنَا:　ہم نے پہنایا۔ کَسْوٌ سے ماضی۔

اَنْشَاْنٰهُ:　ہم نے اس کو پیدا کیا۔ ہم نے اس کی پرورش کی اِنْشَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں انسانی تخلیق کے مختلف مراحل بیان فرمائے ہیں کہ آدم کی اصل مٹی سے ہے۔ جو کیچڑ اور بجنے والی مٹی کی صورت میں تھی۔ سو اللہ نے آدم علیہ السلام کو روئے زمین کے خلاصے سے پیدا کیا اور باقی انسانوں کو نطفے سے۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ قرار گاہ (رحم) میں رکھا۔ پھر ہم نے اس نطفے کو جما ہوا خون بنا دیا اور پھر اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا جس میں کوئی شکل اور بناوٹ نہیں ہوتی۔ پھر اس لوتھڑے کو سخت کر کے ہڈیاں بنا دیں اور سر، ہاتھ، پاؤں، رگ، پٹھے اور پیٹھ کی ہڈی وغیرہ بنا دیئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان کا تمام جسم گل سڑ جاتا ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے۔

پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا جاتا ہے تاکہ وہ پوشیدہ اور قوی رہیں۔ پھر اس میں روح پھونک کر اس کو نئی صورت میں کھڑا کر دیا جاتا ہے جس سے وہ چلنے پھرنے اور حرکت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور جاندار انسان بن جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ بہت بڑا بزرگ ہے اور سب خالقوں (صناعوں) سے بہتر ہے کہ کسی صناع کی صنعت اور کاری گری اس کی صنعت اور کاری گری کو نہیں پہنچ سکتی۔

پھر اس پیدائش کے کچھ عرصے بعد تم مر جاتے ہو۔ پھر قیامت کے دن حساب و کتاب کے لئے تمہیں اس مٹی سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ تمہاری پہلی پیدائش بھی مٹی سے ہوئی تھی پھر دوسری پیدائش بھی اسی مٹی سے ہوگی۔ پس جو ذات اجزائے نطفہ کو انسان بنانے پر قادر ہے وہ منتشر اجزا کو جمع کر کے اس میں دوبارہ جان ڈالنے پر بھی قادر ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۵، ۶۶/ ۵، ابن کثیر ۲۴۰، ۳/۲۴۱)

آسمانوں کی تخلیق

۱۷۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝

اور البتہ ہم نے تمہارے اوپر سات رستے بنائے اور ہم خلق (بنانے)

سے غافل نہ تھے۔

تشریح: انسان کی تخلیق کے مختلف مرحلے بیان کرنے کے بعد اس آیت میں آسمانوں کی تخلیق کا بیان ہے کہ اس نے تمہارے اوپر راستوں والے سات آسمان بنائے جو ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوئے ہیں۔ اس میں فرشتوں کی آمد کے لئے راستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے غافل اور بے خبر نہیں خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمانوں میں۔ آسمانوں اور زمین کا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں۔ جو چیز زمین میں جائے یا زمین سے نکلے اس کو سب کا علم ہے۔ اسی طرح اگر کوئی چیز آسمان سے اترے یا آسمان کی طرف چڑھے اس سے بھی وہ پوری طرح باخبر ہے۔ وہ ہر وقت اور ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہاری ہر حرکت وسکون اور ایک ایک عمل کو دیکھ رہا ہے۔ آسمان کی بلند وبالا چیزیں، زمین کی پوشیدہ اشیا، پہاڑوں کی چوٹیاں، سمندروں کی تہ، سب اس کے سامنے ہے یہاں تک کہ کسی درخت کا کوئی پتہ بھی اگر گرتا ہے تو وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ اور زمین کی تاریکیوں میں اگر کہیں کوئی دانہ چھپا ہوا ہے تو وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ (ابن کثیر ۳/۲۴۲، روح المعانی ۱۸/۱۸)

اللہ کی قدرتِ کاملہ اور انعامات

۱۸۔۲۲۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝

اور ہم نے ایک اندازے کے ساتھ آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس کو زمین پر ٹھہرائے رکھا اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں۔ پھر ہم نے اس پانی سے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے جن میں تمہارے لئے بہت سے میوے ہیں اور تم ان میں سے کھاتے (بھی) ہو۔

اور (زیتون کا) وہ درخت (بھی) جو طور سینا میں (بکثرت) پیدا ہوتا ہے۔
(ہم ہی نے پیدا کیا)۔ جو کھانے والوں کے لئے روغن اور سالن لئے ہوئے
اگتا ہے۔ اور تمہارے لئے چوپایوں میں بھی عبرت ہے۔ ہم تمہیں ان کے
پیٹ کی چیزوں میں سے (جدا کر کے دودھ) پلاتے ہیں اور تمہارے لئے
اس میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے (بعض کو) تم کھاتے
بھی ہو۔ اور تم ان پر اور کشتیوں پر سوار بھی کئے جاتے ہو۔

نَخِيْلٍ: کھجور کے درخت۔

اَعْنَابٍ: انگور۔ واحد عِنَبٌ۔

الدُّهْنِ: تیل۔ چکنائی۔ جمع اِدْهَانٌ۔

صِبْغٍ: سالن۔ روٹی ڈبونا۔ جمع صِبَاغٌ.

تشریح: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت تام اور اس کا انعام عام ہے کہ وہ مخلوق کے لئے بقدر ضرورت آسمان سے پانی برسا کر زمین کو سیراب کرتا ہے۔ اس سے انسانوں اور حیوانوں کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ پھر وہ اس پانی کو زمین میں ٹھہرا دیتا ہے۔ بعض مقامات پر تو یہ پانی سطح زمین پر تالابوں اور جھیلوں کی شکل میں جمع ہو جاتا ہے اور بعض جگہ یہ زمین کے اندر جذب ہو جاتا ہے، لوگ دونوں سے نفع اٹھاتے ہیں،

پھر فرمایا کہ جس طرح ہم اس پانی کے نازل کرنے پر قادر ہیں بلاشبہ اسی طرح ہم اس کو زائل کرنے پر بھی قادر ہیں۔ زائل کرنے سے مراد یہ ہے کہ ہم اس کو خراب بھی کر سکتے ہیں کہ کسی کام نہ آئے اور بھاپ بنا کر اڑا بھی سکتے ہیں یا زمین کے اندر اتنی گہرائی تک پہنچا سکتے ہیں کہ کسی کے ہاتھ نہ آئے۔

پھر ہم نے تمہارے لئے اس بارش کے پانی سے کھجوروں، انگوروں اور دیگر پھلوں کے باغات پیدا کر دیئے جن سے تمہیں بکثرت پھل حاصل ہوتے ہیں اور تم ان کو کھاتے ہو اور اسی پانی سے ہم نے تمہارے لئے زیتون کا درخت پیدا کیا جو طور سینا سے بکثرت اگتا ہے اسی درخت سے تیل حاصل ہوتا ہے جو کھانے والوں کے لئے سالن کا کام بھی دیتا ہے۔ یہ بڑا مبارک درخت ہے اور اس کے بے شمار فوائد ہیں۔

چوپائے جانوروں میں بھی تمہارے لئے عبرت اور نصیحت کا بڑا سامان ہے۔ اگر تم ان میں غور و فکر کرو تو اللہ کی قدرت اور اس کی نعمت کو سمجھ سکتے ہو۔ یہ اس کی عجیب قدرت ہے کہ وہ گوبر اور

خون کے درمیان سے تمہارے لئے ایک نہایت خوش ذائقہ اور لذیذ غذا نکالتا ہے جس میں گوبر اور خون کی ذرا بھی آمیزش نہیں ہوتی۔ ذرا غور تو کرو کہ اللہ کے سوا کون ایسا کرسکتا ہے۔ ان چوپایوں میں تمہارے لئے اور بھی فائدے ہیں مثلاً تم ان پر سواری کرتے ہو۔ ان سے باربرداری اور زراعت کا کام لیتے ہو اور ان سے گھی، گوشت اور اون حاصل کرتے ہو۔ اسی طرح تم کشتیوں پر چڑھے پھرتے ہو۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ سو تم اپنے منعمِ حقیقی کو پہچانو۔
(مواہب الرحمٰن ۲۹، ۳۲/ ۱۸، مظہری ۳۷۳۔ ۶/۳۷۶)

حضرت نوح کا واقعہ

۲۳۔۲۵، وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۝ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ۝

اور البتہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، سو اس نے (اپنی قوم سے) کہا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں۔ پھر اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا یہ تو تمہارے جیسا ہی انسان ہے۔ یہ تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ (رسول بھیجنا) چاہتا تو یقیناً فرشتوں کو بھیجتا۔ ہم نے یہ بات اپنے باپ دادا سے کبھی نہیں سنی۔ پس یہ ایک دیوانہ آدمی ہے سو اس کا ایک (مقررہ) وقت تک انتظار کرو۔

جِنَّةٌ : جنون۔ سودا۔ دیوانگی۔

تَرَبَّصُوْا : تم انتظار کرو۔ تَرَبُّصٌ سے امر۔

حِيْنٍ : وقت۔ زمانہ۔ مدت۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ان کو قوم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اپنی قوم میں جا کر اللہ کا پیغام پہنچایا کہ اے میری قوم تم اس اللہ کی عبادت کرو جو تمہارا خالق و مالک ہے اور وہی

عبادت کا مستحق ہے۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو جو پوجتے ہو تو کہیں وہ اس شرک کی وجہ سے تمہیں دنیا و آخرت میں عذاب میں مبتلا نہ کر دے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بات سن کو ان کی قوم کے کافر سردار کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا ایک انسان ہے۔ نبوت کا دعویٰ کر کے یہ تم پر فضیلت اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اللہ کو رسول بنانا منظور ہوتا تو وہ کسی فرشتے کو اتار دیتا۔ یہ تو عجیب بات ہے۔ ہم نے ایسی بات تو کبھی اپنے آباو اجداد سے بھی نہیں سنی۔ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے۔ اسی لئے کہتا ہے کہ صرف ایک معبود ہے۔ سو تم کچھ عرصے کے لئے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور انتظار کرو کہ یا تو یہ خود ہی مر جائے یا اس کا جنون دور ہو جائے۔ (مواہب الرحمٰن ۳۳، ۳۴/ ۱۸، روح المعانی ۲۴۔ ۲۶/ ۱۸)

طوفانِ نوح

۲۶، ۳۰۔ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ ... سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝

(نوح نے) دعا کی اے میرے رب! ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر۔ پھر ہم نے اس (نوح) کی طرف وحی کی کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا۔ پھر جب ہمارا حکم آئے اور تنور (زمین) سے پانی ابلنے لگے تو ہر قسم کا ایک ایک جوڑا اس (کشتی) میں رکھ لے اور اپنے اہل کو بھی مگر ان میں سے جس کے لئے (ڈوبنے کا) حکم ہو چکا ہے۔ اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات بھی نہ کرنا۔ بیشک وہ سب غرق ہونے والے ہیں۔ پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر اطمینان سے بیٹھ جائیں تو کہنا کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی

اور دعا کرنا اے میرے رب مجھے (کشتی سے) برکت کے ساتھ اتارنا اور تو
بہتر اتارنے والا ہے۔ یقیناً اس (قصے) میں بڑی نشانیاں ہیں اور بیشک ہم
آزمائش کرنے والے ہیں۔

فَارَ: اس (پانی) نے جوش مارا۔ وہ ابلنے لگا۔ فَوْرٌ سے ماضی۔

فَاسْلُکْ: پس تو داخل کر۔ تو ڈال۔ تو رکھ لے۔ سُلُوْکٌ سے امر۔

اِسْتَوَیْتَ: تو بیٹھ جائے، تو سوار ہو جائے۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: جب حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے بالکل مایوس ہو گئے تو انہوں اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب! ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر اور مجھے ان پر غالب کر اور ان پر وہ عذاب نازل فرما دے جس سے میں نے ان کو ڈرایا تھا۔

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان پر وحی نازل کی کہ اب عنقریب طوفان آنے والا ہے اس لئے تم ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ تا کہ تم اور تمہاری اتباع کرنے والے اس کشتی میں سوار ہو کر غرق ہونے سے بچ جائیں۔ پھر جب ہمارا حکم یعنی عذاب آجائے اور تنور سے پانی ابلنے لگے تو ہر جاندار کا ایک جوڑا کشتی میں سوار کر لینا اور اپنے گھر والوں کو بھی کشتی میں سوار کر لینا سوائے ان لوگوں کے جن کی ہلاکت ان کے کفر کے باعث پہلے ہی طے ہو چکی ہے۔ اس میں نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان اور اس کی بیوی کی طرف اشارہ ہے جو سمجھانے کے باوجود کفر پر قائم رہے۔ نیز فرمایا کہ مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں کوئی بات نہ کرنا جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یقیناً وہ غرق کئے جانے والے ہیں۔ چنانچہ جب تنور سے پانی پھوٹ نکلا تو بیوی نے آکر فوراً اطلاع دی اور آپ فوراً کشتی پر سوار ہو گئے۔

پھر جب تم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کشتی پر سوار ہو جاؤ تو کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالموں سے نجات دی جب کشتی سے اترنے لگو تو یہ کہنا کہ اے میرے رب! مجھے کشتی سے زمین پر بابرکت طریقے سے اتار اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا اور ٹھکانا دینے والا ہے۔ یقیناً حضرت نوح علیہ السلام کے اس واقعے میں بھی عبرت کی بڑی نشانیاں ہیں اور یہ نشانیاں بیان کر کے ہم تو اپنے بندوں کو آزمانے والے ہیں۔ (روح المعانی ۲۶۔۲۸/ ۱۸، مواہب الرحمٰن ۳۴۔۳۲/ ۱۸)

قومِ عاد یا ثمود کا واقعہ

۳۱۔۴۱، ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

پھر ان (نوح) کے بعد ہم نے دوسرا گروہ پیدا کیا۔ پھر ان میں بھی ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ کیا تم (شرک سے) نہیں ڈرتے۔ اور ان کی قوم کے سردار جو کفر کرتے تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے ان کو دنیوی زندگی میں خوشحالی (بھی) دی تھی، کہنے لگے کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔ اور اگر تم نے اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کی تو بیشک تم خسارہ پانے والے ہو۔ کیا یہ (شخص) تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے تو تم (پھر زندہ کر کے قبروں) سے نکالے جاؤ گے۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے وہ دور بہت دور ہے۔ بس زندگی تو ہماری دنیوی زندگی ہے کہ ہم مرتے اور جیتے

رہتے ہیں اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ یہ تو وہ شخص ہے جس نے اللہ پر بہتان باندھا ہے اور ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ رسول نے دعا کی اے میرے رب! ان کے جھٹلانے پر میری مدد کر، اللہ نے کہا یہ لوگ بہت جلد نادم ہوں گے۔ پھر ایک سخت آواز (عذاب) نے ان کو وعدہ برحق کے مطابق آ پکڑا۔ سو ہم نے ان کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ سو ظالموں کے لئے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے۔

اَتْرَفْنا: ہم نے آسودگی دی۔ ہم نے عیش و آرام دیا، اِتْرَاف سے ماضی۔

هَيْهَاتَ : دور ہے۔ ناممکن ہے۔ کلمۂ بعد ہے۔

غُثَآءً: خس و خاشاک۔ ریزہ ریزہ۔ وہ کوڑا کرکٹ جو سیلابی پانی کے ساتھ ہوتا ہے۔ جمع اَغْثَاءٌ۔

تشریح: ان آیتوں میں بھی امم سابقہ کے ایک واقعے کا بیان ہے مگر یہ صراحت نہیں کہ یہ کس نبی یا کس قوم کا واقعہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ قوم ثمود کا واقعہ ہے۔ بغوی لکھتے ہیں اس واقعے سے قومِ عاد مراد لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد قومِ عاد ہی پیدا ہوئی جس کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا مگر واقعے سے اَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ (ان کو آ پکڑا ایک سخت چیخ نے) کے الفاظ آئے ہیں جن سے ظاہراً یہ قوم ثمود کا واقعہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ سخت چیخ سے وہی لوگ ہلاک ہوئے تھے۔ پس اگر یہاں قوم ثمود مراد لی جائے تو رسول سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہوں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قوم نوح کے بعد ہم نے آزمائش کے لئے دوسری قوم کو پیدا کیا۔ پھر ہم نے ان ہی میں سے ایک شخص کو پیغمبر بنا کر ان میں بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ کیا تم اس کے عذاب سے نہیں ڈرتے کہ بتوں کو پوجتے ہو۔ ان کی قوم کے کافر سردار جو قیامت کے آنے کو جھٹلاتے تھے اور جن کو دنیوی زندگی میں ہم نے خوشحال کر رکھا تھا، کہنے لگے کہ یہ شخص تمہارے جیسا ہی ایک آدمی ہے۔ جو تم کھاتے ہو یہ بھی وہی کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو یہ بھی وہی پیتا ہے۔ اگر تم اپنے جیسے آدمی کے کہنے پر چلے اور اس کے فرماں بردار بن گئے تو یقیناً تم خسارے میں رہو گے۔ کیا یہ تمہیں اس بات کا وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرنے کے بعد خاک ہو جاؤ گے اور گوشت پوست کے بغیر تمہاری خالی ہڈیاں رہ جائیں گی تو تمہیں حساب و کتاب کے لئے دوبارہ زندہ

کر کے قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ جو بات تم سے کہی جا رہی ہے اور جس چیز سے تمہیں ڈرایا جا رہا ہے۔ وہ تو عقل و فہم سے بہت ہی بعید ہے۔

عقل و فہم سے تو کچھ بھی دور نہیں حقیقت یہ ہے کہ جس نے ان کو پہلی دفعہ پیدا کیا وہ قیامت کے روز ان کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِىٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ (سورۂ یٰسٓ آیت ۷۹)۔

آپ کہہ دیجئے کہ ان مردہ ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو اول مرتبہ پیدا کیا تھا۔

پھر وہ کہنے لگے کہ اس دنیوی زندگی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ سلسلہ زمانہ قدیم سے اسی طرح چلا آرہا ہے کہ ہم سب مرتے جیتے رہتے ہیں۔ اسی لئے ہم دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ شخص جو اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتا ہے محض جھوٹا ہے۔ اس نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھا ہے ہم اس کی بات کا یقین نہیں کریں گے۔

ان کی گفتگو سن کر اللہ کا پیغمبر ان کے ایمان لانے سے بالکل نا امید ہو گیا اور اللہ سے دعا کی کہ اے میرے رب! ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر اور مجھے ان پر غالب کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اپنے پیغمبر کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ بہت جلد اپنے کفر و تکذیب پر نادم ہوں گے۔ پھر مہلت پوری ہونے پر ایک زبردست چیخ نے ان کو آ پکڑا اور ہم نے ان کو خس و خاشاک کی طرح پامال کر دیا۔ جس طرح سیلاب خس و خاشاک کو بہا کر لے جاتا ہے اسی طرح عذاب الٰہی کا سیلاب ان نافرمانوں کو بہا کر لے گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیئے گئے۔

(روح المعانی ۲۸۔۳۴/ ۱۸، مواہب الرحمٰن ۳۶۔۳۹/ ۱۸)

دیگر امم سابقہ کا واقعہ

۴۲۔۴۴۔ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

پھر ان کے بعد ہم نے اور امتوں کو پیدا کیا۔ کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے

نہ آگے بڑھی اور نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ پھر ہم پے در پے اپنے رسول بھیجتے رہے۔ جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا سو ہم بھی ایک کے بعد دوسرے کو (ہلاک) کرتے چلے گئے۔ اور ہم نے ان کو (دنیا کے لئے سبق آموز) کہانیاں بنا دیا۔ پس (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے اس قوم کے لئے جو ایمان نہیں لاتی۔

تَسْبِقُ: وہ سبقت کرتی ہے۔ وہ آگے نکلتی ہے۔ سَبْقٌ سے مضارع۔

تَتْرَا: پے در پے۔ یکے بعد دیگرے۔ لگاتار۔

اَحَادِیْثُ: باتیں۔ قصے۔ واحد حَدِیْثٌ۔

تشریح: پھر ان کے بعد ہم نے دوسری قومیں پیدا کیں۔ انہوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی اور مقررہ مدت پر ہلاک ہوئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کا وقت مقرر کر رکھا تھا۔ جس میں نہ کوئی تقدیم ہوئی اور نہ تاخیر۔ پھر ان کی ہدایت رہنمائی کے لئے ہم نے ان کے پاس پے در پے اپنے پیغمبر بھیجے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے ہم نے کچھ قوموں کو پیدا کیا پھر ان کے پاس یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجا بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ایک قوم کو پیدا کیا پھر اس کی ہدایت کے لئے ایک رسول کو بھیجا۔ پھر دوسری قوم پیدا کی اور اس کی ہدایت کے لئے ایک دوسرا نبی بھیجا۔ اسی طرح بہت سی قومیں اور ان کے نبی بھیجے۔

جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ سو ہم نے بھی ہلاکت و بربادی میں ان امتوں کو ایک ایک کر کے ہلاک کر دیا اور ان کے واقعات کو بعد والوں کے لئے قصے کہانیاں بنا دیا۔ وہ لوگ تو ختم ہو گئے اور عبرت کے لئے ان کی داستانیں باقی رہ گئیں۔ پس ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان نہیں لائے۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا واقعہ

۴۵۔۴۹۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۙ﴿۴۵﴾ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ ۚ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۚ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِیْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے طرف بھیجا۔ پس انہوں نے تکبر کیا اور وہ تو تھی ہی ایک سرکش قوم ۔ پھر انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے۔ پس وہ (قوم فرعون) بھی ان کی تکذیب ہی کرتے رہے سو وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گئے ۔ اور البتہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی تا کہ وہ لوگ ہدایت پا ئیں ۔

تشریح: پھر ہم نے حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کو اپنی نشانیاں اور واضح دلائل دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا مگر انہوں نے بھی اپنے نبیوں کی تکذیب اور مخالفت کی اور ایمان لانے سے تکبر کیا۔ وہ سرکش لوگ تھے اس لئے حق کے سامنے جھکنے پر تیار نہ ہوئے اور کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں حالانکہ ان کی قوم کے تمام لوگ ہمارے غلام اور خدمت گزار ہیں ۔ اس غرور کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو جھوٹا قرار دیا وہ ہلاک شدہ لوگوں میں سے ہو گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ایک ہی دن بحر قلزم میں غرق کر دیا۔

پھر فرمایا اہل فرعون کی غرقابی کے بعد ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا کی تا کہ بنی اسرائیل احکام شریعت میں اس سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کریں اور اس پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ تک پہنچیں ۔

ابن مریم کا واقعہ

۵۰۔ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ۝

اور ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو (قدرت کی) نشانی بنا دیا تھا۔ اور ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل تھی اور جس میں پانی کا چشمہ تھا۔

رَبْوَةٍ : بلندی۔ ٹیلا۔ جمع رُبیً و رُبیٌ۔

مَعِیْنٍ : بہتا ہوا۔ آب رواں ۔ جاری چشمہ۔ عَیْنٌ و مَعْنٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کو اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کی ایک زبردست نشانی بنایا۔ نشانی سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کو باپ کے بغیر پیدا کیا۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے ابن مریم کو نشانی بنایا کہ انہوں نے شیر خوارگی میں جب کہ وہ پالنے میں تھے بات کی اور ماں کی پاک دامنی ظاہر کی اور ان سے دوسرے معجزے ظاہر ہوئے۔ ان کی ماں حضرت مریم کو بھی نشانی بنایا کہ مرد کی قربت کے بغیر ان سے بچہ پیدا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت آدم کو مرد اور عورت کے بغیر پیدا کیا۔ حضرت حوا کو عورت کے بغیر صرف مرد سے پیدا کیا۔ حضرت عیسیٰ کو مرد کے بغیر صرف عورت سے پیدا کیا۔ باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت سے پیدا کیا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے ان دونوں کو ایک بلند اور اونچی زمین پر ٹھکانہ دیا جو سرسبز و شاداب اور ٹھہرنے کے قابل تھی، جہاں پانی کے چشمے جاری تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ربوۃ سے مراد رملہ ہے جو فلسطین میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ربوۃ سے مراد بیت المقدس ہے۔ قتادہ اور کعب کا بھی یہی قول ہے۔ سدی کے نزدیک فلسطین کی سرزمین ہے۔ ابن زید کے نزدیک مصر مراد ہے۔ تاریخی حیثیت سے یہ قول زیادہ قوی ہے کہ بادشاہ ہیرودوس جب حضرت عیسیٰ کے قتل کے درپے ہوا تو حضرت مریم ان کو لے کر مصر چلی گئی تھیں۔ (مظہری ۶/۳۸۴، روح المعانی ۳۷۔۳۹/۱۸)

اکل حلال اور عمل صالح کی تاکید

۵۱۔۵۶۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ وَإِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱتَّقُونِ ۝ فَتَقَطَّعُوٓا۟ أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝ فَذَرْهُمْ فِى غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِۦ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِى ٱلْخَيْرَٰتِ ۚ بَل لَّا يَشْعُرُونَ ۝

اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو۔ جو کچھ تم (نیک کام) کرتے ہو، میں اس سے بخوبی واقف ہوں اور البتہ تمہارا یہ گروہ ایک ہی (خدائی) گروہ ہے۔ اور میں ہی تم سب کا رب ہوں، سوتم مجھ ہی

سے ڈرو۔ پھر لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلیا۔ ہر گروہ اسی پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔ پس آپ بھی ایک مدت تک ان کو ان کی غفلت میں پڑا رہنے دیجئے۔ کیا وہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم انکے مال اور اولاد کو بڑھا رہے ہیں۔ ہم ان کے لئے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں (ہرگز نہیں) بلکہ وہ سمجھتے ہی نہیں۔

زُبُراً : ٹکڑے ٹکڑے۔ پارہ پارہ۔

حِزْبٍ : گروہ۔ جماعت۔ جمع اَحْزَابٌ۔

لَدَیْهِمْ : ان کے پاس۔

غَمْرَتِهِمْ: ان کی جہالت۔ ان کی غفلت۔

نُمِدُّهُمْ: ہم ان کو کھینچتے ہیں۔ ہم ان کی امداد کرتے ہیں۔ اِمْدَادٌ سے مضارع۔

تشریح: ہر زمانے کے پیغمبروں اور ان کے ذریعے ان کی امتوں کو حلال و پاکیزہ چیزیں کھانے اور شریعت کے مطابق اعمال بجالانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ بیشک میں تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہوں۔ اس حکم میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کھانا پینا نبوت کے منافی نہیں۔ جیسا کہ کفار عام طور پر ابنیا کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ تو ہماری ہی طرح کا انسان ہے ہماری ہی طرح کھاتا پیتا ہے۔ اس کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں، ہم اس پر ایمان کیوں لائیں اور اس کی اطاعت کیوں کریں۔

پھر فرمایا اے پیغمبرو! یقیناً تمہاری ملت ایک ہی ملت ہے۔ تمہارا دین بھی ایک ہی دین ہے۔ ہر ملت میں توحید، تقوٰی، اکل حلال اور نیک اعمال ہی کا حکم ہے۔ میں ہی تمہارا رب ہوں سو تم مجھ ہی سے ڈرو اور میری ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ کرو اور نہ میری نافرمانی کرو۔

اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے پاس انبیا کو بھیجا تھا۔ انہوں نے پیغمبروں کے بعد دین میں تفرقہ ڈال کر اللہ کے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور ہر ایک نے اپنا دین الگ بنالیا، ہر فرقہ اس دین پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے اور سمجھتا ہے کہ وہی حق پر ہے باقی سب گمراہ ہیں۔

اے نبی ﷺ! آپ کو ان جاہلوں سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں، آپ تو ایک خاص وقت تک، جو ان کی تباہی و بربادی کے لئے مقرر ہے، ان کو اسی جہالت میں رہنے دیجئے۔ کیا یہ منکرین یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو مال و اولاد ان کو دے رہے ہیں وہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے اور ان کی بھلائی

اور نیکی کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے۔ ہر گز ایسا نہیں ہے۔ جو کچھ ہم ان کو دنیا میں دے رہے ہیں وہ بہت تھوڑی سی مہلت ہے۔ لیکن یہ لوگ بے شعور ہیں، سمجھتے ہی نہیں۔

(ابن کثیر ۲۴۶، ۳/۲۴۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶،۷۵، ۵/۷)

مومنوں کی صفات

۵۷۔۶۱، إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿٦١﴾

بیشک وہ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور وہ جو کچھ دے سکتے ہیں (اللہ کی راہ میں) دیتے رہتے ہیں اور ان کے دل (اس بات سے) خوف زدہ رہتے ہیں کہ ان کو لوٹ کر اپنے رب کے پاس جانا ہے۔ یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی ان (اعمال صالحہ کی طرف) سبقت کرنے والے ہیں۔

مُشْفِقُوْنَ: ڈرنے والے۔ اِشْفَاقٌ سے اسم فاعل۔

وَجِلَةٌ : ڈرنے والی۔ خوف زدہ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے خیرات اور اعمال صالحہ میں مسارعت و مسابقت کرنے والوں کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ وہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کے باوجود ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ مومن نیکی کرتا اور ڈرتا رہتا ہے۔ اور منافق بدی کر کے بے فکر ہوتا ہے۔

۲۔ وہ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں یعنی خالص ایمان و توحید پر قائم رہتے ہیں۔

۳۔ وہ اتنے مخلص ہیں کہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔ وہ ہر عمل صدق و اخلاص سے کرتے ہیں۔

۴۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ کی راہ میں دینے کے بعد بھی اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں نامقبول نہ ہو جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے: وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ کے متعلق دریافت کیا اور عرض کیا، کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں، آپ نے فرمایا نہیں۔ اے صدیق کی بیٹی بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں اور پھر بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی اطاعت نامقبول نہ ہو جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔
(ترمذی ۵/۱۱۸، رقم ۳۱۸۶، ابن ماجہ ۴/۴۹۷، رقم ۴۱۹۸)

آخرت سے غفلت کا انجام

۶۲۔۶۷، وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ۝ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝

اور ہم کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے۔ جو حق کے ساتھ بولتی ہے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ان (کافروں) کے دل اس (دین حق کی) طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ان کے اعمال (بد) ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے مالداروں کو عذاب میں پکڑ لیا تو فوراً چلا اٹھیں گے۔ (ان سے کہا جائے گا) آج مت چلاؤ۔ یقیناً ہمارے مقابلے پر تمہاری (کوئی) مدد نہ کی جائے گی۔ البتہ میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں پھر بھی تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے۔ تکبر کرتے ہوئے اس کو (قصہ) کہانی سمجھ کر (چھوڑ کر) چلے جاتے تھے۔

مُتْرَفِيْهِمْ : ان کے خوشحال۔ اِتْرَاف سے اسم مفعول۔
يَجْئَرُوْن : وہ گڑگڑاتے ہیں وہ چلاتے ہیں۔ جُؤَارٌ سے مضارع۔

اَعقَابِكُمْ: تمہاری ایڑیاں ۔ واحد عَقِبٌ ۔

تَنْكِصُوْنَ: تم پھر جاتے ہو ۔ تو بھاگتے ہو ۔ نُكُوْصٌ سے مضارع ۔

سٰمِرًا: افسانہ گو ۔ کہانی کہنے والا ۔ سَمَرٌ وسُمُوْرٌ سے اسم فاعل ۔

تَهْجُرُوْنَ: تم ہجرت کرتے ہو ۔ تم چھوڑتے ہو ۔ هَجْرٌ سے مضارع ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے شریعت آسان رکھی ہے ۔ اس نے ایسے احکام نہیں دیئے جو انسان کی برداشت سے باہر ہوں ۔ تمام شرعی احکام انسان کی وسعت کے مطابق ہیں ۔ قیامت کے روز وہ ان کے اعمال کا حساب لے گا جو سب کے سب ایک کتاب میں لکھے ہوئے ہیں، یہ کتاب ایک ایک عمل کے بارے میں صحیح صحیح بتائے گی ۔ کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی ۔ نہ کسی کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی اور نہ کسی کے گناہوں میں زیادتی ۔ یہاں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے یا اعمال ناموں کا رجسٹر ۔

کفار ومشرکین دین کی طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ۔ کفر وشرک اور قرآن کے انکار کے علاوہ بھی ان کے برے اعمال ہیں جن کو یہ کرتے رہتے ہیں ۔ یہ لوگ اسی طرح شک وغفلت میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کے مالدار اور خوشحال لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے تو وہ فوراً چلا اٹھیں گے اور گریہ وزاری کریں گے ۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ آج چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں ۔ اب ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہ ہوگی اور ہماری مدد کے بغیر تم عذاب سے چھٹکارا بھی نہیں پا سکتے ، جب تمہیں میری آیات پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو تم اظہار نفرت کرتے ہوئے الٹے پاؤں بھاگ جاتے تھے، تکبر کرتے تھے ۔ قرآن اور صاحب قرآن کی شان میں بیہودہ بکتے تھے ۔ ایسے لوگوں کا عذاب سے بچنا محال ہے ۔ (ابن کثیر ۲۴۸ ۔ ۳/۲۴۹، مواہب الرحمٰن ۵۰، ۵۱/ ۱۸)

متکبرین کی جہالت وگمراہی

۶۸ ۔ ۷۷ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ اَمْ تَسْـَٔــلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ڰ وَّهُوَ خَيْرُ

الرّٰزِقِيْنَ ۝ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝

کیا انہوں نے اس بات میں تدبر نہیں کیا۔ کیا ان کے پاس کوئی ایسی (نئی) بات پہنچی تھی جو ان کے اگلے باپ دادا کے پاس نہ پہنچی تھی۔ کیا انہوں نے اپنے رسولوں کو نہیں پہچانا تھا، اس لئے وہ ان کے منکر ہو گئے۔ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس (نبی ﷺ) کو جنون ہے؟ (ان میں سے کوئی بات بھی نہ تھی) بلکہ وہ (رسول) تو ان کے پاس حق (بات) لایا تھا۔ اور ان میں سے اکثر (لوگ) تو حق سے نفرت ہی رکھتے تھے۔ اور اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہو جاتا تو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز درہم برہم ہو جاتی، بلکہ ہم نے تو ان کو ان کی نصیحت پہنچا دی۔ پھر بھی وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑتے رہے۔ (اے نبی ﷺ) کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے۔ پس تیرے رب کی اجرت بہت بہتر ہے اور وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ یقیناً آپ تو انہیں سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہیں اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور ان کی تکلیف کو دور کر دیں تب بھی وہ بہکے ہوئے اپنی سرکشی میں لگے رہیں گے، اور البتہ ہم نے ان کو عذاب میں بھی پکڑا پھر بھی نہ تو وہ اپنے رب کے سامنے جھکے اور نہ انہوں نے عاجزی اختیار کی یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا تو وہ فوراً اس میں ناامید ہو گئے۔

خَرْجًا: آمدنی۔ معاوضہ۔ محصول۔ مال۔ جمع خَرَاجٌ۔

لَنٰكِبُوْنَ: البتہ پھر جانے والے۔ البتہ مڑ جانے والے۔ نَكْبٌ سے اسم فاعل۔

لَجُّوْا: انہوں نے اصرار کیا۔ وہ اڑے رہے۔ وہ جمے رہے۔ لَجَاجٌ ولَجَةٌ سے ماضی۔
یَعْمَھُوْنَ: وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔ وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ عَمْدٌ سے مضارع۔
اِسْتَکَانُوْا: وہ دب گئے۔ انہوں نے عاجزی کی۔ اِسْتِکَانَۃٌ سے ماضی۔
یَتَضَرَّعُوْنَ: وہ تضرع کرے ہیں۔ وہ عاجزی کرتے ہیں۔ وہ گڑگڑاتے ہیں۔ تَضَرُّعٌ سے مضارع۔
مُبْلِسُوْنَ: حیرت زدہ۔ ناامید۔ مایوس۔ اَبْلَاسٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: کیا ان لوگوں نے کلام الٰہی میں غور وفکر نہیں کیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ اور آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی روشن دلیل ہے۔ یہ سب سے اکمل واشرف اور افضل کتاب ہے۔ ان کے باپ دادا جاہلیت میں مرے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں نہ کوئی اللہ کی کتاب تھی اور نہ ان کے پاس کوئی پیغمبر آیا تھا۔ ایسے حالات میں ان کو چاہئے تھا کہ اللہ کی کتاب کی قدر کرتے اور دن رات اس پر عمل کرتے جیسا کہ ان میں سے کچھ سمجھدار لوگوں نے کیا کہ وہ مسلمان ہوگئے اور انہوں نے اپنے اعمال سے اللہ کو راضی کر لیا۔

کیا یہ لوگ محمد ﷺ کو نہیں جانتے۔ کیا ان کو آپ کی صداقت، امانت اور دیانت معلوم نہیں حالانکہ آپ ان ہی میں پیدا ہوئے، ان ہی میں پلے اور بڑے ہوئے۔ آج یہ آپ کو جھوٹا کیوں کہتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے یہ آپ کو سچا کہتے تھے اور انہوں نے آپ کو صادق وامین کے القاب دیئے تھے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو جنون ہے یا انہوں نے قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ آپ کو جنون ہے اور نہ آپ نے قرآن اپنی طرف سے گھڑا بلکہ ان کے دل ایمان سے خالی ہیں اسی لئے یہ ایسی باتیں کہتے ہیں۔ قرآن تو ایسا بے مثال کلام ہے کہ ساری دنیا اس کی نظیر سے عاجز ہے۔ آج تک کوئی تنہا آدمی یا کوئی جماعت بلکہ سارے کا فرمل کر بھی اس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل نہیں بنا سکے اور نہ قیام قیامت تک کوئی ایسا کر سکے گا۔ یہی اس کے سچ اور حق ہونے کی کافی دلیل ہے۔ یہ مشرکین ومنکرین حق سے اس لئے متنفر اور بیزار ہیں کہ وہ ان کی نفسانی خواہشوں اور طبعی آرزوؤں کے خلاف ہے۔ اگر بالفرض حق ان کی مرضی کے تابع ہو جائے تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب تباہ وبرباد ہو جائیں۔

ہم نے ان کو ایسی کوئی چیز نہیں دی جو ان کی تباہی اور بربادی، کا سبب بنے بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت کی چیز لائے ہیں مگر وہ اس سے بھی منہ موڑ رہے ہیں۔ آپ ان سے کسی معاوضے

کے طلب گار نہیں کہ یہ لوگ تاوان ادا کرنے کے ڈر سے ایمان لانے میں تامل کریں یا تبلیغ رسالت پر آپ سے اجرت چاہتے ہیں۔ ان کو جان لینا چاہئے کہ ان کی اجرت اور ان کے مال و دولت کی کوئی وقعت نہیں۔ آسمان و زمین کے خزانے اللہ کے اختیار میں ہیں۔ اس کی عطا کردہ اجرت اور معاوضہ سب سے بہتر ہے اور وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

یقیناً آپ تو ان کو سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ سیدھے راستے سے انحراف کر کے گمراہی کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ اگر ہم ان پر مہربانی کر دیتے اور ان کی قحط کی تکالیف کو دور کر دیتے، تب بھی یہ احسان مند ہونے کی بجائے سرکشی میں بڑھتے رہتے ۔ البتہ بعض اوقات ہم نے ان کو مصیبتوں اور سختیوں میں بھی پکڑا پھر بھی وہ سرکش اپنے رب کی طرف نہ جھکے اور نہ انہوں نے عاجزی اختیار کی بلکہ وہ اپنے کفر و عناد پر جمے رہے یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر ایک سخت عذاب کا دروازہ کھولا تو وہ فوراً بھلائی سے مایوس ہو گئے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸۰ ۔ ۸۲/ ۵، مواہب الرحمٰن ۵۲ ۔ ۵۸/ ۱۸)

دلائلِ قدرت

۸۳،۷۸۔ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

اور (اللہ) وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کئے (پھر بھی) تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ اور (اللہ) وہی تو ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور (قیامت کے روز) تم اس کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اور وہی رات اور دن کا بدلنے والا ہے۔ کیا تمہیں عقل نہیں؟ بلکہ انہوں نے بھی ویسی ہی بات کہی جو پہلے لوگوں نے

کہی تھی ۔ انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں
ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی ہم زندہ کئے جائیں گے البتہ یہ وعدہ (حشر کچھ
نہیں) یہ تو ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے ہی سے ہوتا چلا آیا ہے، یہ
تو محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

اَفْئِدَۃَ: دل، قلوب۔ واحد فُؤَادٌ۔

ذَرَاَکُمْ: اس نے تم کو پیدا کیا۔ اس نے تم کو پھیلایا۔ ذَرْءٌ سے ماضی۔

تُحْشَرُوْنَ: تم جمع کئے جاؤ گے۔ تم اکھٹے کئے جاؤ گے۔ حَشْرٌ سے مضارع مجہول۔

تُرَاباً: مٹی۔ خاک۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھو کہ اس نے تمہیں کان دیئے، آنکھیں دیں۔ دل دیئے اور عقل و فہم عطا کی تاکہ تم اس کی وحدانیت اور اختیار و قدرت میں فکر کر سکو اور دینی و دنیوی منافع حاصل کرو۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں یہ اعضا عطا نہ فرماتا تو تم نہ تو سن سکتے اور نہ دیکھ سکتے اور نہ سمجھ سکتے۔ ایسی عجیب و غریب نعمتیں ملنے کے باوجود تم اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے۔

پھر فرمایا کہ اس نے مخلوق کو پیدا کر کے وسیع و عریض زمین پر پھیلا دیا۔ قیامت کے روز وہ ادھر ادھر پھیلے ہوئے لوگوں کو سمیٹ کر اپنے پاس جمع کرے گا۔ اب بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور قیامت کے روز بھی وہی زندہ کرے گا۔ اس لئے کہ زندگی اور موت سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے زندگی عطا کر دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے زندگی واپس لے لیتا ہے۔ اسی کے حکم سے دن اور رات کا گھٹنا اور بڑھنا ہے اور اسی کے ارادے اور اختیار سے دن اور رات کا روشن اور تاریک ہونا ہے۔ کیا تم میں اتنی بھی عقل نہیں کہ اتنی بڑی بڑی اور واضح نشانیوں کو دیکھ کر بھی قیامت اور حشر و نشر کا انکار کرتے ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے بھی عقل و فہم سے کام نہیں لیا بلکہ وہی بات کہی جو ان سے پہلے گزشتہ اقوام کے کافروں نے کہیں تھی کہ جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ پھر کافر کہنے لگے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا سے بھی کیا جاتا رہا مگر وہ اب تک پورا نہیں ہوا۔ ہم نے آج تک کسی کو مرنے کے بعد زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ سو ان باتوں کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ تو گزشتہ لوگوں کے من گھڑت قصے ہیں۔ (مظہری ۳۹۶، ۶/۳۹۷، ابن کثیر ۳/۲۵۲)

اللہ کی حاکمیت

۸۴۔۹۰۔ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٨٧﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٨﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿٨٩﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٩٠﴾

(اے نبی ﷺ) آپ ان سے پوچھئے کہ اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ کہ) یہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ وہ فوراً کہیں گے کہ (یہ سب) اللہ کا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ پھر تم غور کیوں نہیں کرتے۔ آپ ان سے پوچھئے کہ ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟۔ وہ فوراً کہیں گے کہ (یہ سب) اللہ کا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ آپ (ان سے) پوچھئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے۔ وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ) وہ فوراً کہیں گے کہ (یہ سب) اللہ کا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ پھر تم کہاں سے سحر کئے جاتے ہو؟ بلکہ ہم نے تو ان کے پاس حق بات پہنچا دی اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔

مَلَكُوْتُ: اختیار کامل۔حقیقی حکومت۔

يُجِيْرُ: وہ حفاظت کرتا ہے۔ وہ پناہ دیتا ہے۔ اِجَارَۃٌ سے مضارع۔

تُسْحَرُوْنَ: تم سحر کئے جاتے ہو۔ سِحْرٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اے محمد ﷺ! آپ ان مشرکوں سے پوچھئے کہ یہ زمین اور جو مخلوق اس میں آباد ہے وہ کس کی ملک ہے۔ کون اس کا خالق و مالک اور اس کا بنانے والا ہے اگر تم جانتے ہو۔ وہ مجبور ہو کر اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ زمین اور اس کی تمام مخلوق اللہ ہی کی ملک ہے۔ اسی نے اس کو پیدا کیا ہے۔ جب وہ یہ اقرار کرلیں تو پھر آپ ان سے کہیے کہ جب سب کچھ اللہ ہی کا ہے تو پھر تم اس بات پر

غور کیوں نہیں کرتے کہ جس نے زمین اور اس کی تمام مخلوق کو پہلی دفعہ پیدا کیا وہ ان کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہوگا۔

اے نبی ﷺ! آپ ان سے یہ بھی پوچھئے کہ سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے۔ وہ اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ آپ ان سے کہئے کہ جب تم اقرار کرتے ہو کہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک و خالق اللہ تعالیٰ ہے تو پھر تم اس کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے اور اس کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز کیوں سمجھتے ہو۔ جس کی قدرت کی یہ شان ہو اس کے لئے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔

آپ ان سے یہ بھی پوچھئے کہ ہر چیز کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہی جس کو چاہتا ہے پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ۔ اس کے جواب میں بھی وہ یہی کہیں گے کہ یہ سب قدرت و حکمت اللہ ہی کی ہے۔ پھر آپ ان سے پوچھئے کہ جب تم ان سب باتوں کا اقرار کرتے ہو تو ان واضح دلائل کے بعد تمہاری عقلیں کہاں چلی گئیں کہ تم اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہو۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸۴، ۵/۸۵، مظہری ۹۸، ۶/۹۹)

توحید کے دلائل

۹۱، ۹۲۔ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۠

اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لئے لئے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر غالب آنا چاہتا۔ جو جو باتیں یہ بناتے ہیں اللہ ان سب سے پاک ہے۔ وہ غائب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے پس یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں وہ اس سے بالاتر ہے

تشریح: خوب سمجھ لو کہ اللہ ایک ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا حق ہے اور یہ سابقہ لوگوں کے من گھڑت قصے نہیں بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے اور یہ مشرکین یقیناً جھوٹے ہیں جو اللہ کے

لئے شریک اور اولاد ٹھیراتے ہیں حالانکہ نہ کوئی اس کا بیٹا ہے اور نہ بیٹی اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے۔ اگر بالفرض کوئی دوسرا خدا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے پاک ہے جو یہ مشرکین اس کی شان میں کرتے ہیں۔ وہ تو غیب اور حاضر سب کو جاننے والا ہے۔ کوئی ذرہ تک اس سے پوشیدہ نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے جس کو وہ اس کا شریک بتاتے ہیں۔ (معارف القرآن از مولانا ادریس کاندھلوی ۵/۸۶، مظہری ۶/۳۹۹)

دعا کی تلقین

۹۳۔۱۰۰ قُلْ رَّبِّ إِمَّا تُرِيَنِّي مَا يُوعَدُونَ ۝ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَإِنَّا عَلَىٰ أَن نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَادِرُونَ ۝ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۚ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ۝ وَقُل رَّبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ۝ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَن يَحْضُرُونِ ۝ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ۝ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ ۚ كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ۖ وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝

(اے نبی ﷺ) آپ یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب اگر تو مجھے وہ عذاب دکھا دے جس کا ان (منکروں) سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ اے میرے رب مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجئے اور یقیناً جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں ہم (اس پر) قادر ہیں (کہ وہ آپ کو بھی دکھا دیں) آپ ﷺ برائی کو ایسے برتاؤ سے دور کیجئے جو سراسر اچھا ہو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ (آپ کے بارے میں) بیان کرتے ہیں۔ اور آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے میرے رب میں اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ (شیاطین) میرے پاس آئیں۔ (وہ تو اسی حال میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے تو کہنے لگے کہ اے میرے رب مجھے (دنیا میں) پھر بھیج دے تاکہ میں اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کروں۔ ہرگز

نہیں ۔ یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہہ رہے ہیں اور ان کے پس پشت تو ایک
حجاب ہے ان کے دوبارہ زندہ ہونے کے دن تک ۔

هَمَزٰتِ: وسوسے ۔ برے خیالات ۔

وَرَائِهِمْ ان کے آگے ۔ ان کے سامنے ۔

بَرْزَخٌ : پردہ ۔ آڑ ۔ جو چیز دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اس کو برزخ کہتے ہیں ۔

تشریح: اے نبی ﷺ آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! اگر تو میری زندگی میں مجھے وہ عذاب دکھائے جس کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو مجھے اس عذاب سے محفوظ رکھنا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یقیناً ہم اس پر قادر ہیں کہ جس عذاب کا ہم ان کافروں سے وعدہ کر رہے ہیں وہ آپ کو آپ کی زندگی میں دکھا دیں لیکن جب تک ان پر عذاب نہ آئے اس وقت تک آپ ان کی بدی اور برائی کا بہت اچھے طریقے سے مقابلہ کیجئے یعنی برائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کیجئے اور ان کی ایذا کو صبر و تحمل سے برداشت کیجئے ۔ ہم خوب جانتے ہیں وہ بیہودہ باتیں جو یہ لوگ آپ کے بارے میں کہتے ہیں ۔

پھر فرمایا کہ شیطان کے ضرر سے بچنے کے لئے آپ یہ دعا کریں کہ اے میرے رب میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ لیتا ہوں اور اس بات سے بھی کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے کوئی نقصان پہنچائیں ۔

کافر اسی طرح اپنے کفر و عناد پر قائم رہیں گے یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجاتی ہے تو اس وقت وہ نادم ہو کر کہتا ہے کہ اے میرے رب ! مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ میں وہاں جا کر نیک کام کروں ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے ۔ اگر بالفرض اس کو دنیا میں واپس بھیج بھی دیا جائے تب بھی وہ وہی کرے گا جو اب تک کرتا رہا ۔

اس کے بعد ایک عالم برزخ ہے جو عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ایک آڑ ہے ۔ برزخ میں پہنچ کر ان پر عذاب شروع ہوگا ۔ جو آخرت کے عذاب کا ایک نمونہ ہوگا اور برزخ کا عذاب قیامت تک جاری رہے گا ۔

(مواہب الرحمٰن ۱۸/۶۸،۳،۷ ، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۔ ۵/۸۹،۸۸) ۔

قیامت کا احوال

۱۰۱، ۱۰۴۔ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ۝ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۝ تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ۝

پھر جب پھونکا جائے گا تو اس (قیامت کے روز) نہ تو آپس کے رشتے رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ پھر جن کا وزنِ (اعمال) بھاری ہوگا تو وہی فلاح پانے والے ہوں گے۔ اور جن کا وزنِ (اعمال) ہلکا ہوگا تو وہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے خود اپنا نقصان کیا۔ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ان کے چہروں کو آگ جھلستی رہے گی اور وہ اس میں بدشکل ہو رہے ہوں گے۔

نُفِخَ : وہ پھونکا گیا۔ نَفْخٌ سے ماضی مجہول۔

اَلصُّوْرِ : صور۔ سینگ۔

ثَقُلَتْ : وہ بھاری ہوئی۔ ثِقلٌ سے ماضی۔

تَلْفَحُ : وہ جلا دے گا۔ وہ جھلس دے گا۔ لَفْحٌ سے مضارع۔

کٰلِحُوْنَ : بدشکل و بدوضع لوگ۔ منہ بسورنے والے۔ کَلَاحٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: عالم برزخ کے بعد جب قیامت قائم ہوگی اور دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو مردے قبروں سے نکل کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے، اس دن لوگوں کے درمیان کسی قسم کا رشتہ باقی نہیں رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے۔ نہ باپ کو اولاد پر شفقت ہوگی اور نہ اولاد کو باپ کا غم ہوگا۔ عجیب نفسانفسی کا عالم ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ

(سورۃ عبس آیات ۳۴، ۳۶)

اس دن آدمی اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے بھاگتا پھرے گا۔

عطا کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ یہاں نفخہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔

ابن المنذر، ابن المبارک، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابونعیم اور ابن عساکر نے ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا کہ جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ اگلوں اور پچھلوں کو جمع کرے گا۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں ہے۔ پس جس کسی کا کوئی حق اس کی طرف ہو تو وہ اپنا حق لینے آجائے، اس وقت جس شخص کا اپنے باپ یا بیٹے یا بھائی پر کوئی حق ہوگا اور اگر چہ وہ تھوڑا سا ہو تو وہ خوش ہوگا۔ اس کے بعد ابن مسعود نے آیت فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ ...... پڑھی۔

قیامت کے روز میزان (ترازو) قائم کی جائے گی۔ وزن کی کیفیت اور اس کی تفصیل میں علما کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ بندے کو اعمال سمیت تولا جائے گا۔ مومن کا وزن اس کی نیکیوں کے موافق ہوگا اور کافر کا کوئی وزن ہی نہیں نکلے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اعمال نامے تولے جائیں گے۔ سو جن کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہی کامیاب ہوں گے۔ یہی اہل ایمان کا گروہ ہوگا۔ اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا جیسے کفار و مشرکین تو یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں رکھا کیونکہ یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ان کے چہروں کو جہنم کی آگ جھلس کر رکھ دے گی اور وہ اس میں نہایت بدشکل ہوں گے۔

ابن مردویہ اور ضیا نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے آیت تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو آگ کی ایک لپٹ لگے گی تو ان کے گوشت بہہ کر ایڑیوں پر جا گریں گے۔

طبرانی نے الاوسط میں اور ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا جب دوزخیوں کو جہنم کی طرف ہنکا کر لے جایا جائے گا تو ان کو آگ کی ایک ایسی لپٹ لگے گی کہ وہ ہڈیوں پر گوشت لگا ہوا نہ چھوڑے گی۔ سارا گوشت (بہا کر) ایڑیوں پر ڈال دے گی۔

مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس امت کے کچھ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور ان کو آگ جلائے گی لیکن ان کے چہروں کے گھیرے کو نہیں جلائے گی، پھر کچھ مدت کے بعد ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

(روح المعانی ۶۴ ۔ ۶۷ / ۱۸، مظہری ۴۰۲ سے ۶/۴۰۷)

کفار کا اعتراف گناہ

۱۰۵،۱۰۷ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ۝ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝

کیا تم پر میری آیتیں تلاوت نہیں کی جاتی تھیں ۔ پھر بھی تم ان کو جھٹلاتے تھے ۔ وہ کہیں گے ۔ اے ہمارے رب ہم پر ہماری شقاوت غالب تھی ۔ واقعی ہم لوگ گمراہی میں پڑے ہوئے تھے ۔ اے ہمارے رب ہمیں اس (آگ) سے نجات دے ۔ اگر پھر بھی ایسا کریں تو بیشک ہم ظالم ہیں ۔

تشریح: قیامت کے روز جب کافروں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور آگ سے ان کے چہرے جھلس جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ کیا دنیا میں تمہیں میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں مگر تم تو ان کو جھٹلاتے ہی رہے اور ان کا مذاق اڑاتے رہے اور کہتے رہے کہ یہ تو گزشتہ زمانے کے لوگوں کے من گھڑت قصے کہانیاں ہیں ۔ تم تو یہ مانتے ہی نہ تھے کہ مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اعمال کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی ۔ پس تم اپنے اسی کفر و انکار اور تکذیب و استہزا کی بنا پر اس عذاب کے مستحق بنے ۔ یہ سن کر کافر کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہماری بدبختی نے ہم پر قابو پا لیا تھا ۔ ہم راہ حق سے بھٹکے ہوئے تھے کہ تیرے پیغمبروں پر ایمان نہ لائے ۔ سو اب تو ہمیں اس آگ سے نکال دے اور ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دے ۔ اگر ہم دنیا میں واپس جا کر کفر و تکذیب کریں تو بیشک ہم ظالم ہوں گے اور سزا کے مستحق ہوں گے ۔ اس وقت عذاب سے رہائی نہ دینا ۔

کفار کو اللہ کا جواب

۱۰۸۔۱۱۱، قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

(اللہ تعالیٰ) فرمائے گا اس (دوزخ) میں پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات (بھی) نہ کرو۔ بیشک میرے بندوں میں سے ایک گروہ ایسا بھی تھا جو دعا کیا کرتا تھا کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے سو تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ لیکن (اے کافرو) تم ان کا مذاق ہی اڑاتے رہے یہاں تک کہ (اس تمسخر میں) تم نے میری یاد بھی بھلا دی اور تم ان کی ہنسی ہی اڑاتے رہے۔ بیشک آج میں نے ان کو ان کے صبر کا بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہوئے۔

اِخْسَئُوْا: تم راندے ہوئے رہو۔ تم پھٹکارے ہوئے رہو۔

اِتَّخَذْتُمُوْهُمْ: تم نے ان کو اختیار کیا۔ اِتِّخَاذٌ سے ماضی۔

تَضْحَكُوْنَ: تم ہنسی اڑاتے ہو۔ ضِحْكٌ سے مضارع۔

فَائِزُوْنَ: مقصد حاصل کرنے والے۔ کامیاب ہونے والے۔ فَوْزٌ سے اسم فعل۔

تشریح: کافر جب جہنم سے نکلنے کی آرزو کریں گے تو ان کو جواب دیا جائے گا کہ اب تم اسی جہنم میں ذلت اور رسوائی کے ساتھ پڑے رہو۔ اور عذاب دور کرنے کے بارے میں مجھ سے بات بھی نہ کرو۔ اس جواب کے بعد ان کی تمام امیدیں ٹوٹ جائیں گی اور وہ ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جائیں گے۔ حسن نے کہا کہ یہ دوزخیوں سے آخری کلام ہوگا اس کے بعد وہ کلام نہ کر سکیں گے سوائے دم گھٹنے اور آہیں بھرنے کے اور کوئی بات نہ کر سکیں گے وہ کتوں کی طرح بھونکیں گے۔ نہ خود بات سمجھیں گے اور نہ اپنی بات سمجھا سکیں گے۔ قرطبی نے کہا جب ان سے اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ کہہ دیا جائے گا تو ان کی ساری امیدیں ختم ہو جائیں گی وہ بالکل مایوس ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے بھونکیں گے۔ اس وقت دوزخ اوپر سے بند کر دی جائے گی اور وہ وہیں سڑتے رہیں گے۔

پھر ان کو شرمندہ اور پشیمان کرنے کے لئے ان کا ایک زبردست گناہ پیش کیا جائے گا کہ بیشک میرے بندوں میں سے اہل ایمان کا ایک گروہ تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں سو تو ہماری مغفرت فرما دے اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ لیکن تم ان کا مذاق اڑاتے تھے اور ان کے بغض میں اللہ کو بھلا بیٹھے تھے اور ان کی

عبادتوں اور دعاؤں پر ہنستے تھے۔ اہل ایمان نے تمہارے تمسخر پر صبر کیا سو آج میں نے اپنے مومن بندوں کو ان کے صبر کا بدلہ دے دیا اور وہ نجات و فلاح پا چکے۔

(ابن کثیر ۳/۲۵۸، مظہری ۴۰۷-۴۰۹/۶، روح المعانی ۶۸-۶۹/۱۸)

دنیا کی زندگی کی حقیقت

۱۱۲-۱۱۴۔ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ گنتی کے اعتبار سے تم زمین پر کتنے برس رہے وہ کہیں گے کہ ایک دن یا اس کا کچھ حصہ۔ پس تو گنتی کرنے والوں (فرشتوں) سے پوچھ لے۔ اللہ فرمائے گا (واقعی) تم دنیا میں بہت کم رہے کاش یہ بات تم (دنیا میں) جان لیتے۔

لَبِثْتُمْ: تم رہے۔ تم ٹھہرے۔ لَبْث سے ماضی۔

اَلْعَادِّيْنَ: شمار کرنے والے۔ گننے والے۔ عَدٌّ سے اسم فاعل۔

تشریح: قیامت کے روز کافروں سے ملامت کے طور پر پوچھا جائے گا تا کہ اُن کی ذلت و حسرت میں اضافہ ہو کہ تم تو یہ کہتے تھے کہ دنیا ہمیشہ رہے گی اور کبھی فنا نہ ہوگی اور جو لوگ دنیا کو فانی بتاتے تھے تو تم ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ سو اب بتاؤ کہ برسوں کے اعتبار سے تم دنیا میں کتنے برس زندہ رہے۔ جواب میں کافر کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں ایک دن یا اس سے کم رہے۔ ہمیں تو اچھی طرح یاد نہیں سو آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ واقعی تم دنیا میں بہت تھوڑا عرصہ رہے کیونکہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی بہت قلیل ہے، کاش تم اس بات کو جانتے اور دنیا کی فانی زندگی کو آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی پر ترجیح نہ دیتے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ جنتیوں سے پوچھے گا کہ تم دنیا میں کتنی مدت رہے وہ کہیں گے کہ یہی کوئی ایک آدھ دن۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ پھر تو تم بہت اچھے رہے کہ اتنی سی دیر کی نیکیوں کے بدلے میں

میری رحمت، رضا مندی اور جنت حاصل کر لی جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ پھر جہنمیوں سے پوچھے گا کہ تم دنیا میں کتنی مدت رہے وہ کہیں گے کہ یہی کوئی ایک آدھ دن، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ پھر تو تم نے بہت ہی نقصان والی تجارت کی کہ اتنی سی مدت میں تم نے میری ناراضگی، غصہ اور جہنم کو خرید لیا جہاں تم ہمیشہ پڑے رہو گے۔ (ابن کثیر ۲۵۸، ۳/۲۵۹)

کافروں کا باطل گمان

۱۱۵۔۱۱۸، اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا اور تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے۔ سو اللہ ہی بہت بلند اور حقیقی بادشاہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بزرگ عرش کا مالک ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارا (اور) اس کے پاس اس کی دلیل بھی نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے ہاں ہوگا۔ بیشک کافر فلاح نہ پائیں گے۔ اور (اے نبی) آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب تو بخش دے اور تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

تشریح: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں یونہی بے کار اور بے مقصد پیدا کر دیا گیا؟ تمہاری پیدائش میں کوئی حکمت و مصلحت نہیں۔ بس یونہی کھیل تماشے کے لئے تمہیں دنیا میں بھیج دیا گیا ہے۔ کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ مرنے کے بعد تم ہمارے پاس نہیں آؤ گے اور تمہیں اچھے اور برے اعمال کا بدلہ نہیں ملے گا۔ تمہارے یہ دونوں خیال غلط ہیں۔ تمہیں تو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ تم اپنے خالق و مالک اور اپنے رب کو پہچانو۔ اس کی عبادت کرو، اسکے فرمان بردار بنو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو حساب و کتاب اور اعمال کی جزا و سزا کے لئے قیامت کے روز تمہیں ضرور اس کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند و برتر ہے کہ وہ کوئی عبث کام کرے۔ وہ حقیقی بادشاہ ہے۔ وہ سلطنت کے وفاداروں کو انعام اور باغیوں اور مجرموں سزا دیتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بزرگی

والے عرش کا مالک ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے جس کے معبود ہونے کی اس کی پاس کوئی دلیل نہیں تو اللہ کے ہاں ایسے مشرک کا حساب وکتاب ضرور ہوگا۔ اور اس کو اس کی سزا ضرور ملے گی۔ یقیناً کافر فلاح نہیں پائیں گے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

اے نبی ﷺ! آپ یہ دعا مانگا کریں۔ اے میرے رب! تو میری تمام خطاؤں کو معاف فرمادے اور میرے حال پر اپنی خاص رحمت فرما اور تو ہی سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ایک مجنون کو حضرت ابن مسعود کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اس کے دونوں کانوں میں آیت **اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ** پڑھ کر دم کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اچھا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم نے اس کے کانوں میں کیا دم کیا۔ حضرت ابن مسعود نے واقعہ عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو پڑھ کر پہاڑ پر دم کر دے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے۔　(مظہری ۴۱۰-۴۱۲/۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورۃ النوؒر

وجہ تسمیہ: اس سورت میں حد سے گزرنے والوں کی سزا کا بیان ہے اور یہ بتایا گیا کہ جب بندہ عفت کی حد سے نکل جاتا ہے تو اس کے دل سے نور نکل جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان (کا نور) نکل جاتا ہے۔ اس لئے اس سورت کا کا نام سورۂ نور ہو گیا کہ عفت و پاک دامنی سے نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ اسی نور سے آدمی میں دنیا سے نفرت اور آخرت سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ قیامت کے دن یہی نور ایمانی پل صراط پر اس کی رہنمائی کرے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۹۳،۹۴/۵)

تعارف: اس میں نو رکوع چونسٹھ آیتیں ۱۱۴۲ کلمات اور ۶۷۴۱ حروف ہیں۔

ابن مردویہ نے ابن عباس اور ابن الزبیر سے روایت کی کہ یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اس کی ایک آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَسْتَاْذِنْکُمْ ...... الخ مکی ہے۔ اس میں زیادہ تر عفت و پاک دامنی اور ستر و نظر کے احکام کا بیان ہے۔

حضرت عمر نے اپنے دورِ خلافت میں اہلِ کوفہ کے نام یہ فرمان جاری کیا تھا۔

تم اپنی عورتوں کو، النساء، احزاب اور نور سکھاؤ (تاکہ عورتوں کو معلوم ہو جائے عفت و پاک دامنی نور ہے اور بدکاری ظلمت و تاریکی ہے)۔

بیہقی، حاکم اور ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی عنہما کی مرفوع روایت بیان کی کہ عورتوں کو بالا خانوں میں اتارو اور نہ ان کو لکھنا سکھاؤ۔ ان کو سورۃ نور سکھاؤ اور ان کو سوت کا تنا سکھاؤ۔

سوت کاتنے سے مراد یہ ہے کے ان کوایسا کام سکھاؤ جوان کے لائق ہو جیسے سینا پرونا۔ اور کاڑھناوغیرہ اور ایسا کام نہ سکھاؤ جس میں معاصی ہو جیسے کپڑوں پرتصویریں کاڑھناوغیرہ۔
مجاہد نے بیہقی اور ابن المنذر کی یہ مرفوع روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے مردوں کوسورۂ مائدہ سکھاؤ اور اپنی عورتوں کوسورۃ نور سکھاؤ۔
(روح المعانی ۱۸/۸۴، مواہب الرحمٰن ۱۸/۵۸)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: زنا کی سزا، زانی، زانیہ کے نکاح کا بیان ہے۔ پھر پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا اور بیوی پر تہمت یا لعان کا حکم مذکور ہے۔

رکوع ۲: واقعہ افک، مومنوں کونصیحت اور بے حیائی پھیلانے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: شیطان کی پیروی کی ممانعت، تہمت لگانے والوں کا انجام اور بدکار مردوں اور عورتوں کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۴: غیر گھر میں بلا اجازت داخل ہونے کی ممانعت۔ اجازت سے مستثنیٰ مکان اور نظریں نیچی رکھنے حکم بیان کیا گیا ہے۔ پھر ستر کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ آخر میں افلاس کی بنا پر نکاح ترک کرنے کی ممانعت۔ مکاتبت اور اعانت مملوک کا بیان ہے۔

رکوع ۵: زمین وآسمان کا نور، صبح وشام اللہ کی تسبیح کرنے والوں کو ذکر پھر کافروں کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

رکوع ۶: کائنات کی تسبیح، اولوں کے پہاڑ، مظاہر قدرت اور منافقین کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۷: مومنین مخلصین کا حال اور منافقوں کی قسموں کا بیان۔ پھر مومنوں سے خلافت ارضی کا وعدہ اور کفار کے ٹھکانے کا بیان ہے۔

رکوع ۸: گھر میں اجازت لے کے داخل ہونا اور معذوروں کے احکام کا بیان ہے۔

رکوع ۹: مجلس نبوی کے آداب اور آپ کا خاص ادب بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کے علم کامل کا بیان ہے۔

زنا کی سزا

۱۔۲، سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِیْهَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

(یہ) ایک سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا اور (اس کے احکام) ہم ہی نے فرض کئے ہیں اور ہم ہی نے اس میں کھلی کھلی آیتیں نازل کی ہیں تا کہ تم یاد رکھو۔ زنا کار عورت اور مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور اللہ کا حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر ترس نہیں آنا چاہئے، اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ اور چاہئے کہ ان دونوں کے عذاب کو مسلمانوں کی ایک جماعت دیکھے۔

اِجْلِدُوْا: تم کوڑے مارو۔ جَلْدٌ سے امر۔

رَاْفَةٌ: رحم کرنا۔ ترس کھانا۔ نرمی کرنا۔ مصدر ہے۔

طَائِفَةٌ: گروہ۔ جماعت۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سورت ہم نے نازل کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے نہیں گھڑی، جو احکام ہم نے بذریعہ وحی بھیجے ہیں ان پر عمل کرنا ہم نے تمہارے لئے لازمی کر دیا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ فَرَضْنٰهَا کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اس کے اندر کھلے کھلے اور صاف صاف احکام بیان کئے ہیں تا کہ تم نصیحت وعبرت حاصل کرو اور احکام خدا کو یاد رکھو اور پھر ان پر عمل کرو۔

قرآن کریم اور احادیث متواترہ نے چار جرائم کی سزا اور اس کا طریقہ خود متعین کر دیا ہے۔ کسی قاضی یا امیر کی رائے پر نہیں چھوڑا۔ ان مقررہ سزاؤں کو شرعی اصطلاح میں ''حدود'' کہتے ہیں۔ شرعی حدود چار ہیں، ۱۔ چوری، ۲۔ کسی پاک دامن عورت پر تہمت لگانا، ۳۔ شراب پینا، ۴۔ زنا کرنا، ان کے علاوہ باقی جرائم کی سزا، امیر یا قاضی، مجرم کی حالت اور جرم کی نوعیت اور ماحول وغیرہ پر نظر کر کے جس قدر سزا کو انسداد جرم کے لئے کافی سمجھے وہ دے سکتا ہے۔ ایسی سزاؤں کو شریعت کی

اصطلاح میں تعزیرات کہتے ہیں۔

شراب کی حرمت کی طرح زنا کی سزا کے احکام بھی بتدریج آئے ہیں۔اس بارے میں سب سے پہلے سورۂ النساء کی آیات ۱۵اور ۱۶ نازل ہوئیں۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ○ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا○

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں، تو ان پر اپنے لوگوں میں سے چار (معتبر) گواہ لاؤ۔ پھر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھر میں بند رکھو یہاں تک کہ وہ مر جائیں یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راستہ نکالے اور تم میں سے جو دو مرد بدکاری کریں تو ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنی حالت کی اصلاح کرلیں تو اِن سے کچھ تعرض نہ کرو۔ بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

ان آیتوں میں ایک تو زنا کے ثبوت کے لئے چار مردوں کے شہادت کا ہونا ضروری قرار دیا گیا۔ دوسرے زنا کی سزا میں عورت کو تو گھر میں قید رکھنا اور بدکاری کرنے والے دونوں مردوں کو ایذا دینا مذکور ہے۔

پھر یہ حکم بدل گیا اور سورۃ نور کی مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورۂ نساء میں جو وعدہ کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی سبیل بتادے گا تو سورۂ نور کی آیت نے وہ سبیل بتادی۔

احادیث صریحہ متواترہ اور خلفائے راشدین اور صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے کہ اگر غیر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو اس کو لوگوں کے سامنے سو کوڑے مارو تا کہ لوگوں کو عبرت و نصیحت ہو۔ اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو حکم الٰہی کو پوری طرح جاری کرو اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں تمہیں ان دونوں پر رحم اور ترس نہیں آنا چاہئے۔ دنیا کی سزا آخرت کی سزا سے آسان ہے۔ یہ سزا آزاد، عاقل اور بالغ غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کی ہے اور شادی شدہ لوگوں کی سزا سنگساری

ہے۔ جو مرد یا عورت آزاد نہ ہو اس کی سزا پچاس کوڑے ہے اور جو عاقل یا بالغ نہ ہو وہ مکلّف ہی نہیں۔

اس آیت میں لفظ فاجلدوا آیا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ کوڑا صرف بدن کی جلد پر مارو۔ ایسا نہ مارو جو کھال کو ادھیڑ کر گوشت تک پہنچ جائے۔ اسی لئے فقہا نے فرمایا کہ ایسے درمیانے کوڑے سے مارا جائے جس کے سرے پر گھنڈی (گانٹھ) نہ ہو اور ضرب بھی درمیانے درجے کی ماری جائے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۳۴۱۔۶/۳۵۰)

حضرت ابوعبیدہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ مجھ سے لے لو مجھ سے لے لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے وہ راستہ (جس کا وعدہ سورۂ نسا کی آیت ۱۵ میں ہوا تھا اب سورہ نور میں) نکال دیا کہ کنوارا کنواری کے ساتھ (زنا کرے) تو سو کوڑے اور سال بھر کی جلاوطنی اور شادی شدہ شادی شدہ کے ساتھ (زنا کرے) تو سو کوڑے اور سنگساری کی سزا ہے۔
(مسلم ۳/۱۰۳ رقم حدیث ۱۶۹۰، ابن ماجہ ۲/۳۸۲ رقم ۲۵۵۰، ترمذی ۳/۱۲۲ رقم ۱۴۳۹، ابوداود ۴/۱۳۵ رقم ۴۴۱۵، مسند احمد ۶/۴۳۸ رقم ۲۲۲۲۸)

زانی اور زانیہ کا نکاح

۳۔ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ۫ وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳﴾

زانی مرد تو (فطرتاً) بجز زانیہ یا مشرکہ کے کسی اور سے نکاح نہیں کرتا اور زانیہ عورت (بھی فطرتاً) زانی یا مشرک مرد ہی سے نکاح کرتی ہے اور مومنوں پر تو یہ (زنا) حرام کر دیا گیا۔

شانِ نزول: ابوداود، ترمذی، نسائی اور حاکم نے عمرو بن شعیب کی روایت سے بیان کیا کہ مرثد نام کا ایک آدمی تھا جو مکہ سے قیدیوں کو سوار کر کے لا رہا تھا تا کہ ان کو مدینے پہنچا دے۔ مکہ میں ایک عورت اس کی دوست تھی جس کا نام عناق تھا۔ مرثد نے رسول اللہ ﷺ سے عناق کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اس وقت اس کو جواب نہیں دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ نزول آیت کے بعد آپ نے مرثد کے سامنے یہ آیت وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ تک تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ تم اس سے نکاح نہ کرو۔

نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ ایک عورت تھی جس کو ام مہزول کہا جاتا تھا وہ پیشہ ور بدکار عورت تھی۔ کسی صحابی نے اس سے نکاح کرنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

سعید بن منصور نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے کہ جس وقت اللہ نے زنا کو حرام کر دیا۔ اس زمانے میں کچھ زنا کار عورتیں تھیں جو خوبصورت تھیں۔ کچھ لوگوں نے ان سے نکاح کا ارادہ کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶/۴۴۲)

تشریح: جو مرد یا عورت اس خبیث عادت میں مبتلا ہوں حقیقت میں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ وہ کسی پاک دامن مسلمان مرد یا عورت سے ازدواجی تعلقات قائم کریں۔ ایسے بدکار مردوں اور عورتوں کو تو بدکار یا مشرک مرد اور عورتوں ہی سے نکاح کرنا چاہئے۔ سو زانی مرد یا عورت سے نکاح کرنا پاک باز مردوں اور عورتوں پر حرام کر دیا گیا ہے۔

اس آیت میں زانی اور زانیہ سے مراد وہ ہیں جو زنا سے توبہ نہ کریں اور اپنی اس بری عادت پر قائم رہیں۔ اگر کوئی زانی کسی پاک دامن عورت سے نکاح کرلے یا کوئی زانیہ کسی نیک مرد سے نکاح کرلے تو شرعاً یہ نکاح درست ہو جائے گا۔ جمہور فقہائے امت، امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۶/۳۵۱۔۳۵۲)

حدِ قذف یا زنا کی تہمت

۴،۵۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں پھر وہ چار گواہ نہ لا سکیں تو ان کو اسی اسی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ اور یہی لوگ فاسق ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں۔ تو بیشک اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔

يَرْمُوْنَ : وہ تہمت لگاتے ہیں۔ وہ عیب لگاتے ہیں۔

الْمُحْصَنٰتِ : پاک دامن عورتیں۔ شوہر والی عورتیں۔ مسلمان عورتیں۔ اِحْصَانٌ سے اسم مفعول۔

ثَمٰنِيْنَ: اسّی۔

تشریح: جو لوگ کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائیں اور زنا کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی کوڑے لگائے جائیں اور آئندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کی جائے کیونکہ اب وہ عادل نہیں بلکہ فاسق سمجھے جائیں گے۔ اللہ کے نزدیک یہی لوگ فاسق ہیں کیونکہ انہوں نے ایک پاک دامن کو بے عزت اور رسوا کیا اور بلا ثبوت اس پر زنا کی تہمت لگائی۔ البتہ جن لوگوں نے تہمت لگانے کے بعد توبہ کر لی اور اپنی حالت کی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ، تو اپنا حق معاف کر دیتا ہے کہ اب اس کو فاسق نہیں کہا جائے گا مگر بندے کا حق یعنی حد معاف نہیں ہوتی۔ اسلئے توبہ کرنے سے تہمت لگانے کا گناہ تو معاف ہو جائے گا مگر حد ساقط نہ ہوگی۔ پس کسی پاک دامن عورت پر بلا ثبوت تہمت لگانے کی سزا میں اس کو اسّی کوڑے لگائے جائیں گے یہ اس جرم کی دنیوی سزا ہے۔ جس کا مقصد دوسروں کو عبرت دلانا ہے۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا کا استثنا دونوں جملوں کے لئے ہے کہ توبہ کرنے سے اس کی گواہی بھی قبول ہوگی اور فاسق کا حکم بھی اس سے دور ہو جائے گا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک استثنا کا تعلق صرف آخری جملے سے ہے اس لئے توبہ کرنے سے اس کا فسق تو دور ہو جائے گا مگر اس کی شہادت ہمیشہ کے لئے مردود رہے گی۔ سفیان ثوری کا بھی یہی مذہب ہے۔

عربی قواعد کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اگر تین جملوں کے بعد کوئی استثنا آئے تو اس کا تعلق یا تو تینوں جملوں کے ساتھ ہوگا یا آخری جملے کے ساتھ۔ یہاں اس استثنا کا تعلق پہلے جملے سے نہیں ہو سکتا اس لئے کہ توبہ کر لینے سے بالاجماع حد ساقط نہیں ہوتی۔ پس استثنا کا تعلق آخری جملے سے ہے جو اس کے قریب اور متصل ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۰۱، ۵/۱۰۲)

بیوی پر تہمت یا لعان کا حکم

۶۔۱۰۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ

اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ۝

اور جولوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں اوران کے پاس خود اپنی ذات کے سوا کوئی اور گواہ نہ ہوتو ایسے شخص کی گواہی کی صورت یہ ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بیشک وہ سچا ہے اور پانچویں بار وہ یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو۔ اور عورت سے (زنا کی) سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ بھی چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بیشک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ بیشک اس (مجھ) پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ (اس کا خاوند) سچا ہے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور (یہ بات نہ ہوتی) کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا (اور) حکمت والا ہے (تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے)۔

یَدْرَءُ :　وہ دفع کرتا ہے۔ وہ ٹالتا ہے۔ دَرْءٌ سے مضارع۔

تشریح: لعان اور ملاعنت کے معنی ایک دوسرے پر لعنت اور غضبِ الٰہی کی بددعا کرنے کے ہیں۔ جولوگ اپنی بیوں پر زنا کی تہمت لگائیں اوران کے پاس اپنی ذات کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں تو ان دونوں میں لعان کرایا جائے گا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مرد سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ شہادت دے کہ بلاشبہ وہ اس الزام میں سچا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس لعان سے مرد سے حدقذف ساقط ہو جائے گی۔ اگر وہ یہ الفاظ نہ کہے تو اس کو قید کر دیا جائے گا۔ اب یا تو وہ اپنے جھوٹا ہونے کا اقرار کرے، یا مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ قسم کھائے۔ جب تک وہ ان دونوں میں سے کوئی ایک کام نہ کرے اس وقت تک اس کو قید رکھا جائے۔ اگر وہ اپنے جھوٹا ہونے کا اقرار کر لے تو اس پر حدقذف جاری ہوگی۔

اگر وہ مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ قسم کھالے تو پھر اس کے بعد عورت سے ان الفاظ میں پانچ قسمیں لی جائیں گی جو قرآن میں عورت کے لئے مذکور ہیں یعنی عورت کا لعان یہ ہے کہ وہ بھی اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ گواہی دے کہ بیشک اس کا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر میرا خاوند سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔ مرد اور عورت کے اس طرح کہنے کو لعان کہتے ہیں۔ اگر وہ عورت پانچ

قسمیں کھانے سے انکار کرے تو اس کو بھی قید رکھا جائے یہاں تک کہ وہ یا تو شوہر کی تصدیق کرے اور اپنے جرم کا اقرار کرے یا پھر مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ قسمیں کھائے۔

اگر عورت اپنے جرم کا اقرار کرلے تو اس پر حد زنا جاری کی جائے گی۔ اس کے برعکس اگر وہ پانچ قسمیں کھالے تو اب لعان پورا ہوگیا اس کے نتیجے میں دونوں دنیا کی سزا سے بچ گئے۔ رہا آخرت کا معاملہ تو اللہ خوب جانتا ہے کہ ان میں سے کون جھوٹا ہے اور جھوٹے کو آخرت میں سزا ملے گی۔ لعان کے بعد دنیا میں بھی دونوں میاں بیوی ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں۔ اس لئے شوہر کو چاہئے کہ اس کو طلاق دیکر آزاد کردے۔ اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم دونوں میں تفریق کرسکتا ہے۔ جو طلاق کے حکم میں ہوگی۔　　(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶/۳۵۷، ابن کثیر ۳/۲۶۵)

پھر فرمایا کہ اگر تم پر اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو تمہارے لئے ایسی آسانی نہ فرماتا جیسی اس نے لعان کا حکم نازل کر کے فرمائی، یہ اس کا فضل وکرم ہے کہ اس نے لعان کا حکم نازل کر کے مرد سے قذف کی حد کو اور عورت سے زنا کی حد کو ساقط کردیا۔ یقیناً اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ خواہ کیسا ہی گناہ ہو اور کسی وقت بھی توبہ کی جائے۔

واقعۂ افک

۱۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

بیشک جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے وہ بھی تم ہی میں سے ایک گروہ ہے تم اس (واقعے) کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ ان میں سے ہر مرد کو اس کے عمل کے بقدر گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس میں بڑا حصہ لیا اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔

اِفْک: جھوٹ۔ بہتان۔

عُصْبَةٌ: جماعت (دس سے چالیس افراد تک)۔ گروہ۔

تشریح: اس آیت سمیت اگلی دس آیتیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برات میں نازل

ہوئی ہیں ۔منافقین نے حضرت عائشہ پر بہتان باندھا تھا۔اس مردود کام میں منافقوں کا گرو گھنٹال عبد اللہ بن ابی بن سلول پیش پیش تھا۔اس کے ساتھ منافقوں کی ایک جماعت تھی ۔ان سب نے مل کر خوب باتیں بنائیں ۔اس سارے معاملے میں اصل فتنہ پرداز تو منافق ہی تھے لیکن بعض سیدھے سادے مسلمان بھی سنی سنائی باتوں کا تذکرہ کرنے لگے۔ان مسلمانوں میں حضرت حسان بن ثابت، مِسْطَحْ اور حِمْنَۃ بنت جحش بھی تھے۔حمنہ بنت جحش ام المؤمنین، زینب بنت جحش کی بہن تھیں۔

بخاری وغیرہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ (ام المؤمنین حضرت) زینب بنت جحش کو اللہ نے ان کی دینداری کی وجہ سے (اس تہمت تراشی سے) بچائے رکھا۔انہوں نے کلمۂ خیر کے سوا اور کچھ نہیں کہا لیکن ان کی بہن حِمْنَۃ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوگئی۔ یعنی تہمت تراشی کرنے والوں کی ہمنوا بن گئی۔ (مظہری ۴۷۳/۶)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اس بہتان کو بنا کر لائے وہ تم ہی میں سے ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔تمام اہل اسلام اس خبر سے بہت رنجیدہ اور ملول تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا۔اے مسلمانو! تم اس بہتان کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو اگرچہ بظاہر یہ برا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں برا نہیں بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ کی برات میں، اہل ایمان کی مدح اور منافقوں کی فضیحت و مذمت میں اٹھارہ آیتیں نازل کیں۔ یہ آیتیں قیامت تک اہل علم کے سینوں میں محفوظ رہیں گی اور لوگ ان کی تلاوت کرتے رہیں گے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۰۸/۵)

پھر فرمایا کہ ان میں سے ہر شخص کو اسی قدر سزا ملے گی جس قدر اس نے اس فتنے میں حصہ لیا۔ اس لئے کہ بعض لوگ اس خبر کو سن کر ہنستے تھے، بعض نے اپنی زبان سے اس کو آگے پھیلایا۔بعض سن کر خاموش رہے مگر کہنے والوں کو منع نہیں کیا۔غرض جس نے جتنا گناہ کیا اس کو اتنی ہی سزا ملے گی البتہ جس شخص نے اس میں نمایاں حصہ لیا اس کے لئے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔ یہاں نمایاں حصہ لینے والے سے مراد عبداللہ بن ابی منافق ہے۔وہ دنیا کی ذلت کے علاوہ آخرت میں بھی ذلیل وخوار ہوگا۔

واقعے کی حقیقت

واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ۶ھ میں غزوۂ بنی مصطلق سے واپس مدینے تشریف لا رہے

تھے ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں ۔ ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا۔ معمول یہ تھا کہ پردہ لٹکا کر وہ ہودہ میں بیٹھ جاتیں ۔ جمال ہودے کو اونٹ پر باندھ دیتے تھے ۔ ایک منزل پر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ شب کے آخری حصے میں اعلان کیا گیا کہ قافلہ روانہ ہونے والا ہے تاکہ لوگ اپنی اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر تیار ہو جائیں ۔ حضرت عائشہ کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی تو وہ قافلے سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا اس کی تلاش میں دیر لگ گئی ۔ ادھر قافلہ روانہ ہو گیا۔ قافلہ کی روانگی سے پہلے حسب عادت جب جمال اونٹ پر ہودہ باندھنے آئے تو اس کے پردہ لٹکے ہوئے دیکھ کر ان کو گمان ہوا کہ حضرت عائشہ ہودے کے اندر تشریف رکھتی ہیں ۔ ہودہ اٹھاتے وقت بھی ان کو شبہ نہ ہوا کیوں ان کی عمر بہت کم تھی اور بدن بھی ہلکا پھلکا تھا۔ غرض جمالوں نے ہودہ باندھ کر اونٹ کو ہانک دیا۔ ادھر جب حضرت عائشہ واپس آئیں تو قافلہ جا چکا تھا۔ انہوں نے نہایت استقلال سے کام لیا کہ قافلے کے پیچھے دوڑنے کی بجائے اپنی جگہ چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں اور خیال کیا کہ جب وہ مجھے ہودے میں نہیں پائیں گے تو میری تلاش میں یہیں آئیں گے اس لئے وہیں قیام کیا۔ رات کا وقت تھا۔ جب نیند کا غلبہ ہوا تو وہیں لیٹ گئیں ۔

حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ گرے پڑے سامان وغیرہ کی خبر گیری کے لئے قافلے کے پیچھے کچھ فاصلے پر رہا کرتے تھے ۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اسی خدمت کے لئے مقرر کیا ہوا تھا۔ وہ اس جگہ صبح کے وقت پہنچے تو دیکھا کہ کوئی آدمی سویا ہوا ہے ۔ قریب آئے تو حضرت عائشہ کو پہچان لیا کیونکہ پردے کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے ان کو دیکھا تھا۔ وہ دیکھ کر گھبرا گئے اور ان کی زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا ۔ اس کلمے سے حضرت عائشہ کی آنکھ کھل گئی ۔ فوراً چہرے کو چادر سے ڈھانپ لیا ۔ حضرت صفوان نے اونٹ قریب لا کر بٹھا دیا۔ حضرت عائشہ پردے کے ساتھ اس پر سوار ہو گئیں ۔ حضرت صفوان اونٹ کی نکیل پکڑ کر پیدل چلتے رہے اور دوپہر کے وقت قافلے سے جا ملے ۔ (عثمانی ۶ ۔ ۲/۱۷)

صریح بہتان

۱۲، ۱۳۔ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝

(اے مسلمانو!) اس کو سنتے ہی مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔ وہ اس بہتان پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ پھر جب وہ گواہ نہ لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ نے مومنوں کو ادب سکھانے کے لئے فرمایا کہ مومنوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں جو کلمات منہ سے نکالے وہ ان کے شایان شان نہ تھے۔ بلکہ ان کو چاہیے تھا کہ وہ اپنے بھائی بہنوں کے متعلق نیک گمان رکھتے اور ان کو اپنے جیسا سمجھتے اور صاف صاف کہہ دیتے کہ یہ تو صریح جھوٹ ہے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اس بات کا ذکر آیا تو انہوں نے سنتے ہی کہہ دیا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ صدیق کی بیٹی اور نبی کی بیوی کے متعلق ایسا گمان نہیں کیا جا سکتا۔

پھر فرمایا کہ اس گناہ کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ اس لئے یہ بہتان باز جو کچھ کہتے ہیں وہ اس پر چار گواہ کیوں نہیں پیش کرتے تا کہ ان کی شہادت پر حدِ زنا جاری کی جائے۔ اگر یہ لوگ چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق اور ضابطۂ شریعت کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک یقیناً وہی لوگ جھوٹے ہیں۔

مومنین کو نصیحت

۱۴، ۱۵۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝

اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو اس چرچا کرنے کی پاداش میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا۔ جب تم اس (جھوٹ) کو اپنی زبانوں سے نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں (ذرا بھی) علم نہ تھا اور تم اسے ہلکی بات سمجھ رہے تھے۔ حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی

اَفَضْتُمْ: تم نے پھیلایا۔ تم واپس آؤ۔ تم کوچ کرنے لگو۔ اِفَاضَةٌ سے ماضی۔

تَلَقَّوْنَهٗ: تم اس کو لینے لگے۔ تَلَقِّیْ سے مضارع۔

هَيِّنًا: آسان۔ هَوْنٌ صفت مشبہ۔

تشریح: جن لوگوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائے جانے والے بہتان میں حصہ لیا اور اپنی زبانوں کو اس برے کام میں استعمال کیا، اگر ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی کہ وہ دنیا میں ان کی توبہ قبول کر لے اور ان کے ایمان کی وجہ سے آخرت میں ان کو معاف فرما دے تو ان کو بڑا سخت عذاب ہوتا۔ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جن کے دلوں میں ایمان تھا مگر سوچے سمجھے بغیر اپنی زبانوں سے کچھ کہہ بیٹھے تھے۔ جیسے حضرت حَسّان، حضرت مِسْطَح اور حضرت حِمْنَہ رضی اللہ عنہم۔ البتہ جن لوگوں کے دل ایمان سے خالی تھے اور جو اس طوفان کے اٹھانے والے تھے جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول اور دیگر منافقین وغیرہ تو وہ اس آیت کے مخاطب نہیں کیونکہ نہ انکے پاس ایمان تھا اور نہ عمل صالح۔

پھر فرمایا کہ یہ عذاب عظیم تمہیں اس وقت پہنچتا جب تم اپنی زبانوں سے اس بات کو پھیلا رہے تھے۔ اور تم وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں بالکل علم نہ تھا۔ تم اس کو معمولی بات سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ اس میں کچھ گناہ نہیں حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۱۰/۵، ابن کثیر ۲۷۴/۳)

بہتانِ عظیم

۱۶۔۱۸، وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾

اور تم نے ایسی بات کو سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ایسی (گستاخانہ) بات منہ پر لائیں۔ (اے اللہ) تو پاک ہے۔ یہ تو بہتانِ عظیم ہے۔ (اے ایمان والو!) اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔ اور اللہ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تو علم (اور) حکمت والا ہے۔

تشریح: کسی مسلمان عورت کے بارے میں ایسی تہمت بہت بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کے رسول کی

زوجہ محترمہ کے بارے میں ایسی غلط بیانی کا جرم عظیم ہونا تو بالکل واضح ہے۔ سو تمہیں تو سنتے ہی کہہ دینا چاہئے تھا کہ یہ تو بہتان عظیم ہے۔ اس میں تو غور وفکر کی بھی گنجائش نہیں ہم ایسی لغو بات زبان پر لا کر اللہ کے رسول ﷺ کی زوجہ محترمہ کی شان میں بے ادبی کا ارتکاب نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ ایسی حرکت کبھی نہ کرنا اگر تم سچے مومن ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیات کو صاف صاف اور کھول کر بیان کرتا ہے۔ وہ اچھے اور برے امور سے خوب واقف ہے اس لئے بھلائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے منع فرماتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام حالات سے باخبر ہے، وہ حضرت عائشہ کی پاک دامنی کو بھی جانتا ہے اور بہتان طرازوں کے جھوٹ کو بھی۔ (ابن کثیر ۲۷۴، ۲۷۵/ ۳ مظہری ۴۷۸، ۴۷۹/ ۶)

بے حیائی پھیلانے والوں کا انجام

۱۹، ۲۰۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

بیشک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے تو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ بڑا شفیق (اور) بڑا مہربان ہے (تو تم بھی وعید سے نہ بچتے)

تَشِيْعَ: وہ پھیلے۔ وہ فاش ہو۔ اس کا چرچا ہو۔ شُيُوْعٌ سے مضارع۔

رَءُوْف: بہت شفقت کرنے والا۔ بڑا مہربان۔ رَاْفَةٌ سے مبالغہ۔

تشریح: جو شخص کوئی ایسی بات سنے تو اسے اس کا پھیلانا جائز نہیں۔ جو لوگ ایسی باتوں کو سن کر دوسروں تک پہنچاتے ہیں تو ان کو دنیا میں بھی سزا ملے گی۔ یعنی ان پر حد قذف جاری ہوگی۔ اور آخرت میں ان کو جہنم کا عذاب ہوگا۔ ایسے فتنہ پردازوں کو اللہ خوب جانتا ہے۔ وہ ان کے دلوں میں چھپی ہوئی باتوں سے بھی واقف ہے، اس کو ان کی نیت اور غرض کا بھی علم ہے، اگرچہ تم نہیں جانتے۔ اس لئے تمہیں

ظاہری امور کو دیکھنا چاہئے تھا۔ اگر کوئی زنا کے الزام کے ثبوت میں چار شرعی شہادتیں پیش کر دے تو اس کے متعلق اچھا گمان رکھو اور سمجھ لو کہ اس نے ثواب کی نیت سے ایسا کیا ہے، کسی مسلمان کو بے عزت کرنے کے لئے نہیں۔ لیکن اگر وہ شرعی گواہ پیش نہ کر سکے تو سمجھ لو کہ اس کی نیت اچھی نہیں۔ اس کا مقصد مسلمانوں کو بے عزت کرنا ہے۔ اس لئے اس پر حد قذف جاری کرو۔ وہ اللہ کے حکم کے مطابق جھوٹا ہے۔

یہ ایسا شدید طوفان تھا کہ نہ جانے کون کون اس کی نذر ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحمت اور شفقت و مہربانی سے تمہیں توبہ و استغفار کا موقع دیا اور تمہاری توبہ قبول کی اور شرعی حد جاری کر کے تمہیں پاک وصاف کر دیا اور جو لوگ تم سے زیادہ خبیث تھے، ان کو نہ تو توبہ کی توفیق دی اور نہ حد جاری کر کے ان کو پاک وصاف کیا بلکہ ان کو مہلت دی۔ (عثمانی ۲/۱۷۹، مظہری ۶/۴۷۹)

شیطان کی پیروی کی ممانعت

۲۱۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۱

اے ایمان والو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو اور جو کوئی شیطان کے نقش قدم پر چلے گا تو بیشک وہ تو اس کو بے حیائی اور برے کام ہی کا حکم کرے گا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی نہ سدھرتا۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے سنوارتا ہے اور اللہ ہی سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔

خُطُوٰتِ : قدم۔ واحد خُطْوَۃٌ ۔

لِيَصْفَحُوْا : ان کو درگزر کرنا چاہئے۔ صَفْحٌ سے امر غائب۔

تشریح: ان آیتوں میں مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔ اگر تم اس کے نقش قدم پر چلو گے تو وہ تو ہمیشہ تمہیں بے حیائی، بدکاری اور نامعقول کام کرنے ہی کو کہے گا جو تمہاری تباہی اور بربادی کا سامان ہوگا۔ سو تم اس کی باتوں سے بچتے رہو۔ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو کفر و شرک، برائی اور بدی سے نہ بچا سکتا۔ یہ اس کا احسان ہے کہ وہ تمہیں توبہ کی توفیق دیتا ہے، پھر تمہاری توبہ قبول فرماتا ہے اور تمہیں پاک وصاف بنا دیتا ہے۔ اور

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گناہوں سے پاک اور صاف کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتوں کو خوب سنتا ہے اور ان کے احوال کو خوب جانتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کو تنبیہ

۲۲۔ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾

اور تم میں سے جو بزرگی اور وسعت والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کرنے کی قسم نہیں کھانی چاہئے بلکہ معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہئے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح: حضرت مسطحؓ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے اور نادار تھے۔ واقعۂ افک سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ ان کو خرچ دیا کرتے تھے۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت نازل ہوگئی تو حضرت ابو بکرؓ کو حضرت مسطحؓ کی طرف سے رنج ہوا، اس لئے انہوں نے آئندہ حضرت مسطحؓ کی مدد نہ کرنے کی قسم کھالی۔ اس آیت میں اسی واقعے کا ذکر ہے کہ تم میں سے جو لوگ دینی بزرگی اور دنیوی وسعت والے ہیں، صدقہ اور احسان کرنے والے ہیں، ان کو ایسی قسم نہیں کھانی چاہئے کہ وہ اپنے قرابت داروں کو، مسکینوں اور مہاجروں کو کچھ نہیں دیں گے۔ اگر ان سے کوئی خطا ہوگئی ہو تو انہیں معاف کر دینا چاہئے۔ اے دنیوی وسعت والو! کیا تم پسند نہیں کرتے کہ تمہارے حسن سلوک اور معاف کر دینے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرما دے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ بدلہ لینے پر پوری پوری قدرت رکھنے کے باوجود محض اپنے فضل و مہربانی سے بندوں کے قصور معاف فرما دیتا ہے، تم بھی ان کو معاف کر دو۔

شیخین کی روایت میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں تو دل سے چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے قصور بخش دے اس کے بعد آپ نے دوبارہ حضرت مسطحؓ کے مصارف جاری کر دیئے اور فرمایا واللہ آئندہ کبھی میں یہ مصارف نہیں روکوں گا۔

بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو برابر کا بدلہ لے لے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ اگر کوئی اس سے اپنا رشتہ توڑ لے تو اس کو جوڑے رکھے۔ (ابن کثیر ۲۷۵/۳ مظہری ۴۸۰/۶)

تہمت لگانے والوں کا انجام

۲۳۔۲۵۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾

بے شک جو لوگ پاک دامن، بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔ جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے، اس دن اللہ ان کو حق و انصاف کے ساتھ پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی برحق (اور) ہر بات کو ظاہر کرنے والا ہے۔

اَلْسِنَتُهُمْ: انکی زبانیں۔ واحد لِسَانٌ۔

اَرْجُلُهُمْ: ان کے پاؤں۔ واحد رِجْلٌ۔

يُوَفِّيْهِمْ: وہ ان کو پورا پورا دے گا۔ تَوْفِيَةٌ سے مضارع۔

تشریح: جو لوگ ایسی بھولی بھالی اور پاک دامن مومن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں جن کو ایسی باتوں کی خبر بھی نہیں تو ایسے لوگ دنیا و آخرت دونوں جگہ ملعون ہیں اور ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔ قیامت کے روز ایسے لوگوں کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کی ٹانگیں، ان کی بداعمالیوں پر ان کے خلاف گواہی دیں گی۔ اس دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا اور ٹھیک ٹھیک بدلہ دے گا۔ اس وقت وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا اور بات کی حقیقت کو کھول دینے والا ہے۔ وہ ثواب اور عذاب دینے پر پوری طرح قادر ہے۔ اس کی الوہیت اور قدرت میں کوئی اس کا شریک نہیں، ایک حدیث میں ہے کہ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے والے کی سو سال کی نیکیاں غارت ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مشرکین دیکھیں گے کہ جنت میں نمازیوں کے سوا اور کسی کو نہیں بھیجا جاتا تو وہ کہیں گے کہ آؤ ہم بھی انکار کر دیں۔ چنانچہ وہ اپنے شرک کا انکار کر دیں گے۔ اسی وقت ان کے منہ پر مہر لگ جائے گی اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دینے لگیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ ہنس دیئے اور فرمانے لگے کہ جانتے ہو کہ میں کیوں ہنسا؟ ہم نے کہا کہ اللہ ہی جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز بندہ اپنے رب سے حجت بازی کرتے ہوئے کہے گا کہ اے اللہ کیا تو نے مجھے ظلم سے نہیں روکا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں۔ وہ کہے گا کہ آج میں جس گواہ کو سچا مانوں میرے بارے میں اسی کی شہادت معتبر مانی جائے اور وہ گواہ سوائے میرے اور کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا تو ہی اپنا گواہ رہ۔ اب اس کے منہ پر مہر لگ جائے گی اور اس کے اعضا سے سوال ہوگا تو وہ سب کچھ بیان کر دیں گے۔ اس وقت بندہ کہے گا کہ تم غارت ہو جاؤ۔ تم ہلاک ہو جاؤ۔ تمہاری ہی طرف سے تو میں لڑ جھگڑ رہا تھا۔　　　(ابن کثیر ۲۷۶۔۳/۲۷۷)

خبیث مرد اور عورتیں

۲۶۔ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾

خبیث (گندی) عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہیں۔ وہ لوگ بری ہیں ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں۔ ان لئے کے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔

خَبِیْثٰتُ: خبیث عورتیں۔ ناپاک عورتیں۔ گندی عورتیں۔

مُبَرَّءُوْنَ: بری کئے ہوئے۔ پاک کئے ہوئے۔ تَبْرِئَۃٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: بدکار اور گندی عورتیں، بدکار اور گندے مردوں کے پاس رہتی ہیں اور پاک باز اور ستھری عورتیں پاک باز مردوں کے پاس رہتی ہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک الْخَبِیْثٰتُ اور الطیبٰت سے

یہاں عورتیں مراد نہیں بلکہ اقوال وکلمات مراد ہیں، سو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ گندی اور توہین آمیز باتیں گندوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ باتیں پاکیزہ لوگوں کے لائق ہیں پاکباز اور صاف ستھرے مرد اور عورتیں ایسی گندی تہمتوں سے بری ہوتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان جیسے لوگ، بہتان طرازوں کی ان بیہودہ باتوں سے پاک اور بری ہیں۔ ان ہی لوگوں کے لئے گناہوں کی مغفرت اور بزرگی والا رزق ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اگر پورے قرآن میں تلاش کیا جائے تو کسی کے لئے بھی اتنی سخت وعید نازل نہیں ہوئی جتنی حضرت عائشہ پر تہمت تراشنے والوں کے حق میں نازل ہوئی۔

بیضاوی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار شخصوں کو چار کے ذریعے سے پاکی (تہمت سے برات) عنایت کی۔

۱۔ حضرت یوسف کو زلیخا کے ایک گھر والے (بچے) کی شہادت کی وجہ سے۔
۲۔ حضرت موسیٰ کو یہودیوں کی تہمت سے اس پتھر کے ذریعے جو ان کے کپڑے لے بھاگا تھا۔
۳۔ حضرت مریم کو اپنے بچے (حضرت عیسیٰ) کی شہادت کی وجہ سے۔
۴۔ حضرت عائشہ کو ان مذکورہ آیات کریمہ کے ذریعہ اور مختلف پرزور طریقوں سے۔

حضرت عائشہ کی پاک دامنی کا اظہار اتنی موکد عبارتوں میں محض منصب رسول کی عظمت کو بیان کرنے اور آپ کے مرتبے کو بالا واعلیٰ بنانے کے لئے کیا گیا ہے۔　　(بیضاوی ۴۸۰)

غیر گھر میں بلا اجازت داخل ہونا

۲۷، ۲۸۔　یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى یُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں (بے دھڑک) داخل نہ ہو جایا کرو جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم یاد رکھو۔ پھر اگر تم وہاں کسی کو نہ پاؤ تو

اندر نہ جاؤ جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے اور اگر تمہیں لوٹ جانے کو کہا
جائے تو لوٹ آیا کرو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اور اللہ تمہارے اعمال
کو جانتا ہے۔

تَسْتَاْنِسُوْا: تم انسیت پیدا کرتے ہو۔ تو اجازت لے لو۔ اِسْتِیْنَاسٌ سے مضارع۔
یُؤْذَنَ: اس کو اجازت دی جائے گی۔ اِذْنٌ سے مضارع مجہول۔
اَزْکٰی: بہت پاکیزہ۔ بہت ستھرا۔ زَکَاءٌ سے اسم تفضیل۔

شانِ نزول: فریابی اور ابن جریر نے حضرت عدی بن ثابت کی روایت سے بیان کیا کہ ایک انصاری عورت نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ (بعض اوقات) میں اپنے گھر کے اندر ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ اس حالت میں کوئی مجھے دیکھے لیکن گھر کے آدمیوں میں سے کوئی نہ کوئی آدمی (بلا روک ٹوک) اندر آ جاتا ہے اور اس حالت میں مجھے دیکھ لیتا ہے۔ میں کیا کروں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶/۴۸۶،)

تشریح: یہاں شرعی ادب بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی گھر جاؤ تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت مانگو۔ جب اجازت مل جائے تو پہلے اہل خانہ کو سلام کرو اگر پہلی دفعہ میں اجازت نہ ملے تو تین دفعہ ایسا کرو۔ اگر پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ کا مطلب یہ ہے کہ ان مکانوں کے علاوہ جن میں تم رہتے ہو خواہ ان غیر مکانوں کے تم ہی مالک ہو۔ مثلاً کسی شخص نے اپنا مملوکہ مکان کسی دوسرے شخص کو کرائے پر یا مفت رہنے کے لئے دے دیا وہ اگر چہ اس مکان کا مالک ہے مگر اس کو اس میں رہنے والے کی اجازت کے بغیر داخل ہونا منع ہے۔ تمہارے لئے کسی کے گھر میں بلا اجازت اچانک گھس جانے سے بہتر یہ ہے کہ تم پہلے اہل خانہ کو سلام کرو اور ان سے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کرو اگر وہ اندر آنے کی اجازت دے دیں تو داخل ہو جاؤ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو گھر والوں کے پاس جائے تو ان کو سلام کر، تیرے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت حاصل ہوگی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے پہلے سلام نہ کیا ہو اس کو (داخل ہونے کی) اجازت نہ دو۔

اگر گھر کے اندر کوئی نہ ہو جو تمہیں اجازت دے تو جب تک گھر والا آ کر تمہیں اجازت نہ

دے اس وقت تک تم اندر نہ جاؤ اگر گھر والوں کی طرف سے تمہیں واپس جانے کو کہا جائے تو تم گھر میں داخل ہونے پر اصرار نہ کرو بلکہ واپس چلے جاؤ۔ یہ یہی تمہارے لئے پاکیزہ فعل ہے۔

حضرت عبد اللہ بن بسر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے دروازے پر جاتے تو دروازے کے بالکل سامنے منہ کر کے نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ دائیں یا بائیں بازو کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے۔ السلام علیکم۔ السلام علیکم　　(مظہری ۴۸۷۔۴۹۰/۶)

اجازت سے مستثنیٰ لوگ

۲۹۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٢٩﴾

اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ایسے غیر آباد مکانوں میں (بغیر اجازت) جاؤ جہاں تمہارا سامان (رکھا ہوا) ہو اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو (دل میں) چھپاتے ہو۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے مقاتل کا بیان نقل کیا ہے کہ جب گھروں میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنے کا حکم نازل ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ قریش کے جو تاجر مکے، مدینے اور شام کے درمیان آتے جاتے ہیں ان کا کیا ہوگا۔ سرِ راہ (ان کے اترنے اور قیام کرنے کے) مکان مقرر ہوتے ہیں جن کے اندر کوئی نہیں رہتا وہاں داخلے کی اجازت کس سے مانگیں اور کس کو سلام کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔　　(مظہری ۴۹۰/۶)

تشریح: کسی ایسے مکان میں داخل ہونے کے لئے جس میں کسی کی سکونت نہ ہو اور اس میں تمہارا کچھ سامان رکھا ہوا ہو یا اس سے تمہارا کوئی مفاد وابستہ ہو تو ایسے مکان میں تم بلا اجازت داخل ہو سکتے ہو۔ اس صورت میں متاع کا مطلب یہ ہوگا کہ وہاں لوگ اترتے ہیں اور اپنا سامان رکھتے ہیں اور سردی گرمی سے بچتے ہیں۔

ابن زید نے کہا کہ ان سے مراد وہ تجارتی مکان اور دکانیں ہیں جو بازاروں میں ہوتی ہیں جہاں لوگ خرید و فروخت کے لئے داخل ہوتے ہیں۔ یہی منفعت ہے۔

ابراہیم نخعی نے کہا کہ بازار کی دکانوں میں داخل ہونے کی اجازت لینی ضروری نہیں۔

بعض نے کہا اس سے وہ تمام مکان مراد ہیں جہاں کوئی باشندہ نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ (مظہری ۴۹۰، ۶/۴۹۱)

نظریں نیچی رکھنے کا حکم

۳۰۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰

(اے نبی ﷺ) آپ مومنوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ جو کچھ وہ لوگ کرتے ہیں بلاشبہ اللہ اس سے باخبر ہے۔

یَغُضُّوْا: وہ نیچی رکھیں۔ وہ بند رکھیں۔ غَضٌّ سے مضارع۔

فُرُوْجَهُمْ: ان کی شرمگاہیں۔ واحد فَرَجٌ۔

تشریح: اس آیت میں مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ جن چیزوں کو دیکھنا حلال نہیں ان کی طرف بالکل نظر نہ اٹھائیں، اور جن چیزوں کو فی نفسہ دیکھنا جائز ہے مگر ان کو بری نظر دیکھنا جائز نہیں تو ان کو بری نظر سے نہ دیکھیں۔ اگر اتفاقاً نظر پڑ جائے تو فوراً نظر دوسری طرف کر لیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں۔ ابوالعالیہ نے کہا کہ یہاں شرمگاہ کی حفاظت سے مراد پردہ کرنا اور چھپائے رکھنا ہے تاکہ غیر کی نظر نہ پڑے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں جہاں جہاں شرمگاہ کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے وہاں زنا اور حرام سے حفاظت مراد ہے۔

پھر فرمایا کہ نگاہوں کا نیچی رکھنا اور ستر کی حفاظت کرنا ان کے حق میں پاکیزہ ترین خصلت ہے اور جو ان کے ظاہر و باطن کو زنا کی نجاست اور گندگی سے پاک رکھنے والی چیز ہے۔ بیشک اللہ ان کے ہر کام سے باخبر ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پہلی (بلا ارادہ) نظر کے پیچھے (دوسری بالا رادہ) نظر نہ کرنا۔ پہلی نظر (جو اچانک پڑ گئی وہ) تو معاف ہے۔ دوسری (جو قصداً ڈالی) معاف نہیں۔

مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کی روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے

اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ نظر پھیر لیا کروں۔

(ابن کثیر ۲۸۱، ۳/۲۸۲، روح المعانی ۱۳۸، ۱۸/۱۳۹)

ستر کے احکام

۳۱۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور مومن عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنے ڈوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں۔ اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا خاوند کے باپ یا اپنے بیٹوں یا خاوند کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی (میل جول کی) عورتوں پر یا اپنے مملوک (باندی وغلام) پر یا ان خدمت گاروں پر جن کو عورتوں کی حاجت نہ رہی ہو یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی پردے کی چیزوں سے واقف نہیں، اور اپنے پاؤں زور زور سے مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے اور اے مومنو! تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

يُبْدِيْنَ : وہ ظاہر کرتی ہیں۔ اِبْدَاءٌ سے مضارع۔

يَضْرِبْنَ: وہ (پاؤں) مارتی ہیں۔ وہ (پاؤں) زور سے رکھتی ہیں۔ ضَرْبٌ سے مضارع۔

خُمُرِ هِنَّ: ان کے ڈوپٹے۔ان کی اوڑھنیاں۔ان کی چادریں۔واحد خِمَارٌ۔

جُيُوْبِهِنَّ: انکے گریبان۔واحد جَيْبٌ۔

بُعُوْلَتِهِنَّ: ان کے شوہر۔ان کے خاوند۔واحد بَعْلٌ۔

اِرْبَة: حاجت۔غرض۔جمع اِرَبٌ۔

عَوْرٰتِ: شرمگاہیں۔پردہ کی باتیں۔واحد عَوْرَةٌ۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے مقاتل کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا (ایک بار) حضرت اسماء بنت مرشد اپنے نخلستان میں تھیں۔کچھ عورتیں ان کے پاس آئیں جوازار پہنے ہوئے نہ تھیں،اس لئے جو کچھ وہ پاؤں میں پہنے ہوئے تھیں (پازیب وغیرہ) وہ کھلا نظر آرہا تھا۔ان کے سینے اور سر کی لٹیں بھی کھلی ہوئی تھیں۔حضرت اسمانے فرمایا یہ کیسی بری ہیئت ہے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶/۴۹۲)

تشریح: اس آیت میں عورتوں کو بھی وہی حکم دیا گیا جو اس سے پہلی آیت میں مردوں کو دیا گیا تھا کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں خواہ کوئی مرد ان کو دیکھے یا نہ دیکھے۔جن چیزوں کو دیکھنا حلال نہیں ان کی طرف بالکل نظر نہ اٹھائیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنا جسم کسی کو نہ دکھائیں۔اگرچہ پہلی آیت کے حکم میں مرد مخاطب ہیں مگر اس میں عورتیں بھی داخل ہیں۔دوسری آیت میں تاکید کے لئے عورتوں کو خاص طور پر مخاطب کر کے حکم دیا گیا کہ مردوں کی طرح وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔اس کے بعد خاص عورتوں کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنی زینت کو کسی پر ظاہر نہ کریں سوائے اس زینت کے جو ظاہر ہے اور ان کو چاہئے کہ اپنی چادریں اپنے گریبانوں پر ڈال لیں۔

زینت دو طرح کی ہوتی ہے۔ایک محاسنِ خلقت جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے اندر پیدا کئے ہیں۔دوسرے غیر خلقی زینت جس کو عورتیں بناؤ سنگھار کے ذریعے حاصل کرتی ہے۔جیسے ہر قسم کے کپڑے،سرمہ،ہاتھ پیر میں مہندی۔انگوٹھی۔چوڑیاں۔بندے اور پازیب وغیرہ۔

اس کے بعد فرمایا کہ مومن عورتیں زیبائش کو یعنی مواضع زینت چہرے،ہاتھ اور پاؤں کو ۱۲ قسم کے اشخاص کے سوا کسی کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیں۔وہ بارہ اشخاص یہ ہیں،۱۔اپنے شوہروں کے سامنے،۲۔باپ اور دادا پردادا وغیرہ کے سامنے،۳۔اپنے شوہروں کے باپوں کے سامنے کہ وہ تمہارے باپ کی مانند ہیں۔اس میں دادا اور پردادا سب داخل ہیں،۴۔اپنے بیٹوں کے سامنے،

۵۔اپنے شوہروں کے بیٹوں کے سامنے جو دوسری بیوی سے ہوں،۶۔اپنے بھائیوں کے سامنے۔اس میں حقیقی بھی ہیں اور باپ شریک یعنی علاتی اور ماں شریک یعنی اخیافی بھی،لیکن ماموں خالہ یا چچا، تایا اور پھوپھی کے لڑکے جن کو عرف عام میں بھائی کہا جاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں وہ غیر محرم ہیں،۷۔اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے۔یہاں بھی صرف حقیقی یا علاتی یا اخیافی بھائی کے لڑکے مراد ہیں۔دوسرے عرفی بھائیوں کے لڑکے اس میں شامل نہیں،۸۔اپنی بہنوں کے بیٹوں کے سامنے۔یہاں بھی حقیقی،علاتی اور اخیافی بہنیں مراد ہیں۔ماموں زاد چچازاد بہنیں اس میں شامل نہیں، ۹۔یا اپنی عورتوں کے سامنے۔یعنی ایک عورت دوسری عورت کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کرسکتی ہے خواہ وہ عورت مومنہ ہو یا غیر مومنہ،آزاد ہو یا باندی کیونکہ ہر عورت دوسری عورت کی ہم جنس ہے البتہ ناف سے زانوں تک کا حصہ ایک عورت دوسری عورت کے سامنے بھی ظاہر نہیں کرسکتی سوائے خاص ضرورت کے،۱۰۔اپنی مملوکہ باندیوں کے سامنے،۱۱۔ایسے مردوں کے سامنے آنا جو خود کچھ نہیں کماسکتے بلکہ گھر والوں کے تابع رہتے ہوں اور اتنے بوڑھے ہوں کہ ان کی عورتوں کی طرف رغبت نہ رہی ہو،۱۲۔وہ چھوٹے لڑکے جو ابھی عورتوں کے حال اور بھید سے واقف نہیں۔

یہ سب محارم ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں ایک طبعی نفرت رکھدی ہے کہ مرد اپنی ماں۔خالہ اور بہن کو دیکھتا ہے مگر دل میں برا خیال نہیں آتا۔فقہانے تصریح کر دی ہے کہ محرم کے سامنے آنا بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

پھر فرمایا کہ مومن عورتوں کو پردے کا اس درجہ اہتمام کرنا چاہئے کہ وہ چلتے ہوئے اپنے پیر زمین پر زور سے نہ ماریں کہ ان کے پوشیدہ زیور لوگوں کو معلوم ہو جائیں۔زمانۂ جاہلیت میں جب عورتیں گھر سے باہر نکلتیں اور ان کے پاؤں میں پازیب وغیرہ ہوتی تو وہ اپنے پاؤں زمین پر زور زور سے مار کر چلتیں تاکہ مرد اس کی آواز سن لیں۔اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو ایسی چال سے منع فرمادیا جس سے ان کے زیور کی آواز مردوں تک پہنچے اور مرد اس کو سن کر ان کی طرف راغب ہو جائیں۔آخر میں مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر ان احکام پر عمل کرنے میں تم سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

عورتوں کے پردے کے بارے میں سب سے پہلے سورۂ احزاب کی آیت ۵۳ نازل ہوئی۔یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ذیقعدہ ۵ ہجری میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پردے کی پہلی آیت اس موقع پر نازل ہوئی۔سورۂ نور کی آیات ۳۰، ۳۱ واقعہ افک کے ساتھ نازل ہوئیں جو ۶ھ میں غزوہ نبی مصطلق یا مریسیع سے واپسی میں پیش آیا۔

مذکورہ بالا آیت میں مردوں سے حجاب کرنے یا نہ کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے۔البتہ اس میں ستر کے احکام بیان کئے گئے ہیں کہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کے سوا عورت کا تمام بدن ستر ہے اور اس کا ہر وقت پوشیدہ رکھنا واجب ہے۔شریعت نے چہرے اور ہاتھوں کو ستر میں اس لئے شامل نہیں کیا کہ ان کو ہر وقت چھپائے رکھنا ممکن نہیں ہے۔ضروریاتِ زندگی ان اعضا کو کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں، کیونکہ نہ تو عورت منہ کھولے بغیر گھر میں چل پھر سکتی ہے اور نہ ہاتھوں کو چھپا کر گھر کا کام کاج کر سکتی ہے۔

آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت نامحرموں کے سامنے اپنے حسن و جمال کی نمائش کرے اور نہ اجنبی مردوں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ عورتوں کے حسن و جمال کا نظارہ کریں عورت کے لئے اپنی زیبائش کا اظہار، ان بارہ محارم کے سوا جن کا اوپر ذکر ہو چکا، کسی اور کے سامنے جائز نہیں اور محارم کے سامنے آنے کی بھی یہی شرط ہے کہ کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک چہرہ اور پہنچے تک دونوں ہاتھ ستر کے حکم سے مستثنیٰ ہیں بیضاوی نے لکھا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آیت میں جس ستر کا حکم ہے اس کا تعلق صرف نماز سے ہے پردے سے نہیں، کیونکہ آزاد عورت کا سارا بدن واجب الستر ہے۔ سوائے شوہر اور محرم کے عورت کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا کسی مرد کے لئے جائز نہیں، ہاں اگر مجبوری ہو تو اور بات ہے۔جیسے بیماری کا علاج اور ادائے شہادت وغیرہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے سال قبیلہ خشعم کی ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) اللہ نے بندوں پر جو حج فرض کیا ہے وہ میرے بوڑھے باپ پر (بھی عائد ہوتا ہے اور ایسے وقت میں اس پر یہ فرض) عائد ہوا ہے کہ وہ بہت بوڑھا ہے سواری پر ٹھیک طرح سے بیٹھ بھی نہیں سکتا۔اگر میں اس کے بدل میں حج کرلوں تو کیا اس کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔آپ نے فرمایا ہاں۔حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ فضل (جو اس وقت رسول اللہ کے پیچھے سوار تھے) اس عورت کی طرف دیکھنے لگے۔وہ عورت بھی فضل کی طرف دیکھ رہی تھی، آپ نے فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیا۔اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فضل کے چہرے کو عورت کی

طرف سے پھیر دینا بتا رہا ہے کہ نامحرم عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا مردوں کے لئے جائز نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ عورت کا تمام بدن ستر ہے۔ اپنے گھر میں بھی اس کو مستور رکھنا فرض اور لازم ہے۔ مگر چہرے اور دونوں ہاتھوں کو ہر وقت چھپائے رکھنا بہت دشوار ہے اس لئے یہ اعضا ستر سے خارج ہیں، اور اپنے گھر میں ان کو کھلا رکھنا جائز ہے۔ اگر مطلقاً ان کو چھپانے کا حکم دیا جاتا تو عورتوں کے لئے اپنے کام کاج میں سخت تنگی اور دشواری ہو جاتی۔ اس لئے شریعت نے ان کو ستر سے خارج کر دیا۔ ان اعضا کے علاوہ عورت کا تمام بدن ستر ہے جس کا ہر وقت پوشیدہ رکھنا واجب ہے۔ اس کی تفصیلی بحث سورہ احزاب آیت ۵۳ کے ذیل میں آئے گی۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶/۳۹۸، بیضاوی ۲۹۵، عثمانی ۲/۱۸۴ معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۱۷۷ مظہری ۴۹۲۔۶/۵۰۲)

افلاس کی بنا پر نکاح ترک کرنے کی ممانعت

۳۲، ۳۳۔ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ

اور تم میں سے جو مجرد ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو۔ اور تمہارے غلام اور باندیاں جو نیک ہوں ان کے بھی (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی بنا دے گا اور اللہ وسعت والا (اور) علم والا ہے۔ اور جن لوگوں کو نکاح کی قدرت نہیں ان کو پاک دامن رہنا چاہئے یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔

اَیَامیٰ: بغیر بیوی والے مرد۔ بغیر شوہر والی عورت۔ واحد اَیِّمٌ۔

اَیِّم۔ ایسی عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو یا ایسا مرد جس کی بیوی نہ ہو خواہ اس نے پہلے نکاح کر کے جدا کر دیا ہو یا اس نے اب تک شادی ہی نہ کی ہو۔ اس کا طلاق اکثر عورت پر ہوتا ہے لیکن مردوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ (ابن کثیر ۳/۲۸۶)

اِمَائِکُمْ: تمہاری لونڈیاں۔ واحد اَمَۃٌ

لِیَسْتَعْفِفِ: تاکہ وہ بچتا رہے۔ تاکہ وہ (زنا سے) پرہیز کرتا رہے۔ تاکہ وہ پاک دامن رہے۔

تشریح: یہاں آزاد عورتوں کے سرپرستوں اور کنیزوں وغلاموں کے آقاؤں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم میں سے جو غیر شادی شدہ ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور خواہ وہ ابتدا سے مجرد ہو یا بیوی کی وفات اور طلاق سے مجرد ہو گیا ہو تو تم مناسب موقع پر ان کا نکاح کر دیا کرو۔ اسی طرح اگر غلاموں اور کنیزوں میں سے جو نکاح کے لائق ہوں ان کا بھی نکاح کر دیا کرو تا کہ نکاح سے ان کو طہارت اور پاکیزگی حاصل ہو جائے۔ اگر تم تنگ دستی کے باوجود طہارت و پاکیزگی کی نیت سے نکاح کرو گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تمہاری تنگ دستی کو فراخ دستی سے بدل دے گا، اس لئے کہ وہ اس پر قادر ہے اور سب کے رزق کا ذمہ دار ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے، جس کو چاہے مال دار بنا دے، اور جس کو چاہے محتاج وفقیر ہی رہنے دے، جن لوگوں کو نکاح کے اسباب میسر نہیں ان کو صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے اپنی عفت و پاک دامنی کی حفاظت کرنی چاہئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل ورحمت سے غنی کر دے۔ اس وقت وہ لوگ نکاح کر لیں۔

مکاتبت و اعانتِ مملوک

۳۳،۳۴۔ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؀ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ؀ۧ

اور تمہارے غلاموں میں سے جو کوئی آزادی کی تحریر لکھوانا چاہے تو ان کو (ایسی تحریر) لکھ دو بشرطے کہ تمہیں ان میں بھلائی نظر آتی ہو۔ اور اللہ نے جو مال تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے انہیں بھی دو اور تمہاری جو باندیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہوں تو تم دنیوی زندگی کے کچھ فائدے کے لئے ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اللہ ان پر جبر کے بعد بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے، اور البتہ ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں نازل کی ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت بھی۔

فَتَیٰتِکُمْ: تمہاری نوجوان عورتیں۔تمہاری باندیاں۔واحد فَتَاۃٌ.

البِغَاءِ: بدکاری۔زناکاری۔مصدر ہے۔

تَحَصُّناً: پاک دامن رہنا۔پرہیزگار رہنا۔مصدر ہے۔

عَرَضَ: مال ومتاع۔سامان۔جمع عُرُوْضٌ ۔

تشریح: تمہارے مملوک غلام یا کنیزوں میں سے جو بھی اپنے آقاؤں سے مکاتبت کرنا چاہیں تو آقاؤں کو چاہئے کہ وہ ان کی خواہش پوری کریں۔اس میں ان کے لئے بہت بڑا اجر وثواب ہے۔ مکاتبت یہ ہے کہ کوئی مملوک اپنے آقا سے یہ کہے کہ آپ مجھ پر کچھ رقم مقرر کردیں۔اگر وہ رقم میں اپنی محنت ومزدوری سے کما کر آپ کو ادا کردوں تو میں آزاد ہو جاؤں گا۔آقا اگر اس کو قبول کرلے تو اسی کا نام مکاتبت ہے۔دوسری صورت یہ کہ آقا خود غلام سے کہے اگر تو اتنی رقم کما کر ادا کردے تو تو آزاد ہے،اگر غلام اس کو قبول کرلے تو یہ بھی مکاتبت ہے۔

مکاتبت طے ہو جانے کے بعد شرعاً لازم ہو جاتی ہے۔پھر آقا کو اس کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔جس وقت بھی غلام معینہ رقم کما کر اپنے آقا کو دے دے گا وہ خود بخود آزاد ہو جائے گا شریعت نے مکاتبت کی رقم کی حد مقرر نہیں فرمائی یہ غلام کی قیمت کے برابر بھی ہو سکتی ہے اور کم یا زیادہ بھی۔جو بھی فریقین میں طے ہو جائے۔جب ایک غلام کی آزادی ایک مقررہ رقم کما کر آقا کو دینے پر موقوف ہے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اس معاملے میں اس کی مالی مدد کریں۔اس کو زکوۃ بھی دے سکتے ہیں۔خود آقا کو بھی اس کی مالی مدد کرنی چاہئے۔یا وہ بدل کتابت میں کمی کرے۔

پھر فرمایا کہ تم اپنی کنیزوں کو اس پر مجبور نہ کرو کہ وہ زناکاری کے ذریعے مال کما کر تمہیں دیا کریں خاص طور پر جبکہ وہ کنیزیں زنا سے بچنا اور پاک دامن رہنا چاہیں۔زمانہ جاہلیت میں لوگ کنیزوں کو اس کام کے لئے استعمال کرتے تھے۔سو اللہ تعالیٰ نے اس سے سختی سے منع فرما دیا۔اگر کسی نے اس کو اس کام پر مجبور کیا اور وہ آقا کے جبر سے مغلوب ہو کر زنا میں مبتلا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرما دے گا اور اس کا سارا گناہ مجبور کرنے والے پر ہوگا۔

اور ہم نے اپنے کلام یعنی قرآن کی واضح اور روشن آیات نازل کیں جن کی تصدیق سابقہ آسمانی کتابوں سے بھی ہوتی ہے اور سلیم عقلیں بھی ان کو مانتی ہیں۔جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ہم نے ان کی مثالیں اور واقعات بھی بیان کردیئے ہیں۔جن سابقہ امتوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی

مخالفت کی اور بے حیائی کا ارتکاب کیا، ان کا حال اور انجام بھی تمہارے سامنے ہے تا کہ تم اس سے عبرت پکڑو اور ہم نے پرہیزگاروں کے لئے نصیحت اتاری تا کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۴۰۸۔۶/۴۱۷)

زمین وآسمان کا نور

۳۵۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک طاق کی مانند ہے جس میں چراغ ہو (اور) چراغ شیشے کی قندیل میں ہو (اور) شیشہ گویا کہ ایک چمکتا ہوا تارا ہو۔ (وہ چراغ) ایک بابرکت درخت زیتون سے روشن کیا جاتا ہو۔ وہ درخت نہ مشرقی (رخ) ہے اور نہ مغربی (رخ) ہے۔ قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے گو اس کو ابھی آگ نے مَس (بھی) نہ کیا ہو۔ نور پر نور ہے، اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے راہنمائی کر دیتا ہے اور لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

مِشْكٰوةٍ: چراغ رکھنے کا طاق۔

مِصْبَاحٌ: چراغ۔ قندیل۔ صَبْحٌ سے اسم آلہ۔

زُجَاجَةٍ: شیشہ۔ شیشے کا قندیل۔ جمع زُجَاجٌ۔

كَوْكَبٌ: ستارہ۔ جمع كَوَاكِبٌ۔

دُرِّيٌّ: چمکتا ہوا۔ موتی کی مانند۔ جمع دَرَارِيٌّ۔

يُوْقَدُ: وہ روشن کیا جاتا ہے۔ وہ جلایا جاتا ہے۔ اِيْقَادٌ سے مضارع مجہول۔

زَيْتُهَا: اس کا تیل۔ زیتون کا تیل۔

یُضِیْٓئُ: وہ روشن ہوتا ہے۔وہ چمکتا ہے۔وہ جلتا ہے۔اِضَائَۃٌ سے مضارع۔

تشریح: تمام کائنات کو جو نور ملا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے نور کا عکس اور پرتو ہے۔اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نورِ مطلق ہے اور آسمان وزمین کے تمام انوارِ حسیّہ وعقلیہ پر غالب ہے، آسمان وزمین کی حدود میں جو ظاہری اور باطنی اور حسّی ومعنوی روشنی ہے وہ سب نورِ مطلق کا فیض اور عطیہ ہے۔آسمان وزمین کے تمام انوار محدود اور متناہی ہیں اور اللہ جل شانہ ،نورالانوار ہے اس کا نور غیر محدود وغیر متناہی ہے۔مخلوق کا نور عارضی اور اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے اور اگر وہ مخلوق کے نور کو پیدا نہ کرتا تو دنیا کی کوئی چیز دکھائی نہ دیتی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عطا کردہ نورِ ہدایت اور نورِ توفیق کی مثال بیان فرمائی ہے کہ اس کی طرف سے مومن کے دل میں جو نورِ ہدایت ڈالا گیا ہے اس کی شان ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو، وہ چراغ براہِ راست طاق میں نہیں بلکہ شیشے کے ایک صاف وشفاف قندیل میں بند کر کے طاق میں رکھا ہوا ہے جس سے اس کی روشنی دوبالا ہو جاتی ہے وہ قندیل ایسا صاف وشفاف ہے گویا کہ ایک روشن اور چمکدار ستارہ۔وہ چراغ زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے۔یہ مبارک درخت نہ مشرقی سمت میں ہے نہ مغربی سمت میں بلکہ ایک کھلے میدان میں ہے جس کو ہر طرف سے دھوپ پہنچ رہی ہے۔اس کے اور آفتاب کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔ایسے درخت کا روغن نہایت صاف وشفاف اور روشن ہوتا ہے۔اس کا تیل ایسا صاف وشفاف ہے کہ آگ دکھائے بغیر ہی جلتا ہوا نظر آتا ہے اور جب اس کو جلا دیا جائے تو پھر وہ نورعلیٰ نور ہے

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۲۸۔۱۳۱/ ۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے آیت مثل نورہ کمشکوٰۃ کے معنی کی تشریح کے لئے فرمایا۔کعب احبار نے کہا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حالت بطورِ تمثیل بیان کی ہے۔مشکوٰۃ سے مراد رسول اللہ ﷺ کا مبارک سینہ اور شیشے سے مراد آپ کا دل اور مصباح سے مراد ہے نبوت اور یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓئُ کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ نہ بھی کیا ہوتا تب بھی قریب تھا کہ آپ کا نور جگمگانے لگتا اور آپ کا نبی ہونا خود بخود لوگوں کے سامنے آجاتا۔(مظہری۔۵۲۵/ ۶)

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے نور کے ذریعے ہدایت دے دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت اور فائدے کے لئے ایسی مثالیں بیان کرتا ہے کہ ان پر حق وباطل کا فرق واضح ہو جائے اور

اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون اس نور ہدایت کے لائق ہے اور کون نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر اس نے اپنے نور کا کچھ حصہ (پرتو) ڈالا۔ پس جس شخص نے اس نور کا کچھ حصہ پالیا وہ ہدایت یاب ہوگیا اور جس نے نور کا حصہ نہ پایا وہ گمراہ ہوگیا۔
(مظہری ۶/۵۳۷)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کے نور کی مثال ہے جو مومن کے دل میں ہوتا ہے۔ اس طرح مومن کا دل فطری طور پر ہدایت پر عمل کرنے لگتا ہے۔ جب اس کے پاس (شریعت کے ذریعہ) علم آجاتا ہے تو اس کی ہدایت میں اور زیادتی ہو جاتی ہے (اور ایک ہدایت پر دوسری ہدایت ہو جاتی ہے یعنی اول تو مومن کا دل خود روشن تھا جب اوپر سے اس کو نور ہدایت آگا) تو وہ نور علی نور ہوگیا۔　(مظہری ۶/۵۳۱)

صبح شام اللہ کی تسبیح کرنے والے

۳۶۔۳۸، فِىْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

وہ ایسے گھروں میں (جا کر عبادت کرتے ہیں) جن کی نسبت اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ وہ لوگ ان (مسجدوں) میں صبح شام (نمازوں میں) اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ (یہ) ایسے لوگ (ہیں) جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ ذکر الٰہی سے روکتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے اور زکواۃ دینے سے۔ وہ لوگ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی دے اور اللہ

جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

الغُدُوِّ: صبح کے اوقات۔ واحد غُدْوَۃٌ.

الْاٰصَالِ: شام کے اوقات۔ واحد اَصِیْلٌ۔

تُلْهِيْهِمْ: وہ ان کو غافل کرتی ہے۔ اِلْھَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: یہ نور ہدایت مسجدوں اور خانقاہوں میں ان لوگوں کو ملتا ہے جو ان کی تعظیم و احترام کرتے ہیں اور صبح و شام اللہ کی تسبیح اور ذکر میں لگے رہتے ہیں۔ یہ لوگ بظاہر تو دنیا کی تجارت اور کام کاج میں لگے رہتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ آخرت کی تجارت یعنی اللہ کے ذکر اور تسبیح و تہلیل میں منہمک رہتے ہیں۔ دنیوی تجارت اور خرید و فروخت ان کو اللہ کی یاد اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے سے غافل نہیں کرتی۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں انہی کے دل نور ہدایت سے منور ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جو اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی، ان پر آخرت کا خوف غالب ہے اس لئے وہ لہولعب میں نہیں پڑتے بلکہ ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے اس کو اتنا بڑھا دے جس کا ان کو وہم و گمان بھی نہ ہو۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۳۲، ۱۳۳/ ۵)

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں۔ یہ آسمان والوں کی نظر میں ایسی روشن دکھائی دیتی ہیں جیسے زمین والوں کو (آسمان پر) ستارے۔ (مظہری ۶/۵۳۹)

کافروں کے اعمال کی مثالیں

۳۹، ۴۰۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَـيْـــًٔـا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں چمکتی
ہوئی ریت جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آیا
تو اس کو کچھ بھی نہ پایا اور اللہ ہی کو اپنے پاس پایا۔ پس اللہ نے اس کا حساب
پورا پورا چکا دیا اور اللہ بہت سرعت سے حساب لینے والا ہے۔ یا ایسی مثال
ہے جیسے گہرے سمندر کی تاریکیاں جسے اوپر تلے موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو
پھر اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں۔ اوپر تلے بہت سی تاریکیاں ہیں کہ
اگر اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو دیکھنے کا بھی احتمال نہیں۔ اور جس کو اللہ ہی نے نور
نہ دیا ہو تو اس کے لئے کہیں بھی نور نہیں۔

كَسَرَابٍ: سراب کی مانند۔ چمکدار ریت کی مانند۔

بِقِيعَةٍ: چٹیل میدان کے ساتھ۔ زمین کے نشیبی حصے کے ساتھ۔ وسیع میدان۔ واحد قَاعٌ۔

الظَّمْاٰنُ: پیاسا۔ تشنہ۔ ظَمَأٌ سے صفت مشبہ۔

لُجِّيٍّ: گہرا دریا۔ پانی سے بھرا ہوا۔

يَكَدْ: وہ نزدیک تھا۔ وہ قریب تھا۔ كَوْدٌ سے مضارع۔

تشریح: کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے گمان اور عقیدے کے موافق اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد وہ ان کے کام آئیں گے۔ حالانکہ کوئی بھی اچھا کام کفر و شرک کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ ان کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے دوپہر کے وقت ایک پیاسے کو دور صحرا میں پانی دکھائی دے۔ حقیقت میں وہ پانی نہیں بلکہ سراب یعنی پانی کی طرح چمکتی ہوئی ریت ہے۔ پیاس کی شدت سے بے تاب ہو کر جب کوئی پیاسا اس سراب کو پانی سمجھ کر جان توڑ کوشش کر کے وہاں پہنچتا ہے تو وہ وہاں پانی کا نام ونشان نہیں پاتا۔

یہی حال کافروں کا ہے جو اپنے دل میں یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ انہوں نے دنیا میں بہت اچھے کام کئے ہیں اور ان کی بہت سی نیکیاں جمع ہیں۔ آخرت میں ان کو ان کا اجر و ثواب ملے گا، قیامت کے روز وہ اللہ کے پاس اپنی کوئی نیکی نہ پائیں گے بلکہ بالکل خالی ہاتھ ہوں گے۔ پھر اللہ ان کو ان کے اعمال کا پوری طرح حساب چکا دے گا کیونکہ اللہ بہت تیزی سے حساب لینے والا ہے۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو سراپا دنیا کے مزوں میں غرق ہیں اور اپنے کفر و ظلم اور

گناہوں کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والوں کو نظر آتی تھی۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے سمندر کی تہ کی تاریکی ہو اور اس کو تہ بہ تہ موجوں اور ابر نے ڈھانکا ہوا ہو، یہاں تک کہ ہاتھ بھی بھائی نہ دیتا ہو۔ اسی طرح کافر کے دل پر، اس کی آنکھوں پر اور اس کے کانوں پر کفر وعصیان کی سیاہی کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ سو جس کو اللہ تعالیٰ توفیق کا نور نہ دے اس کو کون ہدایت کی روشنی پہنچا سکتا ہے۔

(عثمانی ۱۸۹، ۲/۱۹۰، ابن کثیر ۳/۲۹۶)

کائنات کی تسبیح

۴۱، ۴۲۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور پرندے جو پر پھیلائے اڑتے ہیں سب اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں، تحقیق سب کو اپنی اپنی دعا اور تسبیح معلوم ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی حکومت ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تشریح: تمام مخلوق خواہ وہ آسمانوں میں ہو جیسے فرشتے یا زمین میں جیسے انسان، جنات، حیوانات اور جمادات وغیرہ، سب کے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ پرندے بھی اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں جو پر پھیلائے ہوئے ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو عبادت اور تسبیح کے طریقے سکھا دیئے۔ اور اس نے جس کو جو طریقہ الہام کیا وہ اس کے مطابق تسبیح کرتا ہے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔ اس پر کوئی کام مخفی نہیں، وہی آسمانوں اور زمین کا مالک وخالق اور بادشاہ ہے، وہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ کوئی اس کے حکموں کو ٹالنے والا نہیں۔ قیامت کے دن سب کو اسی کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔ اچھے اعمال کا بدلہ جنت اور برے اعمال کا بدلہ دوزخ ہے۔

اولوں کے پہاڑ

۴۳، ۴۴۔ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزۡجِىۡ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيۡنَهٗ ثُمَّ يَجۡعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الۡوَدۡقَ يَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِهٖ‌ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ جِبَالٍ فِيۡهَا مِنۡۢ بَرَدٍ فَيُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَصۡرِفُهٗ عَنۡ مَّنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرۡقِهٖ يَذۡهَبُ بِالۡاَبۡصَارِ ؕ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ‌ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو چلاتا ہے، پھر وہ ان کو ملا دیتا ہے، پھر وہ ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے، پھر تو دیکھتا ہے کہ ان کے درمیان سے مینہ برستا ہے۔ وہی اللہ آسمان میں پہاڑ جیسے بادلوں میں سے اولے برساتا ہے، پھر جس پر چاہتا ہے ان (اولوں) کو گرا دیتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ اس کی بجلی کی چمک ایسی ہے کہ گویا آنکھوں کی بینائی لے جائے اللہ ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے۔

يُزۡجِىۡ: وہ ہنکاتا ہے۔ وہ چلاتا ہے۔ وہ اٹھاتا ہے۔ اِزۡجَاءٌ سے مضارع۔

سَحَابًا: بادل۔ ابر۔ جمع سُحُبٌ۔

يُؤَلِّفُ: وہ تالیف کرتا ہے۔ وہ اکٹھا کرتا ہے۔ تَاْلِيۡفٌ سے مضارع۔

رُكَامًا: تہ بہ تہ۔ ڈھیر۔

الۡوَدۡق: مینہ۔ بارش۔ اسم ہے۔

خِلٰلِهٖ: اس کے درمیان۔

بَرَدٍ: اولے۔

سَنَا: چمک، روشنی، بجلی کی کوند،

تشریح: اللہ تعالیٰ ہی بادلوں کو ادھر سے ادھر ہنکاتا ہے۔ پھر وہ بادل کے چھوٹے چھوٹے اور منتشر ٹکڑوں کو یکجا اور ایک دوسرے کے اوپر کر کے ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔ اس طرح ایک گہرا بادل بن جاتا ہے۔ پھر اس بادل میں سے بارش نکلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے جو زمین پر گر کر اس کو سیراب کر

دیتی ہے۔ آسمان یا بادل میں جو اولوں کے بڑے بڑے پہاڑ ہیں، اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت کاملہ سے، ان میں سے اولے برساتا ہے۔ وہی جس پر چاہتا ہے اس بارش اور اولوں کو گرا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اولوں سے جن کے جان و مال، کھیتوں اور باغوں کو چاہتا ہے، ہلاک و برباد کر دیتا ہے اور جن پر وہ مہربان ہو ان کو بچا لیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ قریب ہے کہ بجلی کی چمک آنکھوں کو اچک لے جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی رات اور دن میں تصرف کرتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے رات کو چھوٹا اور دن کو بڑا کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے دن کو چھوٹا اور رات کو بڑا کر دیتا ہے۔ یہ سب اس کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہیں، بلاشبہ ان نشانیوں میں اہل بصیرت کے لئے عبرت ہے۔

مظاہر قدرت

۴۵۔۴۶، وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

تمام چلنے پھرنے والے جانداروں کو اللہ ہی نے پانی سے پیدا کیا ہے۔ پھر بعض تو ان میں وہ ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں اور ان میں سے بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں اور ان میں سے بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بلاشبہ ہم نے واضح آیتیں نازل کی ہیں۔ اور اللہ ہی جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کر دیتا ہے۔

دَآبَّة: چلنے والا۔ چوپایہ۔ مخلوق۔ دَوَابٌّ سے اسم فاعل۔

يَمْشِيْ: وہ چلتا ہے۔ وہ پھرتا ہے۔ مَشْيٌ سے مضارع۔

بَطْنِهٖ: اس کا پیٹ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے کہ اس نے ایک ہی پانی سے طرح

طرح کی مخلوق پیدا فرمادی۔ سو ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، جیسے سانپ اور مچھلی وغیرہ۔ اور ان میں سے کچھ دو ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ جیسے انسان اور پرندے اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو چار ٹانگوں پر چلتے ہیں، جیسے اونٹ، گائے، بھینس و بکری شیر، ہاتھی وغیرہ۔ سو اللہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے۔ یقیناً وہ ہر چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اس کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ قرآن کریم میں روشن مثالیں اور واضح دلائل اللہ تعالیٰ ہی بیان فرماتے ہیں، تا کہ لوگ ان کو دیکھ کر راہِ راست پر آئیں۔ لیکن اللہ ہی جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

منافقین کا حال

۴۷۔۵۰، وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے (ان کی) اطاعت کی۔ پھر اس کے بعد بھی ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے اور وہ تو ایمان لائے ہی نہ تھے۔ اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ فرمادے تو ان کا ایک گروہ پہلو تہی کرتا ہے۔ اور اگر ان کا حق (کسی کی طرف واجب) ہو تو سرِ تسلیم خم کئے ہوئے اس (رسول) کی طرف چلے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں یا وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی نہ کر دیں (نہیں) بلکہ یہ خود ہی بے انصاف ہیں۔

مُذْعِنِیْنَ: اطاعت کرنے والے۔ فرمان بردار۔ اقرار کرنے والے۔ اِذْعَانٌ سے اسم فاعل۔

اِرْتَابُوْا: وہ شبہ میں پڑے۔ انہوں نے دھوکہ کھایا۔ اِرْتِیَابٌ سے ماضی۔

یَحِیْفَ:　وہ ظلم کرے گا۔ وہ زیادتی کرے گا۔ وہ حق تلفی کرے گا۔ حَیْفٌ سے مضارع۔

شانِ نزول:　بغوی نے لکھا ہے کہ ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان کسی زمین کے متعلق جھگڑا تھا۔ یہودی چاہتا تھا کہ جھگڑے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے کرائے (کیونکہ اسے یقین تھا کہ محمد ﷺ ظلم اور حق تلفی نہیں کرتے) منافق نے کہا کہ اس کا تصفیہ کعب بن اشرف یہودی سے کراؤ۔ محمد ﷺ ہماری حق تلفی کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی　(مظہری ۵۷۴/۶)

تشریح: ان آیات میں منافقوں کی مذمت ہے کہ زبان سے تو وہ ایمان و اطاعت کا اقرار کرتے ہیں لیکن دل سے وہ اس کے خلاف ہیں، اسی لئے جب عمل کا وقت آتا ہے تو یہ لوگ منہ موڑ لیتے ہیں۔ چونکہ ان کے دلوں میں شروع ہی سے ایمان نہیں تھا اس لئے وہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ اگر ان لوگوں کا کسی سے کوئی تنازع ہوا اور یہ حق پر بھی نہ ہوں تو اس وقت اگر دوسرا فریق یہ کہے کہ رسول اللہ کی خدمت میں چل کر اس کا فیصلہ کرالو تو یہ منافق اس پر راضی نہیں ہوتے اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ آنحضرت بلا رو رعایت حق کے موافق فیصلہ فرمائیں گے جو ان کے مفاد کے خلاف پڑے گا، حالانکہ اس سے پہلے وہ آپ پر ایمان لانے، آپ کا حکم ماننے اور آپ کی کامل اتباع کے دعوے کر رہے تھے۔ اگر بالفرض کسی تنازع میں وہ لوگ حق پر ہوں تو اس صورت میں وہ فرماں برداری اور اطاعت کا اظہار کرتے ہوئے فوراً گردن جھکا کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو جائیں گے اور اپنا معاملہ آپ کے سپرد کر دیں گے تاکہ اپنا مفاد حاصل کرلیں۔

ان کی یہ حالت اس لئے ہے کہ یا تو ان کو اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں کوئی دھوکہ لگا ہوا ہے اور ان کے دلوں میں بے ایمانی گھر کر گئی ہے یا ان کو دین اسلام کی صداقت میں شک وشبہ ہے، یا یہ گمان ہے کہ کہیں اللہ اور اس کا رسول بے انصافی کر کے ان کا حق نہ مار لیں اس لئے وہ ان کی عدالت میں مقدمہ لے جانے سے کتراتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ باتوں میں سے کسی بات کا بھی احتمال نہیں بلکہ یہی لوگ ظالم و بے انصاف ہیں اور انہی کے دلوں میں کھوٹ ہے کہ نہ اللہ پر دل سے ایمان لاتے ہیں اور نہ اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں۔ (عثمانی ۱۹۲/۲، ابن کثیر ۲۹۸، ۲۹۹/۶)

مومنین مخلصین کا حال

۵۱، ۵۲۔ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝

مومنوں کی بات تو یہی تھی کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس لئے بلایا گیا تاکہ وہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اس (کی نافرمانی) سے بچتا ہے تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں منافقین کا حال بیان کیا گیا تھا۔ اب ان آیتوں میں مخلص مومنوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی معاملے میں ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اپنا نفع ونقصان دیکھے بغیر بلا توقف فوراً اللہ اور اس کے رسول کا حکم سنتے ہی ''ہم نے سنا اور (دل سے) مان لیا'' کہتے ہوئے اس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ یہی لوگ آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا مطیع وفرمان بردار بن جائے اور ان کے احکام کو بجالائے اور گناہوں پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرتا رہے اور آئندہ ممنوعات سے اجتناب کرتا رہے تو ایسے لوگ ہی دنیا اور آخرت میں فلاح پانے والے اور کامیاب ہیں۔

منافقوں کی قسمیں

۵۳، ۵۴۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَي الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

اور وہ اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ حکم دیں تو ہم ضرور (جہاد کے لئے) نکل پڑیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرماں برداری کا حال معلوم ہے۔ بیشک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو

رسول کے ذمے تو وہی ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے۔ اور تمہارے ذمے
وہ ہے جو تم پر بار رکھا گیا ہے۔ اور اگر تم اس (رسول) کی اطاعت کرو گے تو
ہدایت پاؤ گے اور رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

جَهْدَ: زوردار کوشش۔ سخت۔ پختہ۔ تاکید۔ مصدر ہے۔

اَیْمَانِهِمْ: ان کی قسمیں۔ واحد یَمِیْنٌ۔

حُمِّلَ: اس پر بار رکھا گیا۔ وہ لادا گیا۔ تَحْمِیْلٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: ان آیتوں میں اہل نفاق کا حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اپنی خیر خواہی کا یقین دلاتے ہوئے پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ جہاد کے لئے تیار ہیں۔ آپ کا حکم ہوتے ہی گھر بار اور اہل و عیال کو چھوڑ کر فوراً میدان جنگ میں پہنچ جائیں گے۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان کو لمبی چوڑی قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ ان کی اطاعت کی حقیقت کھل چکی ہے کہ زبان سے تو بہت دعوے کرتے ہیں مگر عملاً صفر ہیں۔ جس قدر ان کی زبان مومن ہے اسی قدر دل کافر ہے۔ ان کی قسمیں صرف مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی فعل مخفی نہیں۔ وہ اپنے بندوں کے ایک ایک عمل سے باخبر ہے۔، ہر ایک کے ظاہر و باطن سے پوری طرح آگاہ ہے، سو تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اتباع کرو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کے گناہ کا وبال بھی تم ہی پر ہوگا کیونکہ رسول کے ذمے تو صرف اللہ پیغام کا واضح طور پر پہنچا دینا اور امانت کو ادا کر دینا ہے۔ اللہ کے پیغام کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا تمہارے ذمے ہے۔ اگر تم شوق رغبت کے ساتھ رسول اللہ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

خلافتِ ارضی کا وعدہ

۵۵۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے تو اللہ نے ان
کیلئے وعدہ کرلیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں حکومت عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ ان
سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی تھی اور یقیناً جس دین کو اس نے ان کے لئے پسند
کیا ہے وہ اس کو ان کے لئے قوت دے گا۔ اور البتہ ان کے خوف کو امن سے
بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کرتے رہیں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ
ٹھہرائیں گے اور جو لوگ اس کے بعد بھی کفر کریں تو وہ یقیناً فاسق ہیں۔

شانِ نزول: طبرانی اور حاکم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام (ہجرت کرکے) مدینے تشریف لے آئے تو تمام عرب ان کا دشمن ہوگیا۔ مسلمان خوف کے مارے ہر وقت ہتھیار بند رہتے تھے۔ ان کو خیال ہوتا تھا کہ کاش (کبھی) ایسی زندگی بھی ہمیں میسرے ہوجائے کہ ہماری راتیں امن وچین کے ساتھ گزریں اور اللہ کے سوا ہمیں کسی کا خوف نہ ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶/۵۵۰)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ آپ کی امت کو زمین کا حکمران بنائے گا۔ گو آج یہ لوگ لرزاں وترساں ہیں۔ کل یہی لوگ امن واطمینان کے ساتھ حکومت کریں گے۔ دشمنانِ اسلام مغلوب ہوں گے اور مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوں گے۔ چنانچہ بحمد اللہ اسی طرح ہوا کہ مکہ، خیبر، بحرین، جزیرۂ عرب اور یمن تو خود آپ ﷺ کی موجودگی میں فتح ہوئے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حکومت کو مضبوط ومستحکم بنایا۔ اس کے ساتھ ہی ایک لشکرِ جرار حضرت خالد بن ولیدؓ کی سپہ سالاری میں بلاد فارس کی طرف بھیجا جس نے وہاں فتوحات کے ساتھ ساتھ کفر کے درختوں کو کاٹ چھانٹ کر ہر طرف اسلام کے پودے لگا دیئے۔ اسی طرح حضرت عبیدہ بن جراحؓ وغیرہ کے ماتحت شام کے علاقوں میں اسلام کے جانبازوں کو روانہ فرمایا۔ انہوں نے بھی اسلامی جھنڈا بلند کیا اور صلیبی نشان مٹائے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں مجاہدین کا ایک اور لشکر مصر کی طرف روانہ فرمایا۔

پھر حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ اور تمام ملک شام، مصر کا پورا علاقہ اور فارس کا اکثر حصہ آپ کی خلافت کے زمانے میں فتح ہوا۔ کسریٰ کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ خود کسریٰ کو منہ چھپانے کی جگہ نہ ملی، کامل ذلت اور اہانت کے ساتھ بھاگتا پھرا۔ قیصر کا نام و نشان مٹ گیا۔ اس کو روم کی سلطنت سے دستبردار ہونا پڑا۔ ان سلطنتوں کی صدیوں کی جمع کردہ دولت

اور خزانے اللہ کے ان نیک بندوں نے غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کئے اور اللہ کے وہ وعدے پورے ہوئے جو اس نے اپنے حبیب ﷺ کی زبانی کئے تھے۔

پھر حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اللہ کا دین مشرق و مغرب کی انتہا تک پھیل گیا، اندلس قبرص، قیروان وسبتہ یہاں تک کہ چین تک آپ کے زمانے میں فتح ہوئے۔ دوسری جانب مدائن، عراق، خراسان، اہواز سب فتح ہو گئے ترکوں سے جنگ عظیم ہوئی۔ آخر ان کا بڑا بادشاہ خاقان ذلیل وخوار ہوا۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ کرنے والے مومنوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو زمین پر خلیفہ اور حاکم ضرور بنائے گا۔ جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو بنا دیا تھا۔ پہلے لوگوں سے مراد حضرت داؤد حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرہ ہیں۔ قتادہ نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ آیت میں پہلے لوگوں سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح تم سے پہلے اس نے بنی اسرائیل کو مصر اور شام کی حکومتیں دیں اور ان کے ملک و مال کا وارث بنا دیا اسی طرح وہ تمہیں بھی دشمنانِ اسلام پر غلبہ عطا فرمائے گا اور ایسی عظیم سلطنت عطا فرمائے گا جو قوت وشوکت میں ضرب المثل ہوگی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے وہ ان کے لئے اس دین (اسلام) کو ضرور مستحکم ومضبوط کرے گا اور دنیا کی کوئی طاقت دین اسلام کو ہلا نہ سکے گی، اور یہ لوگ بے خوف وخطر اپنے دین پر عمل کریں گے، جو تمام دینوں پر غالب ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے خوف کو امن وسکون سے بدل دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے یہ تمام وعدے صبح کی سفیدی کی طرح پورے ہوئے اور آپ کی نبوت ورسالت کی دلیل بنے۔

پھر فرمایا سلطنت وحکومت مل جانے کے بعد یہ لوگ دنیوی حکمرانوں کی طرح اپنے رب سے غافل نہیں ہوں گے، بلکہ اس کی عبادت و بندگی میں لگے رہیں گے اور اس کے ساتھ کسی کو ذرہ برابر بھی شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ پس ایسی حکومت اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ لہذا جو شخص اس عظیم انعام کے بعد ناشکری کرے تو ایسے ہی لوگ اعلیٰ درجے کے فاسق ہیں، اس ناشکری کا آغاز حضرت عثمان کے زمانے میں باغیوں سے ہوا۔

(ابن کثیر ۲۰۰۔۲۰۲/۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۴۳، ۱۴۴/۵)

کفار کا ٹھکانا

۵۶، ۵۷۔ وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۝

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۖ وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ۝

اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (اے نبی) یہ خیال بھی نہ کرنا کہ کافر زمین میں (اللہ کو) عاجز کر دیں گے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

تشریح: اے مسلمانو! جب تمہیں ایمان وعمل صالح کے ثمرات و برکات معلوم ہو گئے تو اب تمہیں نماز قائم کرنی چاہئے اور زکوۃ ادا کرنی چاہئے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اتباع اور فرماں برداری کرنی چاہئے تا کہ تم پر اللہ کی خاص رحمت ہو۔

اے نبی ﷺ آپ کو یہ گمان بھی نہیں ہونا چاہئے کہ آپ کو جھٹلانے والے اور آپ کو نہ ماننے والے ادھر ادھر بھاگ کر ہمیں عاجز کر دیں گے اور ہمارے بے پناہ عذابوں سے بچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر لمحہ ان کو پکڑنے پر قادر ہے۔ اس نے کسی حکمت کے تحت ان کو مہلت دے رکھی ہے۔ آخر کار ان کا اصل ٹھکانا جہنم ہے جو بلاشبہ نہایت بری جگہ ہے۔ دنیا میں جو عیش و راحت ان کو ملی ہوئی ہے وہ چند روزہ ہے۔ اس پر فخر و غرور کرنے کی بجائے آخرت کے انجام اور دوزخ سے بچنے کی فکر کرنی چاہئے۔

اجازت لیکر گھر میں داخل ہونا

۵۸۔۶۰۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۚ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ۚ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوّٰفُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۝ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۝ وَالْقَوَاعِدُ

مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝

اے ایمان والوں ! تمہارے غلام اورتمہارے وہ لڑکے جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ان تین وقتوں میں تم سے اجازت لے کرتمہارے پاس آیا کریں۔ نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جبکہ تم اپنے کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہواور نماز عشا کے بعد، یہ تینوں وقت تمہارے پردے کے ہیں۔ان (وقتوں) کے بعد (بلا اجازت آنے پر) نہ تم پر کچھ گناہ ہے اور نہ ان پر، تم سب آپس میں بکثرت ایک دوسرے کے پاس آنے جانے والے ہو۔ اللہ تعالی اسی طرح تم سے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ (خوب) جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اور جب تمہارے لڑکے حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینی چاہئے جس طرح ان سے اگلے لوگ (ان کے بڑے) اجازت لیتے رہے۔ اللہ اسی طرح اپنے احکام تمہارے لئے کھول کر بیان کرتا ہے۔ اور بڑی بوڑھی عورتیں جنہیں نکاح کی امید ہی نہ رہی ہو تو ان پر بھی کچھ گناہ نہیں کہ وہ اپنے (گھروں میں) اپنے کپڑے (چادریں) اتار دیا کریں بشرطیکہ وہ اپنی زینت (بناؤ سنگھار) ظاہر کرنے والی نہ ہوں اور اگر وہ اس (چادریں اتانے) سے بھی بچیں تو ان کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ اور اللہ خوب سنتا (اور) خوب جانتا ہے۔

اَلْحُلُمَ: بلوغ۔ عقل۔ خوب دیکھنا۔ جمع اَحلامٌ۔

تَضَعُوْنَ: تم رکھتے ہو۔ وَضعٌ سے مضارع۔

عَوْرٰتٍ: شرمگاہیں۔ پردے کی باتیں۔ واحد عَوْرَۃٌ۔

جُنَاحٌ: گناہ۔

قَوَاعِدُ: عمر رسیدہ عوتیں جو نکاح حمل اور حیض کے قابل نہ رہی ہوں۔ واحد قاعِدُ۔

مُتَبَرِّ جٰتٍ: اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کرنے والی عورتیں۔ آراستہ ہونے والی عوتیں۔ تَبَرُّجٌ سے اسم فاعل۔

يَسْتَعْفِفْنَ: ان کا (چادر کے بغیر پھرنے سے) پرہیز کرنا۔ ان کا بچتے رہنا۔ اِسْتِعْفَافٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حبان کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت اسماء بنت مرثد کا ایک غلام تھا جو اکثر حضرت اسماء کے پاس ایسے وقت میں (بلا اجازت) آجاتا تھا کہ اس وقت کا آنا ان کو ناگوار گزرتا تھا۔ حضرت اسماء رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہمارے خادم اور غلام ایسے وقت میں ہمارے پاس آجاتے ہیں کہ اس وقت ان کا آنا ہمیں ناگوار ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶/۵۵۴، ابن کثیر ۳/۳۰۳)

تشریح: اس سورت میں زیادہ تر احکام بے حیائی اور فواحش کے انسداد کے لئے آئے ہیں۔ اسی مناسبت سے کچھ آداب معاشرت اور ملاقات باہمی کے احکام بھی بیان ہوئے ہیں۔ آداب معاشرت اور ملاقات باہمی کے سلسلے میں اسی سورت کی آیات ۲۷۔۲۹۔ میں بتایا گیا ہے کہ جب تم کسی سے ملاقات کے لئے جاؤ تو اجازت لئے بغیر اس کے گھر میں داخل نہ ہوا کرو، خواہ گھر زنانہ ہو یا مردانہ اور ملاقات کے لئے آنے والا مرد ہو یا عورت۔ گھر میں جانے سے پہلے سب کے لئے اجازت لینا ضروری ہے۔

ان آیتوں میں جس اجازت کا بیان ہے اس کا تعلق غلاموں اور کنیزوں اور چھوٹے بچوں سے ہے، جو عموماً ایک ہی گھر میں رہتے ہیں اور ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے حکم ہے کہ وہ صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو آرام کرنے کے وقت جب تم اپنے زائد کپڑے اتار کر رکھتے ہو اور عشا کی نماز کے بعد کے اوقات میں اجازت لے کر آئیں، کیونکہ یہ تینوں اوقات پردے اور خلوت کے اوقات ہیں۔ ان میں آدمی آزاد اور بے تکلف رہنا چاہتا ہے اور عموماً آدمی اپنے زائد کپڑے اتار دیتا ہے یا سونے جاگنے کا لباس تبدیل کرتا ہے۔ اس لئے کنیزیں یا غلام یا وہ لڑکے جو جوانی کے قریب بھی نہ پہنچے ہوں وہ ان اوقات میں تمہاری خلوت گاہوں میں بلا اجازت داخل نہ ہوں تا کہ تمہاری بے تکلفی اور آرام میں خلل نہ پڑے۔ آیت میں ملکت ایمانکم سے کنیزیں اور نابالغ غلام دونوں مراد ہیں، جو ہر وقت گھر میں آنے جانے کے عادی ہوں۔ ان میں سے جو غلام بالغ ہو وہ تو شرعاً اجنبی، غیر محرم کے حکم میں ہے۔ اس کی آقا اور مالک عورت کو بھی اس سے پردہ کرنا واجب ہے۔

ان ممنوعہ اوقات کے علاوہ باقی اوقات میں غلاموں، کنیزوں اور چھوٹے بچوں کے تمہارے پاس بلا روک ٹوک آنے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کو ہر بار اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ وہ بلا اجازت تمہارے پاس آ جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے حالات کو خوب جانتا ہے اور شرعی قوانین کو نافذ کرنے میں بڑا حکمت والا ہے۔ البتہ جب بچے بالغ ہو جائیں تو پھر انہیں مذکورہ تین اوقات کے علاوہ دوسرے وقتوں میں بھی اجازت لینی چاہئے جس طرح وہ بالغ لوگ اجازت لیتے ہیں جن کا حکم اسی سورت کی آیت ۲۷ میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنے احکام بیان فرماتا ہے اور وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

جو بوڑھی عورتیں ایسی عمر کو پہنچ جائیں کہ ان کو نکاح کی حاجت نہ رہے اور وہ گھر میں ہی بیٹھی رہتی ہیں تو ایسی حالت میں اگر وہ اپنے گھر میں وہ زائد کپڑے جن کو پردے کے طور پر اوپر پہنے ہوئے تھی اتار کر تھوڑے کپڑوں میں رہیں تو بھی درست ہے۔ اور گھر سے باہر نکلتے وقت بھی زائد کپڑے مثلاً برقع وغیرہ اتار کر جانے میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس سے اظہار زینت مقصود نہ ہو یعنی مردوں کو اپنے محاسن دکھانا مقصود نہ ہو۔ لیکن ان کے لئے بھی افضل یہی ہے کہ گھر میں بھی وہ اپنے زائد کپڑے: اتاریں اور پورے پردے کے ساتھ رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے قول کو خوب سننے والا اوران کی نیتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۴۴۴۔۴۴۷/۶، مواہب الرحمٰن ۲۳۴،۲۳۹/۱۸)

کھانا کھانے کے آداب

۶۱۔ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

نہ اندھے پر کچھ تنگی ہے اور نہ لنگڑے پر اور نہ مریض پر اور نہ خود تم پر، اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے مالک تم ہو یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ پھر جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو جو اللہ کی طرف سے مبارک اور عمدہ دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح (کھول کھول کر) تمہارے لئے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔

مَلَكْتُمْ: تم مالک ہو۔ مِلْكٌ سے ماضی۔

مَفَاتِحَهٗ: اس کی کنجیاں۔ اس کے خزانے۔ واحد مِفْتَاحٌ۔

اَشْتَاتًا: الگ الگ۔ جدا جدا۔ واحد شَتٌّ و شَتَاتٌ۔

شانِ نزول: آیت کے شان نزول میں مختلف روایتیں ہیں۔ بغوی نے سعید بن جبیر اور ضحاک وغیرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ لنگڑے، اندھے اور بیمار لوگ تندرست لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے خود گریز کرتے تھے کیونکہ تندرست لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کے ساتھ کھانے کو برا سمجھتے تھے۔ اندھا کہتا تھا کہ ممکن ہے میں زیادہ کھا جاؤں (اور دوسروں کے لئے کھانا کم پڑ جائے) لنگڑا کہتا تھا مجھے بیٹھنے کے لئے دو آدمیوں کی جگہ گھیرنا پڑے گی (اس سے دوسروں کو تنگی ہوگی) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جب آیت: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ نازل ہوئی تو بیماروں، لنگڑوں اور اندھوں کے ساتھ کھانے سے مسلمانوں پر دشواری آ پڑی۔ مسلمانوں نے کہا کہ کھانے کا درجہ تو ہر مال سے اونچا ہے اور اللہ نے خلاف حق کھانے سے منع فرمایا ہے۔ نابینا آدمی تو عمدہ کھانے کو دیکھ ہی نہیں سکتا اور لنگڑا ٹھیک طرح بیٹھ نہیں سکتا اور مزاحمت نہیں کر سکتا اور بیمار کھانا اٹھانے ہی سے کمزور ہوتا ہے (تو ہم ان کے ساتھ کیسے کھا سکتے ہیں) اس پر یہ آیت مَفَاتِحَه تک نازل ہوئی۔

سعید بن میسّب کہتے ہیں کہ مسلمان جب جہاد کو جاتے تھے تو کچھ اپاہج لوگوں کو اپنے گھروں میں چھوڑ کر اپنے گھروں کی کنجیاں ان کو دے جاتے تھے اور کہہ دیتے تھے کہ تمہیں ہماری طرف سے اجازت ہے۔ جو کچھ ہمارے گھر میں ہے، تم اس میں سے کھا سکتے ہو لیکن ان لوگوں کو (اس میں) دشواری پیش آتی تھی اور کہتے تھے کہ جب گھر والے یہاں موجود نہیں تو ہم ان کے گھروں کے اندر داخل نہیں ہوں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے اجازت عطا فرمادی۔

(مظہری ۵۵۹۔۵۶۰/۶ روح المعانی ۲۱۸/۱۸، ابن کثیر ۳۰۵/۳)

تشریح: زمانۂ جاہلیت میں محتاج و معذور لوگ مال داروں اور تندرست لوگوں کے ساتھ کھانے سے احتراز کرتے تھے کیونکہ انہیں یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید لوگوں کو ہمارے ساتھ کھانے سے نفرت ہو یا ہماری بعض حرکتوں سے ان کو ایذا پہنچتی ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نابینا، لنگڑے اور بیمار لوگوں کو تندرست لوگوں کے ساتھ مل کر کھانے کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ معذوروں اور بیماروں کے ساتھ مل کر کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

پھر فرمایا کہ تم پر اس میں بھی کوئی تنگی اور حرج نہیں کہ تم اپنے گھروں میں رکھی ہوئی چیزوں میں سے کھاؤ یا اپنے باپوں یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں اور بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں اور پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں اور خالاؤں کے گھروں سے کھاؤ۔ یا اس مال میں سے کھاؤ جس کی کنجیاں تمہیں دے دی گئی ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ۔ اپنے گھروں سے مراد وہ گھر ہیں جن میں بیوی بچے ہوں۔ اس میں اولاد کے گھر بھی شامل ہیں، اولاد کا گھر بھی اپنا ہی گھر ہوتا ہے۔

ابوداؤد، دارمی، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، پاکیزہ ترین مال وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کمائے اور آدمی کی اولاد بھی اس کی کمائی سے ہے۔

پھر فرمایا کہ اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ساتھ مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ۔ اس آیت میں اجازت دی گئی ہے کہ تم مہمان کے ساتھ مل کر کھانا کھاؤ یا الگ کھاؤ دونوں طرح جائز ہے۔ اس بارے میں تم پر کوئی تنگی نہیں۔ پھر جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو تم آپس میں سلام کیا کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کی ہوئی دعا ہے جو نہایت عمدہ اور بابرکت ہے۔ اس کو سنتے ہی گھر والوں کے دل خوش ہو جاتے ہیں کہ داخل ہونے والا ہماری سلامتی اور بھلائی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اس طرح

صاف صاف احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم ان کو سمجھ کر ان پر عمل کرو۔

ترمذی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا بیٹے جب تو گھر والوں کے پاس (گھر کے اندر) داخل ہو تو ان کو سلام کیا کر تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت ہوگی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اسلام (میں) کونسا (عمل) سب سے اچھا ہے۔آپ نے فرمایا یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور (ہر شخص کو) سلام کرو خواہ اس کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔

حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت ہے کہ سوار پیدل کو سلام کرے اور پیدل بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے (آدمی) بہت (آدمیوں) کو۔ (روح المعانی ۲۱۷۔۲۲۲/ ۱۸، مظہری ۵۶۴، ۵۶۵/ ۶)

مجلسِ نبوی کے آداب

۶۲۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور جب وہ کسی ایسے معاملے میں جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے، رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو جب تک وہ اس (رسول) سے اجازت نہ لے لیں وہ کہیں نہیں جاتے۔ (اے رسول) جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں حقیقت میں یہی لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ (اے نبی ﷺ) پھر جب ایسے لوگ اپنے کسی کام کے لئے آپ سے اجازت مانگیں تو ان میں جس کو آپ چاہیں اجازت دے دیا کریں اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا بھی کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

شَاْنِهِمْ: ان کا حال۔ ان کا کام۔ ان کا معاملہ۔

شِئْتَ :　تونے چاہا۔تونے ارادہ کیا۔مَشِیْئَۃٌ سے ماضی۔

تشریح: اس آیت میں مسجد نبوی کے آداب کا بیان ہے کہ جس طرح آتے وقت اجازت لے کر آتے ہو اس طرح جاتے وقت بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر جانا چاہئے خاص طور پر جب وہ آپ کے ساتھ ایسے کام پر ہوں جس کے لئے ان کو جمع کیا گیا ہے۔مثلاً نماز جمعہ یا عیدین، جہاد یا غزوہ یا کسی معاملے میں مشورہ وغیرہ۔رسول اللہ ﷺ جب کسی کو بلائیں تو اس پر آپ کی خدمت میں حاضر ہونا واجب ہے اور مجلس سے بلا اجازت اٹھ کر چلے جانا یا آپ کے بلانے پر حاضر خدمت نہ ہونا منافقین کا طریقہ ہے،اس لئے مومنوں کو آنحضرت ﷺ کی تعظیم اور ادب و احترام کا ہر حال میں لحاظ رکھنا چاہئے۔

بے شک جو لوگ اپنی ضروریات کے باوجود آپ کی اجازت کے بغیر آپ کی مجلس سے اٹھنا گوارا نہیں کرتے تو یہی لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر صمیم قلب سے کامل ایمان رکھنے والے ہیں اور تمام احکام میں ان کی اطاعت کرنے والے ہیں۔پس جب یہ اہل ایمان آپ سے اپنی کسی ضرورت کے لئے جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو مناسب سمجھیں اجازت دے دیا کریں۔اجازت لینے کے بعد بھی اجتماعی کام کو چھوڑ کر جانا ایک قسم کی خطا ہے اور امر دین پر دنیوی کام کو ترجیح دینا یقیناً ایک قسم کی کوتاہی ہے۔اس لئے آپ ان کے لئے مغفرت کی دعا کیجئے تا کہ ان کی خطا اور کوتاہی کی تلافی ہو جائے۔بلا شبہ اللہ تعالیٰ بندوں کی خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف کرنے والا ہے اور ان پر مہربان ہے۔　　(روح المعانی ۲۲۳/ ۱۸،عثمانی ۲/۱۹۸)

آپ ﷺ کا خاص ادب

۶۳۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ سمجھو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔بیشک اللہ ان کو جانتا ہے جو تم میں سے آنکھ بچا کر نکل جاتے ہیں۔پس جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ

ان پر کوئی آفت آجائے یا ان کو کوئی اور دردناک عذاب پہنچے۔

یَتَسَلَّلُوْنَ: وہ آڑ میں ہو کر (مجلس نبوی سے) کھسک جاتے ہیں۔ وہ چھپ کر نکل جاتے ہیں۔ تَسَلُّلٌ سے مضارع۔

لِوَاذًا: نظر بچا کر۔ آڑ میں ہو کر۔ مصدر ہے۔

فَلْيَحْذَرِ: پس اس کو ڈرنا چاہئے۔ پس اس کو بچنا چاہئے۔ حَذْرٌ۔ سے امر غائب۔

تشریح: لوگ جب آپ ﷺ کو بلاتے تو آپ کا نام لے کر اس طرح پکارتے جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گستاخی سے منع فرمایا کہ نام نہ لو بلکہ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ کہہ کر پکارو تا کہ آپ کا ادب واحترام برقرار رہے۔ ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابونعیم نے اپنی دلائل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ وہ لوگ آپ کو یا محمد یا ابوالقاسم کہہ کر پکارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے ان کو منع فرمایا۔ آیت کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم آنحضرت ﷺ کی دعا کو اپنی دعاؤں کی طرح نہ سمجھو آپ کی دعا تو مقبول ومستجاب ہے اس لئے آپ کو کبھی تکلیف نہ دینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے منہ سے کوئی کلمہ نکل جائے اور تم تباہ وبرباد ہو جاؤ۔

آیت کا ایک اور مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ کسی اجتماعی معاملے کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بلائیں تو تم فوراً آپ کے حکم کی تعمیل کرو اور یہ نہ سمجھو کہ رسول اللہ ﷺ کا بلانا بھی ایسا ہی ہے جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو کہ اگر اس کا دل چاہا تو چلا گیا اور دل نہ چاہا تو نہ گیا۔ اور اگر چلا بھی گیا تو جب دل چاہا بغیر اجازت اٹھ کر چلا آیا۔ یاد رکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر لبیک کہنا فرض ہے اور اجازت لئے بغیر چلے آنا حرام ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو آنحضرت ﷺ کی مجلس سے دوسروں کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ یہاں منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی مجمع میں یا جمعہ کی نماز میں آپ کے ساتھ ہوتے تو موقع پاتے ہی ایک دوسرے کی آڑ لے کر خاموشی سے نکل جاتے۔ سو ایسے لوگوں کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی پر دنیا ہی میں ان پر کوئی مصیبت نہ آپڑے یا آخرت میں ان کو دردناک عذاب سے سابقہ پڑے۔

(روح المعانی ۲۲۴۔۲۲۶/ ۱۸، ابن کثیر ۳۰۶، ۳۰۷/ ۳)۔

اللہ تعالیٰ کا علم محیط

۶۴۔ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

آگاہ ہو جاؤ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ اللہ (خوب) جانتا ہے جس حال پر تم ہو اور جس دن وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ پھر وہ ان کو بتا دے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

تشریح: آگاہ ہو جاؤ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے وہی سب کا مالک و خالق ہے۔ وہ بندوں کے کھلے اور چھپے ہوئے تمام اعمال کو جانتا ہے۔ ان کا ہر حال اس پر عیاں ہے۔ آسمانوں اور زمین کا ایک ذرہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہی تمام جان داروں کے حال کو جاننے والا اور وہی سب کا روزی رساں ہے۔ وہ خشکی اور تری کی ہر چیز کو جانتا ہے، نہ کسی پتے کا جھڑنا اس کے علم سے باہر ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں کے اندر کوئی دانہ اس کے علم سے باہر ہے۔

جس دن مخلوق اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائی جائے گی اس دن ان کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی اور بدی ان کے سامنے پیش کر دی جائے گی اس وقت ہر شخص اپنے اگلے پچھلے تمام اعمال دیکھ لے گا اور حیران ہو کر کہے گا کہ یہ کیسی کتاب ہے جس نے نہ چھوٹی چیز چھوڑی اور نہ بڑی، جو کچھ اس نے کیا تھا وہ سب اس میں پائے گا اور اللہ تو ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ (ابن کثیر ۳۰۷، ۳/۳۰۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الفرقان

وجہ تسمیہ: اس سورۃ کا نام فرقان اس لئے ہوا کہ یہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔اس میں ایسے مضامین ہیں جن سے حق و باطل کے آخری فیصلے کا علم ہو جاتا ہے۔

تعارف: اس میں چھ رکوع، ۷۷ آیتیں، ۸۷۲ کلمات اور ۳۷۸۰ حروف ہیں۔

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کہتے ہیں کہ تین آیتوں کے سوا یہ سورت مکی ہے اور وہ تین آیتیں وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً آخَرَ سے غَفُوْرًا رَّحِيْمًا تک مدینے میں نازل ہوئیں۔

ضحاک کہتے ہیں کہ اس کی ابتدائی تین آیتیں (ولا نشورا تک) مکی ہیں اور باقی سورت مدنی ہے۔ (روح المعانی ۱۸/۲۳۰)

اس میں توحید و رسالت اور قیامت کے مضامین کے علاوہ منکرین نبوت کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

پہلے توحید کا مضمون ہے پھر منکرین رسالت کا ایک ایک اعتراض نقل کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے۔ پھر مختصر طور پر چند انبیا کے واقعات بیان کئے گئے ہیں تا کہ منکرین نبوت ان سے عبرت پکڑیں اور ایمان لے آئیں۔اس کے بعد توحید کے چند دلائل کا بیان ہے تا کہ مشرکین شرک سے باز آ جائیں۔ آخر میں اہل ایمان و اہل اطاعت کی صفات و خصائل کا بیان ہے تا کہ منکرین ان کو دیکھ کر اپنے برے اعمال سے تائب ہو جائیں۔(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔۱۶۶،۱۶۷/۵)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: فیصلے کی کتاب کا بیان اور مشرکین کی جہالت مذکور ہے۔ پھر منکرین نبوت کے شبہات اور منکرین کی ابدی گمراہی کا بیان ہے۔

رکوع ۲: منکرین کا انجام بد، مؤمنین کے انعامات، قیامت کے روز مشرکوں کی رسوائی اور بعض کا بعض کے لئے باعث آزمائش ہونا مذکور ہے۔

رکوع ۳: کفار کے اعمال کی حقیقت اور رحمان کی بادشاہی کا بیان ہے۔ منکرین کی طرف سے انبیا کی عداوت اور قرآن کے بارے میں ان کے شبہات کا ذکر ہے۔

رکوع ۴: اقوام سابقہ کے واقعات اور منکرین نبوت کا چوپایوں سے بدتر ہونا مذکور ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے عظیم انعامات، پانی کی حکیمانہ تقسیم اور آنحضرت ﷺ کی علوِ شان کا بیان ہے۔ آخر میں میٹھے اور نمکین پانی کے دریاؤں کا ذکر اور منکرینِ نبوت کی جہالت و گمراہی کا بیان ہے۔

رکوع ۵: عجائبات قدرت، مومنوں کے اوصاف اور جہنم کی وادیٔ آثام کا بیان ہے۔ آخر میں مقربین کا انعام مذکور ہے۔

فیصلے کی کتاب

۱، ۲۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝

بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فیصلے کی کتاب (یعنی قرآن) نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کو خبردار کرنے والا بن جائے۔ اسی ذات کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے، اور اس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کر کے ایک اندازے پر ٹھہرا دیا۔

تشریح: ہر خیر و برکت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اسی نے اپنے بندے محمد ﷺ پر فرقان

(قرآن مجید) تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا جو اپنے واضح ارشادات کے ذریعے حق و باطل، ہدایت و گمراہی اور بھلائی و برائی میں تمیز اور فرق بتاتا ہے۔ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا اور ۲۳ سال کے عرصے میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کامل رحمت اور انتہائی مہربانی فرمائی کہ ان پر پوری کتاب ایک دفعہ میں نازل کر کے تمام معارف و احکام کا جاننا اور سب پر عمل کرنا ان پر ایک دم نہیں ڈالا۔ بلکہ معارف و احکام آہستہ آہستہ سکھائے اور فرائض و واجبات تھوڑے تھوڑے کر کے اتارے تاکہ ان پر عمل کرنے کی آسانی کے ساتھ مشق ہو جائے۔ اسی لئے قرآنی احکام سے نہ تو امت محمدیہ پر کچھ گرانی ہوئی اور نہ وہ گھبرائے۔ اس کے برعکس سابقہ کتابیں ایک بار نازل ہو جاتی تھیں چنانچہ بنی اسرائیل پر جب توریت نازل ہوئی تو انہوں نے بہت سے احکام فرائض وغیرہ دیکھ کر ان پر عمل کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ جب ان کے اوپر پہاڑ معلق کر دیا گیا تب جان کے خطرے کے باعث احکام قبول کرنے پر آمادہ ہوئے۔

پھر فرمایا کہ یہ کتاب آپ پر اس لئے نازل فرمائی گئی تاکہ آپ تمام جہان کے لئے خبردار کرنے والے بن جائیں اور ہر سرخ و سفید اور دور و نزدیک والے کو اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے ڈرا دیں اور اس کتاب مبین کو جو سراسر حکمت و ہدایت والی ہے اور باطل جس کے آس پاس بھی نہیں پھٹک سکتا، آپ اس کو دنیا بھر میں پہنچا دیں۔ آپ کی رسالت ہر اس شخص کے لئے ہے جو آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (اعراف آیت ۱۵۸)

اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر ہوں۔

اے لوگو! جس ذات نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور تم پر یہ قرآن نازل کیا ہے وہی اللہ تعالیٰ ہے، وہی آسمان و زمین کا تنہا مالک ہے۔ وہ جس کام کو کرنا چاہتا ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔ وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے۔ اس کے کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ ہر چیز اسی کی مخلوق اور اسی کے زیر پرورش ہے۔ وہ سب کا خالق وہ مالک، رازق و معبود اور رب ہے۔ اور وہی ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا اور تدبیر کرنے والا ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۲۵۹۔۲۶۳/ ۱۸، ابن کثیر ۳/۳۰۸)

مشرکین کی جہالت

۳۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝

اور لوگوں نے تو اس کے سوا اور معبود مقرر کر رکھے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو خود پیدا شدہ (مخلوق) ہیں اور وہ خود اپنی ذات کے لئے بھی کسی ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ وہ موت وحیات کے مالک ہیں اور نہ مر کر دوبارہ زندہ ہونے کے۔

تشریح: اس آیت میں مشرکوں کی جہالت بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک اور قادر و مختار کو چھوڑ کر، ان کی عبادت کرتے ہیں۔ جو ایسے عاجز و بے بس ہیں کہ ایک مچھر بھی نہیں بنا سکتے بلکہ خود ان کو پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ خود مخلوق ہیں خالق نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کا خالق ہے۔ وہ دوسروں کو تو کیا نفع یا نقصان پہنچائیں گے، وہ تو خود اپنے کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے، اگر مکھی ان سے کوئی چیز اڑا کر لے جائے تو وہ اس سے اپنی چیز بھی نہیں چھڑا سکتے۔ ان میں یہ قدرت بھی نہیں ہے کہ کسی پر موت طاری کر سکیں یا کسی کو ابتداءً زندگی دے سکیں یا مرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھا سکیں۔ یہ تمام امور الوہیت کے لئے ضروری ہیں۔ جس کے اندر یہ لوازم نہیں ہے وہ الٰہ اور معبود نہیں ہو سکتا۔

پس ان تمام امور کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہی اپنی تمام مخلوق کو قیامت کے دن نئے سرے سے پیدا کرے گا۔ اس پر یہ کام مشکل نہیں۔ صرف ایک آواز کے ساتھ تمام مری ہوئی مخلوق زندہ ہو کر اس کے سامنے ایک چٹیل میدان میں کھڑی ہو جائے گی۔ سو وہی معبود برحق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ (عثمانی ۲/۲۰۰، ابن کثیر ۳/۳۰۹)

منکرین نبوت کے شبہات

۴۔۶۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ

السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

اور کافروں نے کہا کہ یہ (قرآن) تو ایک بہتان کے سوا کچھ نہیں جو اس (رسول) نے خود ہی بنالیا ہے اور دوسرے لوگوں نے بھی اس میں اس کی اعانت کی ہے پس وہ منکر تو بڑے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں اور وہ کہنے لگے کہ یہ (قرآن) تو اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے کسی سے لکھوا لیا۔ سو یہی اس پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو تو اس ذات نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی مخفی باتیں جانتی ہے۔ بیشک وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

اِفْکٌ: بڑا جھوٹ۔ بڑا بہتان۔

زُوْرًا: جھوٹ۔ انحراف۔

تُمْلٰی: وہ املا کرائی جاتی ہے۔ وہ لکھوائی جاتی ہے۔ اِمْلَاءٌ سے مضارع مجہول۔

بُکْرَۃً: صبح۔ دن کا ابتدائی حصہ۔

اَصِیْلًا: شام۔ عصر و مغرب کا درمیانی وقت۔ جمع اٰصَالٌ۔

تشریح: ان آیتوں میں منکرین نبوت کے شبہات اور ان کے جواب دیئے گئے ہیں۔ ان کا پہلا شبہ یہ تھا کہ جو قرآن محمد ﷺ پیش کر رہے ہیں وہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ یہ نرا جھوٹ ہے۔ اس قرآن کو آپ نے اہل کتاب سے مدد لیکر خود تیار کیا ہے اور اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلا شبہ انہوں نے بہت ہی بے جا بات کی اور جھوٹ کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان مشرکین کے کہنے کے مطابق جن اہل کتاب کی مدد سے آپ نے یہ قرآن گھڑا ہے وہ تو ان کے دلی دوست ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے جانی دشمن ہیں۔ پھر یہ کلام تیار کر کے انہوں نے آپ ﷺ کو کیسے دے دیا اور ان کافروں کو کیوں نہ دیا حالانکہ وہ اِن کے غلام ہیں وہ ان کو کیسے انکار کر سکتے ہیں۔

منکرین نبوت کا دوسرا شبہ یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں بلکہ یہ اگلے لوگوں کے قصّے کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ چونکہ یہ نبی امی ہیں، خود پڑھ لکھ نہیں سکتے اس لئے یہ قصے انہوں نے دوسروں سے لکھوا لئے ہیں۔ یہ تحریریں صبح و شام اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جب بار بار سننے سے ان کو

یاد ہو جاتی ہیں تو وہ ان کو پڑھ کر ہمیں سنا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ وہ قرآن کسی انسان کا کلام نہیں ہے اور نہ اس کو کسی انسان نے بنایا اور تحریر کیا ہے بلکہ اس کو اس ذات نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھیدوں کو خوب جانتی ہے۔ منکرین کی گستاخی اور بے باکی کا تقاضا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ بیہودہ باتوں پر ان کو فوراً ہلاک کر دیتا لیکن وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے اور عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ اس لئے کامل قدرت کے باوجود اس نے اب تک ان کو عذاب نہیں دیا حالانکہ وہ عذاب کے مستحق ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۷۰،۱۷۱/ ۵، مواہب الرحمٰن ۲۶۸۔۲۷۰/ ۱۸)

منکرین کی ابدی گمراہی

۷۔۹، وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا کہ اس کے ساتھ رہ کر وہ بھی ڈراتا یا اس کے پاس کوئی خزانہ ہی ڈال دیا جاتا یا اس کے لئے اس کا کوئی باغ ہوتا جس میں سے وہ کھایا کرتا اور ظالم (یہ بھی) کہنے لگے کہ تم تو ایسے آدمی کے تابع ہو گئے جس پر جادو کیا گیا ہے۔ (اے نبی) دیکھو یہ آپ کے بارے میں کیسی کیسی باتیں بناتے ہیں۔ پس وہ ایسے گمراہ ہوئے کہ کسی طرح راہ نہیں پا سکتے۔

تشریح: یہاں منکرین نبوت کے تیسرے شبہ کا بیان ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو ہماری طرح کھاتا ہے اور ہماری ہی طرح بازاروں میں آتا جاتا ہے۔ اس لئے اس کو ہم پر کوئی

فضیلت حاصل نہیں۔ یہ ہمارا نبی نہیں ہو سکتا۔ رسول تو وہ ہوتا ہے جو نہ تو کھاتا پیتا ہے اور نہ بازاروں میں آتا جاتا ہے۔ یہ کیسا رسول ہے کہ نہ آپ ﷺ کو اپنی کوئی ذاتی قوت حاصل ہے اور نہ آپ کے ساتھ کوئی تائید کرنے والا فرشتہ ہے کہ ہم اس کی تصدیق سے آپ کی سچائی کا یقین کر لیتے۔ نہ آپ کی طرف آسمان سے کوئی خزانہ ڈالا گیا کہ آپ خود بھی آرام و راحت کی زندگی بسر کرتے اور دوسرے لوگوں پر خرچ کر کے ان کو اپنی طرف مائل کرتے اور اپنے پیروکاروں کو بھوک اور افلاس سے بچاتے یا پھر آپ کے پاس کوئی باغ ہوتا کہ آپ بے فکری سے اس سے کھا لیا کرتے اور کسب معاش کے محتاج نہ رہتے۔ جب آپ میں ایسی کوئی امتیازی شان نہیں تو ہم کیسے یقین کر لیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ پر یہ سب کچھ آسان ہے لیکن سردست ان چیزوں کے نہ دینے میں بھی حکمت ہے۔

پھر فرمایا کہ ان ظالموں نے تو حد ہی کر دی کہ مسلمانوں سے کہنے لگے کہ تم ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جو سحر زدہ ہے اور بہکی بہکی باتیں کرتا ہے، یہ لوگ کسی بات پر قائم نہیں رہتے۔ کبھی آپ کو ساحر کہتے ہیں۔ کبھی سحر زدہ بتاتے ہیں، کبھی شاعر کبھی جن کا سکھایا ہوا کہتے ہیں، کبھی کذاب اور کبھی مجنون کہتے ہیں۔ یہ سب باتیں بے بنیاد اور محض لغو ہیں۔ اے نبی ﷺ آپ دیکھئے تو سہی کہ یہ احمق آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کر رہے ہیں۔ سو یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں، اب ان کو ہدایت کا راستہ نہیں مل سکتا۔

منکرین کا انجامِ بد

۱۰-۱۴، تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝ۚ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝ۭ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝

وہ ذات تو ایسی بابرکت ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کے لئے (دنیا میں)
اس سے بھی بہتر باغات پیدا فرمادے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں
اور آپ کو بہت سے محل بھی دیدے۔ بلکہ وہ قیامت کو جھٹلاتے ہیں اور
ہم نے قیامت کے جھٹلانے والے کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔
جب وہ (آگ) ان (منکروں) کو دور سے دیکھے گی (تو جوش میں آئے
گی اور) وہ لوگ (دور ہی سے) اس کا جوش وخروش سنیں گے۔ اور جب
وہ اس کے کسی تنگ مکان (حصے) میں (ہاتھ پاؤں) جکڑ کر ڈال دیئے
جائیں گے تو وہ وہاں موت کو پکاریں گے (ان سے کہا جائے گا) کہ آج
ایک موت کو نہ پکارو (بلکہ) بہت سی موتوں کو پکارو۔

قُصُوْرًا: محلات۔ واحد قَصْرٌ۔

سَعِيْرًا: دہکتی ہوئی آگ، دوزخ، سَعْرٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

زَفِيْرًا: چیخ و پکار کرنا۔ چلانا۔ لمبا سانس لینا۔ مصدر ہے۔

مُقَرَّنِيْنَ: جکڑے ہوئے۔ کس کر باندھے ہوئے۔ تَقْرِيْنٌ سے اسم مفعول۔

ثُبُوْرًا: ہلاکت۔ تباہی۔ موت۔ مصدر ہے۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں کافروں نے آپ کے بارے میں جن شکوک وشبہات کا اظہار کیا تھا ان کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو اپنے نبی کو دنیا ہی میں اس سے بہت بہتر عطا فرمادے جو یہ کافر کہتے ہیں اور ان کو ایسے باغات عطا فرمادے جو ان باغات سے بہت بہتر ہوں اور ان کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں۔ جن کا یہ کافر مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہے تو اپنے نبی کو بہت سے پختہ محل عطا فرمادے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے نبی سے پہلے ہی یہ بات فرما چکا کہ اگر آپ چاہیں تو زمین کے خزانے اور ان کی کنجیاں آپ کو دے دی جائیں اور آپ کو اس قدر دنیا کا مالک کر دیا جائے کہ کسی اور کو اتنی نہ ملی ہو اس کے ساتھ ہی آپ کے لئے آخرت کی نعمتیں جوں کی توں برقرار ہیں لیکن آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا اور کہا کہ میرے لئے تو سب کچھ آخرت میں ہی جمع ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کافر قیامت پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں یہ خیال جما ہوا ہے کہ قیامت نہیں آئے گی۔ حالانکہ قیامت آکر رہے گی۔ ہم نے قیامت کو جھٹلانے والوں کے لئے دہکتی

ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ ابھی دوزخ بہت دور ہوگی کہ وہ ان کافروں کو دیکھ کر دور ہی سے پیچ و تاب کھائے گی اور جوش و خروش سے آوازیں نکالے گی۔ دوزخ کی آوازوں کو سن کر ان کافروں کے اوسان خطا ہو جائیں گے اور ہوش جاتے رہیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب جہنمی کو جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا تو جہنم چیخے گی اور ایک ایسی جھرجھری لے گی کہ تمام اہل محشر خوفزدہ ہو جائیں گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس طرح دیوار میں کیل مشکل سے گاڑی جاتی ہے اسی طرح ان دوزخیوں کو ٹھونسا جائے گا۔ یہ اس وقت خوب جکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کا بال بال بندھا ہوا ہوگا۔ یہ لوگ وہاں موت، ہلاکت اور حسرت کو پکاریں گے۔ قیامت کے روز جب منکرین جہنم و قیامت کو زنجیروں میں جکڑ کر جہنم کی تنگ و تاریک جگہ میں ڈال دیا جائے گا تو اس وقت وہ موت و ہلاکت کو پکاریں گے۔

احمد بزار، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے ابلیس کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔ وہ اس لباس کو اپنی دونوں بھنوؤں پر رکھ کر کھینچے گا اور یا ثبور (ہائے میری ہلاکت) پکارے گا اس کے پیچھے اس کی ذریات (اسی طرح کا لباس پہنے ہوئے) یا ثبور پکارتی ہوں گی۔ آخر سب دوزخ پر جا کر ٹھہریں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ اب ایک موت کو کیوں پکارتے ہو۔ اب بے شمار موتوں کو پکارو۔ ایک موت کو پکارنے سے تمہاری مصیبتیں ختم نہ ہوں گی کیونکہ وہاں عذابوں کا تو کوئی شمار نہیں جو ایک موت اور ایک ہلاکت سے ختم ہو جائیں، لہٰذا تمہارا موت کو پکانا بے معنی ہے۔ اب تم عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ (ابن کثیر ۳۱۰، ۳/۳۱۱، روح المعانی ۲۳۹-۱۸/۲۴۴)

مومنین کے انعامات

۱۵-۱۶۔ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِيْرًا ۝ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ۝

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ کیا یہ بہتر ہے یا وہ ہمیشگی والی جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے جو ان کا بدلہ اور ٹھکانا ہوگی۔ ان کو اس میں وہ سب ملے گا جو

وہ چاہیں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (اے نبی ﷺ) یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کے رب کے ذمے ہے، اس کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ ان منکرینِ قیامت کو دوزخ کا یہ حال سنا کر پوچھئے کہ ذلت اور مصیبت بہتر ہے جو تمہارے انکار و تکذیب کا نتیجہ ہے، یا ہمیشہ رہنے والی وہ جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ ہو چکا ہے۔ یہ ہمیشہ کی جنت ان کے اعمال کا صلہ، ان کی نیکوکاری و فرماں برداری کا ثواب اور ان کا عظیم الشان ٹھکانا ہے۔ وہاں ان کے لئے وہ سب کچھ ہے جس کی وہ خواہش کریں گے۔ یعنی جنت کے اندر ہر مومن اپنے مرتبے کے لائق نعمتیں حاصل کرے گا کھانا، پینا، لباس و سواری اور دیکھنے کی چیزیں وغیرہ۔ اس کے علاوہ وہاں وہ چیزیں بھی ملیں گی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک گزرا۔ وہ ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں نہ موت آئے گی نہ کوئی نعمت فنا ہوگی اور نہ وہ ان نعمتوں سے اکتائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ہر اہل جنت اپنے درجے میں نہایت مسرور ہوگا۔ اعلیٰ درجات والوں کو دیکھ کر ان کے حصول کا خیال تک نہیں آئے گا۔

اے نبی ﷺ! یہ آپ کے رب کا ایک وعدہ ہے جو اس کے ذمے ہے اور قابل درخواست ہے یعنی وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور طلب و دعا کی جائے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ وعدۂ سوال فوراً پورا ہوگا۔ (مواہب الرحمٰن ۲۷۹۔۲۸۲/ ۱۸)

مشرکوں کی رسوائی

۱۷۔۱۹۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝

اور جس دن اللہ ان کو اور ان کے (ان) معبودوں کو جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، جمع کر کے پوچھے گا کہ کیا تم ہی نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا

تھا یا وہ خود ہی راہ بھول گئے تھے۔(تو ان کے معبود) کہیں گے تو پاک ہے۔
ہماری کیا مجال تھی کہ تیرے سوا اوروں کو اپنا کارساز بناتے لیکن تو نے ان کو
اور ان کے باپ دادا کو (دنیا میں) آسودگی دی یہاں تک کہ وہ تیری یاد بھلا
بیٹھے اور یہ لوگ تو تھے ہی ہلاک ہونے والے۔پس تمہارے معبودوں نے تو
تمہیں تمہاری باتوں میں جھوٹا ٹھہرادیا سو اب تم نہ تو عذاب کو ٹال سکتے ہو اور
نہ (کسی سے) مدد لے سکتے ہو اور تم میں سے جس جس نے ظلم کیا ہے ہم اس
کو سخت عذاب چکھائیں گے۔

یَنْبَغِیْ: وہ لائق ہوتا ہے۔وہ درست ہوتا ہے۔اِنْبِغَاءٌ سے مضارع۔

مَتَّعْتَھُمْ: تو نے ان کو فائدہ پہنچایا۔تَمْتِیْعٌ ماضی۔

بُوْرًا: برباد ہونے والے ۔ہلاک ہونے والے۔واحد بَائِرٌ۔

صَرْفًا: پھرنا۔ٹالنا۔مصدر ہے۔

تشریح: قیامت کے روز اللہ مشرکوں اور گمراہوں کے سامنے ان کے باطل معبودوں سے باز پرس فرمائے گا کہ کیا تمہیں نے ان گمراہوں کو میرے سوا اپنی عبادت پر لگایا تھا یا یہ لوگ خود ہی تمہاری عبادت کر کے گمراہ ہوئے۔اس باز پرس کا مقصد یہ ہے کہ یہ باطل معبود مشرکوں کے سامنے انکار کریں اور ان سے برأت کا اظہار کریں تاکہ مشرکوں کو ندامت ہو اور ان کی خوب رسوائی ہو۔

باطل معبود جواب دیں گے کہ اے ہمارے رب تو شرک سے پاک ہے۔ہماری کیا مجال تھی کہ ہم تیرے سوا کسی اور کو اپنا ولی اور مددگار بناتے۔ہم نے ان لوگوں کو گمراہ نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی گمراہ ہوئے۔اے ہمارے رب تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا اور ان کو صحت اور طویل عمریں دیں یہاں تک کہ یہ لوگ دنیوی نعمتوں اور لذتوں میں پڑ کر تیری یاد سے غافل ہوتے گئے اور بھول گئے کہ وہ تیرے محتاج ہیں۔اے پروردگار تیرے ازلی علم میں تو یہ لوگ پہلے ہی ہلاک ہونے والے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ مشرکوں کو مخاطب کر کے کہے گا کہ تمہارے معبودوں نے تمہارے قول کی تکذیب کر دی سو اب تم نہ تو عذاب کو اپنے اوپر سے دفع کر سکتے ہو اور نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو۔اب تو تمہیں سزا کا مزا چکھنا ہی پڑے گا اور تم میں سے جس نے شرک کیا ہم اس کو بہت بڑا

عذاب چکھائیں گے۔ کوئی شخص مشرکوں پر سے اس عذاب کو دفع نہ کر سکے گا۔

(مواہب الرحمٰن ۲۸۳۔۲۸٦/ ۱۸، مظہری ۹۔۱۱/ ۷)

ایک دوسرے کی آزمائش

۲۰۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝

اور (اے نبی ﷺ) آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے تھے۔ اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے۔ کیا تم صبر کرو گے اور آپ کا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ کھانا پینا اور ضرورت کے لئے بازاروں میں جانا منصب نبوت کے منافی نہیں۔ اے رسول ﷺ! ہم نے آپ سے پہلے بھی لوگوں کی رہنمائی کے لئے بہت سے رسول بھیجے۔ وہ سب جنس بشر ہی سے تھے، کھانا کھاتے تھے اور اپنی ضروریات کے لئے بازارروں میں جاتے تھے اور کاروبار کرتے تھے، اس لئے مشرکوں کا اعتراض بے جا ہے۔

پھر فرمایا کہ ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے آزمائش بنا دیا۔ مالدار غریبوں کے لئے اور غریب مالداروں کے لئے باعث آزمائش ہیں۔ مالدار غریبوں کو حقارت سے نہ دیکھیں اور غریب مالداروں پر حسد نہ کریں۔ اے مسلمانو! کافروں کی یہ طعن و تشنیع اور ایذا رسانی تمہارے لئے آزمائش ہے۔ کیا تم اس طعن و تشنیع اور ایذا رسانی پر صبر کرو گے اور آپ کا رب صبر کرنے والوں اور صبر نہ کرنے والوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے مطابق اجر دے گا۔

صحیحین اور مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مال اور جسم کے لحاظ سے اپنے سے اونچے کو دیکھے تو (اس وقت وہ) اپنے سے نیچے کو بھی دیکھے۔ (یعنی اپنے سے اونچے کو مت دیکھو کہ اس سے حسرت ہوگی بلکہ نیچے کو دیکھو، اس سے تسلی ہوگی اور شکر کی توفیق ملے گی)۔

(مظہری ۱۱۔۱۲/ ۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۷٦/ ۵)

کفار کے اعمال کی حقیقت

۲۱۔۲۴۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝

اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے ، انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے ۔ البتہ انہوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے اور انہوں نے بہت بڑی سرکشی کی ہے ۔ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو اس دن مجرموں کے لئے کوئی خوشی نہ ہوگی اور وہ (اللہ سے) کہیں گے کہ (ہمارے اور فرشتوں کے درمیان) کوئی آڑ بنا دے اور جو اعمال انہوں نے کئے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کو اڑتی ہوئی خاک بنا دیں گے ۔ اس روز جنت والوں کا ٹھکانا ہی بہتر ہوگا اور (ان کی) خواب گاہ بھی عمدہ ہوگی ۔

عَتَوْا : انہوں نے سرکشی کی ۔ انہوں نے نافرمانی کی ۔

حِجْرًا : رکاوٹ ۔ پناہ ۔

هَبَاءً : گرد و غبار ۔ وہ باریک ذرے جو کسی سوراخ سے اندر داخل ہونے والی سورج کی کرن سے اڑتے ہوئے ، محسوس ہوتے ہیں ۔

مَنْثُوْرًا : بکھرا ہوا ۔ غیر منظوم ۔ نَثْرٌ سے اسم مفعول ۔

مَقِيْلًا : دو پہر کی خواب گاہیں ۔ آرام گاہ مراد جنت ۔ قَيْلُوْلَةٌ سے اسم ظرف ۔

تشریح: جو لوگ یہ امید نہیں رکھتے کہ ایک روز ان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب کتاب دینا ہے ، وہ سزا سے بالکل بے فکر ہو کر زبان سے احمقانہ اور گستاخانہ کلمات کہتے رہتے ہیں ۔ مثلاً یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہمارے پاس وحی لے کر فرشتے کیوں نہیں آتے یا ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھتے اور ہم خود اللہ تعالیٰ سے پوچھ لیتے اور اللہ تعالیٰ ہمیں بتا دیتا کہ یہ شخص میرا نبی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان

جاہلانہ احمقانہ اور گستاخانہ سوالوں کے جواب میں فرمایا کہ یہ بڑے سرکش اور متکبر ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے کہ وہ اللہ کو دیکھنے اور اللہ سے آپ ﷺ کے بارے میں دریافت کرنے اور وحی اور فرشتوں کے آنے کی تمنا کرتے ہیں۔ ان کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ فرشتہ ان کے پاس اللہ کا پیغام لے کر نہیں آئے گا بلکہ عذابِ الٰہی لے کر آئے گا۔ اس وقت ان کا سارا غرور کافور ہو جائے گا۔

قیامت کے روز جب ان کو عذاب کے فرشتے نظر آئیں گے تو اس سے ان کو کوئی خوشی حاصل نہ ہوگی بلکہ اس وقت ان کو سخت ہولناک مصائب کا سامنا ہوگا اور وہ پناہ طلب کریں گے اور چاہیں گے کہ ان کے اور فرشتوں کے درمیان کوئی سخت رکاوٹ قائم کر دی جائے تاکہ وہ فرشتے ان تک نہ پہنچ سکیں۔ لیکن ان کو پناہ نہیں ملے گی۔ پھر ہم ان اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے جن کو وہ دنیا میں نیک اور اچھا سمجھ کر کرتے تھے جیسے صلہ رحمی، مہمان داری اور یتیموں کی خبر گیری وغیرہ۔ چونکہ یہ اعمال ایمان و اخلاص سے خالی تھے اس لئے آخرت میں ان کا کوئی اجر و ثواب نہیں۔ سو کفار آخرت میں خالی ہاتھ ہوں گے اور ان کے تمام اعمال نیست و نابود اور ملیا میٹ کر دیئے جائیں گے۔ اس کے برخلاف مومنوں کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا اور ان کو عیش و راحت کے تمام سامان حاصل ہوں گے۔

(عثمانی ۲۰۴، ۲/۲۰۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۷۸، ۵/۱۷۹)

رحمان کی بادشاہی

۲۵۔۲۹۔ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰي يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَاۗءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝

اور جس دن آسمان بادل سے پھٹ جائے گا اور فرشتے لگاتار اترنے لگیں گے تو اس دن حقیقی سلطنت رحمٰن کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا اور اس دن ظالم آدمی اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا (اور) کہے گا اے کاش میں نے رسول کے ساتھ (دین حق کی) راہ اختیار کی ہوتی۔ ہائے افسوس، کاش

میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔اس نے تو نصیحت آنے کے بعد بھی مجھے
گمراہ کر دیا اور شیطان تو تھا ہی انسان کو رسوا کرنے والا۔

اَلْغَمَام: بادل۔سفید ابر۔واحد غَمَامَةٌ.

عَسِیْرًا: سخت۔مشکل۔بھاری۔عُسْرٌ سے صفت مشبہ۔

یَعَضُّ: وہ دانت سے کاٹے گا۔وہ انتہائی نادم ہوگا۔عَضٌّ سے مضارع۔

یٰلَیْتَنِیْ: اے کاش میں۔

یٰوَیْلَتٰی: ہائے افسوس۔

خَذُوْلاً: وقت پر دھوکہ دینے والا۔مصیبت میں تنہا چھوڑ دینے والا۔خَذْلٌ سے فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ۔

تشریح: قیامت کے دن جو ہولناک امور ہوں گے ان میں سے آسمان کا پھٹ جانا اور ایک نوارنی ابر کا نمودار ہونا بھی ہے، جس کی روشنی سے آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی۔پھر فرشتے اتریں گے اور میدان حشر میں تمام انسانوں کو گھیر لیں گے۔پھر اللہ تعالیٰ فیصلے کے لئے اپنے بندوں میں تشریف لائے گا۔اس دن صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہت ہوگی جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ. (سورۃ مومن آیت ۱۶)

آج کس کی بادشاہی ہے۔صرف اللہ واحد وقہار کی۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ سے لپیٹ لے گا اور زمینوں کو اپنے دوسرے ہات میں لے لے گا۔پھر فرمائے گا میں مالک ہوں، میں دیان ہوں۔زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ تکبر کرنے والے کہاں ہیں؟

وہ دن کافروں پر بڑا بھاری ہوگا۔البتہ مومنوں پر اس دن مطلق گھبراہٹ یا پریشانی نہ ہوگی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس دن کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہوگی (اور عرض کیا گیا) کیسا طویل دن ہوگا۔(اتنا لمبا وقت کیسے کٹے گا۔) آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مومن کے لئے وہ بہت ہلکا ہوگا۔یہاں تک کہ اس کے لئے ایک وقت کی فرض نماز سے بھی زیادہ آسان (اور چھوٹا) ہوگا۔

اس دن ظالم کو اپنی بداعمالیاں یاد آئیں گی اور وہ حسرت و ندامت سے اپنے دونوں

ہاتھوں کو چبائے گا جیسے حسرت کرنے والا کرتا ہے اور آہ وزاری کرے گا اور کہے گا کاش میں نے رسول اللہ ﷺ کا دین اختیار کیا ہوتا کاش میں دنیا میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔ بلاشبہ اسی نے مجھے نصیحت اور ہدایت سے بہکایا جبکہ وہ نصیحت و ہدایت میرے پاس آچکی تھی اور شیطان تو ہے ہی انسان کو وقت پر دھوکہ دینے والا۔

حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، سوائے مومن کے کسی کے ساتھ نہ رہو، اور سوائے پرہیز گاروں کے تمہارا کھانا اور کوئی نہ کھائے۔ یعنی صرف نیک لوگوں کی دعوت کرو۔ (احمد، ترمذی، ابن حبان حاکم)

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (عام طور پر) آدمی اپنے دوست کے مسلک پر ہوتا ہے اس لئے اس کو (پہلے سے) دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔ (ابن کثیر ۳۱۵۔۳۱۷/۳، مظہری ۱۴۔۱۷/۷)

انبیا کی عداوت

۳۰، ۳۱۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا ۝

اور رسول کہے گا۔ اے میرے رب بیشک میری قوم نے تو اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا اور اسی طرح ہم مجرموں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہے اور (لوگوں کی) رہنمائی کے لئے اور (انبیا کی) مدد کے لئے آپ کا رب کافی ہے۔

اِتَّخَذُوْا: انہوں نے اختیار کیا۔ انہوں نے لیا۔ اِتِّخَاذ سے ماضی

مَهْجُوْرًا: نظر انداز کیا ہوا۔ چھوڑا ہوا۔ ترک کیا ہوا۔ هَجْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے اپنی قوم کی سرکشی اور بیہودہ کلامی کی شکایت کریں گے کہ یہ لوگ خود بھی اس قرآن پر ایمان نہیں لائے اور انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا اور یہ لوگ دوسروں کو بھی اس پر ایمان لانے اور عمل کرنے سے روکتے رہے اور کہتے رہے۔

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ. (سورۂ حم السجدہ آیت ۲۶)

اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے کے وقت شور و غل کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ جس طرح آپ کی قوم میں قرآن کو نظر انداز کر دینے والے لوگ ہیں اسی طرح اگلی امتوں میں بھی ایسے لوگ تھے جو خود بھی کفر کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اپنے کفر میں شریک کرتے تھے اور گمراہی پھیلانے کی فکر میں لگے رہتے تھے، پس جس طرح سابقہ انبیا نے صبر کیا، آپ بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ خود اس کا ہادی و ناصر ہے جو اللہ اس کے رسول پر ایمان لائے۔

کفار کے شبہات

۳۲۔۳۴، وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝

اور کافر کہنے لگے کہ اس (نبی) پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ نازل کر دیا گیا۔ اسی طرح (نازل ہونا چاہئے تھا) تاکہ ہم اس سے آپ کے دل کو تسکین دیتے رہیں، اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سنایا (بتدریج اتارا)۔ اور یہ لوگ آپ کے پاس کیسا ہی سوال لائیں ہم آپ کو اس کا ٹھیک جواب اور عمدہ توجیہ دیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اوندھے منہ جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔ انہی لوگوں کا ٹھکانا برا ہے اور وہی راہ راست سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔

تشریح: مشرکین مکہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ایک اعتراض یہ بھی کرتے تھے کہ جس طرح دوسری آسمانی کتابیں ایک ہی دفعہ میں پوری کی پوری نازل ہوتی رہیں اسی طرح یہ قرآن بھی ایک ہی دفعہ میں پورا نازل کیوں نہیں ہوا۔ یہ ۲۳ برسوں میں تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل ہوا۔ اس سے تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ محمد ﷺ خود سوچ سوچ کر اس قرآن کو بناتے رہتے ہیں اور موقع کی مناسبت سے تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کا جو سبب ان کافروں نے سمجھا ہے وہ صحیح نہیں بلکہ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔

۱۔ تھوڑا تھوڑا نازل کرنے سے قرآن کے حفظ کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔

۲۔ ضرورت اور موقع کے لحاظ سے ٹھہر ٹھہر کر (احکام) اتارے تاکہ عمل کرنے میں آسانی

رہے ورنہ ایک دم سب احکام پر عمل کرنا بہت دشوار ہوتا۔

۳۔اس سے مقصود اپنے رسول کے قلب کی تقویت ہے۔

۴۔روح القدس کی بار بار آمد تائید وتقویت اور خیر و برکت کی موجب ہے۔

کافر جب کوئی عجیب سوال آپ سے کرتے ہیں تو ہم اس سوال کا ٹھیک ٹھیک اور صاف صاف جواب آپ کو بتا دیتے ہیں۔جس سے ان کا اعتراض دور ہو جاتا ہے اور ان کے لئے بولنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی البتہ جن لوگوں کی عقل اوندھی ہوگئی ہو وہ سیدھی، صاف اور واضح بات کو بھی ٹیڑھی سمجھتے ہیں۔قیامت کے روز یہی لوگ جہنم کی طرف اوندھے منہ گھسیٹے جائیں گے۔یہی لوگ برے ٹھکانے والے اور سب سے بڑھ کر گمراہ ہیں۔

ابوداؤد اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو تین طرح چلایا جائے گا۔کچھ سوار، کچھ پیدل اور کچھ منہ کے بل چلنے والے۔عرض کیا گیا یارسول اللہ ﷺ وہ اپنے چہروں کے بل کیسے چلیں گے؟ آپ نے فرمایا جس نے انہیں پاؤں کے بل چلایا ہے وہ انہیں منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔

(عثمانی ۲/۲۰۷، روح المعانی ۱۵۔۱۷/۱۹)

اقوامِ سابقہ کے واقعات

۳۵۔۴۰۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۝ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝

اور البتہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو

بھی وزیر بنایا۔ سو ہم نے کہا کہ تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے ان (جھٹلانے والوں کو) جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اور قوم نوح کو جب انہوں نے رسول کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو (بھی) غرق کر دیا اور ہم نے ان کو لوگوں کے لئے (عبرت کا) ایک نشان بنا دیا۔ اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور عاد اور ثمود اور کنوئیں والوں کو (بھی ہلاک کیا) اور ان کے درمیانی زمانوں میں بہت سی امتوں کو (ہلاک کیا) اور ہم نے ہر ایک کے سامنے مثالیں بیان کیں اور (آخر) ہم نے سب کو بالکل برباد کر دیا۔ اور یقیناً (کفار مکہ) اس بستی پر سے بھی گزرے ہیں جس پر بُری بارش برسائی گئی۔ سو کیا وہ اس کو دیکھتے نہیں بلکہ وہ (تو) مر کر زندہ ہونے کی امید ہی نہیں رکھتے۔

دَمَّرْنٰھُمْ: ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ تَدْمِیْرٌ سے ماضی۔

اَعْتَدْنَا: ہم نے تیار کیا۔ اِعْتَادٌ سے ماضی۔

تَبَّرْنَا: ہم نے ہلاک کیا، تتبِیْرٌ سے ماضی۔

اُمْطِرَتْ: اس (بستی) پر برسایا گیا۔ اِمْطَارٌ سے ماضی مجھو ل۔

نُشُوْرًا: زندہ ہونا۔ منتشر ہونا مصدر ہے۔

تشریح: منکرین نبوت کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات کے بعد بعض سابقہ انبیا کے واقعات کا مختصر ذکر ہے تا کہ مشرکین مکہ سابقہ قوموں کے انجام سے عبرت پکڑیں اور آنحضرت ﷺ کی تکذیب و نافرمانی سے باز رہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ فرعون کے غرق ہونے کے بعد ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر اور مددگار بنایا تھا تا کہ وہ دعوت و تبلیغ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کریں۔ پھر ہم نے ان دونوں کو حکم دیا کہ تم ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ جب ان دونوں نے جا کر قوم فرعون کو دعوت دی تو انہوں نے دونوں کو جھٹلایا جس کے نتیجے میں وہ سب ہلاک کر دیئے گئے۔

موسیٰ علیہ السلام سے پہلے قوم نوح نے بھی ہمارے رسول کو جھٹلایا سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا اور روئے زمین پر سوائے ان کے جو حضرت نوح کی کشتی میں سوار تھے کوئی نہ بچا۔ اسی طرح

ہم نے اس واقعے کو نشان عبرت بنا دیا تا کہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں۔ آخرت میں ہم نے ان ظالموں کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ چونکہ ایک رسول کا جھٹلانا تمام انبیا کا جھٹلانا ہے اس لئے یہاں رُسُلُ کہا گیا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے گئے تھے۔ ان کی طرف صرف نوح علیہ السلام ہی بھیجے گئے تھے جو ساڑھے نو سو سال تک ان میں رہے اور ان کو تبلیغ دین کرتے رہے لیکن ان میں سے چند ایک کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا۔

پھر فرمایا کہ اسی تکذیب کی وجہ سے ہم نے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کی قوموں، عاد و ثمود کو ہلاک کیا اور حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے کنوئیں والوں کو ہلاک کیا۔ رَس ایک کنوئیں کا نام ہے یا کسی بستی کا نام ہے جس کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ اہل رس کسی اور نبی کی قوم تھے، جنہوں نے اپنے نبی کو کنوئیں میں بند کر دیا تھا۔ پھر ان پر اللہ کا عذاب آیا اور وہ ہلاک ہو گئے اور ان کے رسول کو خلاصی ملی۔

پھر ان قوموں کے درمیان اور بھی بہت سی امتیں آئیں جن کو اسی تکذیب کی وجہ سے ہلاک و برباد کر دیا گیا۔ ہر ایک کی نصیحت و ہدایت کے لئے ہم نے مثالیں بیان کیں، دلیلیں پیش کیں اور معجزے دکھائے تا کہ منکرین حق کو خوب سمجھ لیں اور انہیں کسی قسم کا شبہ اور عذر باقی نہ رہے مگر وہ پھر بھی تکذیب و انکار پر قائم رہے، اس لئے ہم نے ان کو اچھی طرح غارت کر کے ان کا قصہ تمام کر دیا۔

یہ اہل مکہ اپنی تجارت کے لئے ملک شام تو آتے جاتے رہتے ہیں اور سدوم کی بستی کے پاس سے بھی گزرتے رہتے ہیں جہاں قوم لوط آباد تھی، جس پر زمین الٹ دی گئی تھی اور آسمان سے پتھر برسائے گئے تھے۔ کیا انہوں نے ان بستیوں کو نہیں دیکھا۔ دوران سفر یہ لوگ یقیناً ان بستیوں کو دیکھتے ہیں مگر ان سے عبرت نہیں پکڑتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یقین نہیں رکھتے اسی لئے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

(معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۸۳۔۱۸۵/ ۵، مواہب الرحمٰن ۲۰۔۲۵/ ۱۹)

چوپایوں سے بدتر

۴۱۔۴۴۔ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ

حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ
اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ
اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

اور (اے نبی ﷺ) جب یہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ سے تمسخر کرنے لگتے ہیں کہ کیا یہ وہی شخص ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔اس نے تو ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے، اور بہت جلد ان کو معلوم ہو جائے گا جب یہ عذاب کو دیکھیں گے کہ کون راہ راست سے دور تھا۔(اے نبی ﷺ) کیا آپ نے اس کو بھی دیکھا جس نے اپنی خواہشاتِ نفسانی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔تو کیا آپ اس کے ذمے دار ہو سکتے ہیں۔(اے نبی ﷺ) کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں۔وہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔

كَادَ: وہ قریب ہے۔ کَوْدٌ سے ماضی۔

هَوٰىهُ: اس کی (نفسانی) خواہش۔اس کی (ناجائز) خواہش۔

حِيْنَ: وقت۔زمانہ۔مدت۔جمع اَحْيَانٌ۔

اَنْعَام: مویشی۔چوپائے۔واحد نَعَمٌ:

تشریح: مشرکینِ مکہ آپ کی تکذیب و انکار میں اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ جب وہ آپ کو دیکھتے تو ہنسی اڑانے لگتے اور تمسخر کے طور پر کہتے کہ کیا یہ وہی شخص ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔کیا ساری مخلوق میں یہی رسول بننے کے لئے رہ گئے تھے۔البتہ ان کی تقریر جادو کا اثر رکھتی ہے۔قریب تھا کہ اس کا زور بیان اور تقریر کی اثر آفرینی ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیتی اگر ہم اپنے معبودوں کی عبادت پر مضبوطی سے نہ جمے رہتے۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ بہت جلد جب عذاب کو دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ حقیقت میں کون گمراہی پر تھا۔اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو ہی معبود بنا رکھا ہے اور جدھر خواہش لے جاتی ہے اسی طرف چل

پڑ تا ہے، جو بات خواہش نفس کے مطابق ہوئی قبول کر لی اور جو مخالف ہوئی رد کر دی۔ آج ایک پتھر اچھا لگا تو اسے پوجنے لگے کل دوسرا اس سے خوبصورت مل گیا تو پہلے کو چھوڑ کر اس دوسرے کے آگے سر جھکا دیا۔ پس جو شخص اپنے نفس کی خواہش کے تابع ہوا سے کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اس لئے ان کو نہ کسی نصیحت سے فائدہ پہنچتا ہے اور نہ دلیل سے۔ چونکہ یہ لوگ دلائل اور معجزات کو آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود ان میں غور نہیں کرتے اس لئے یہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ جانور تو اپنے مالک کو پہچانتے ہیں اور اس کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اور اپنے نفع اور نقصان کی چیزوں کو جانتے اور سمجھتے ہیں مگر یہ بدبخت اپنے مالک کے سامنے جھکنے کے لئے تیار نہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۸۶۔۱۸۷/ ۵، مواہب الرحمٰن ۲۶، ۱۹/۲۹)

اللہ تعالیٰ کے عظیم انعامات

۴۵۔۴۷۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾

کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح سائے کو بڑھاتا ہے۔ اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ٹھہرائے رکھتا، پھر ہم نے آفتاب کو اس (سائے) کا راہنما بنا دیا۔ پھر ہم نے اس (سائے) کو آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیا اور اسی نے تو تمہارے لئے رات کو لباس اور نیند کو راحت بنایا اور دن کو منتشر ہونے (چلنے پھرنے) کے لئے بنایا۔

مَدَّ: اس نے کھینچا۔ اس نے دراز کیا۔ مَدٌّ سے ماضی۔

النَّوْمَ: نیند۔ سونا۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

سُبَاتًا: آرام۔ راحت۔ تکان دور کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: دھوپ اور چھاؤں انسان کے لئے عظیم نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے

پیدا فرمائیں اور ان کو انسانوں کے لئے موجب راحت وسکون بنایا۔ اگر ہر وقت اور ہر جگہ دھوپ ہی دھوپ ہو جائے تو انسان اور ہر جاندار کے لئے اس کو برداشت کرنا مشکل ہو جائے۔ اسی طرح اگر ہر وقت اور ہر جگہ سایہ ہو اور کبھی دھوپ نہ آئے تو انسان کی صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح دوسرے بہت سے کاموں میں خلل واقع ہوتا۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے غافل انسان کو متنبہ فرمایا ہے کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ صبح کے وقت ہر چیز کا سایہ مغرب کی جانب دراز ہوتا ہے۔ پھر وہ کم ہونا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ نصف النہار کے وقت ختم ہو جاتا ہے۔ پھر زوال کے بعد یہی سایہ بتدریج مشرق کی جانب پھیلنے لگتا ہے۔ پھر انسان روزانہ اس دھوپ اور چھاؤں کے فوائد حاصل کرتا ہے اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ یہ سب کچھ آفتاب کے طلوع ہونے، پھر بلند ہونے اور پھر ڈھلنے کے نتیجے میں ہوتا ہے مگر وہ کرۂ آفتاب کی تخلیق اور ایک خاص نظام کے تحت اس کے گردش کرنے میں غور نہیں کرتا۔

جس خالق و مالک نے آفتاب کی تخلیق فرمائی اور ایک خاص نظام کے تحت اس کی گردش کو قائم رکھا ہوا ہے وہی قادر مطلق اور سب کا رب ہے، وہی دھوپ اور چھاؤں کی نعمتوں کو عطا فرماتا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو دھوپ اور چھاؤں کو ایک ہی حالت پر قائم کر دیتا۔ جہاں دھوپ ہے وہاں ہمیشہ دھوپ ہی رہتی اور جہاں چھاؤں ہے وہاں ہمیشہ چھاؤں ہی رہتی اس سے مخلوق نہایت مشقت میں پڑ جاتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے ایسا نہیں کیا یعنی سایہ کو غیر متحرک نہیں بنایا بلکہ متحرک بنایا ہے۔

پھر فرمایا کہ جس طرح لباس انسان کے بدن کو چھپاتا ہے۔ اسی طرح رات کی تاریکی ایک قدرتی پردے کی چادر ہے جو پوری کائنات پر ڈال دی جاتی ہے اور وہ اس کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔ پھر اس رات میں تمام انسانوں اور جان داروں پر نیند مسلط کر دی جاتی ہے جس سے وہ آرام و راحت حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ نیند موت کی مانند ہوتی ہے اس لئے دن نکلنے پر نیند سے بیدار ہونا گویا موت کے بعد زندہ ہونا ہے۔ اسی لئے آیت میں دن کو زندہ ہونے کا وقت فرمایا۔ پس رات کی نیند بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور صبح کی بیداری بھی اس کی نعمت ہے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۴۸۱-۴۸۴/۶)

پانی کی حکیمانہ تقسیم

۴۸-۵۰، وَهُوَ الَّذِىٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ

السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿٤٨﴾ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿٤٩﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٥٠﴾

اور وہی تو ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے اور ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی اتارا تاکہ اس سے مردہ شہر کو زندہ کریں اور ہم اس کو اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو پلائیں اور بیشک ہم نے اس (پانی) کو ان کے درمیان تقسیم کر دیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ پھر بھی بہت سے لوگ ناشکری کئے بغیر نہیں رہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہی بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بارش کی امید دلا کر لوگوں کے دل خوش کر دیتی ہیں اور ہم نے اپنی رحمت سے آسمان سے ایسا پانی نازل کیا جو خود بھی پاک ہے اور دوسری چیزوں کو بھی پاک وصاف کرنے والا ہے۔ اسی پانی سے ہم خشک زمینوں میں قسم قسم کی نباتات اگاتے ہیں اور اسی سے ہم حیوانوں اور بہت سے انسانوں کو سیراب کرتے ہیں۔ اس آیت میں اناسی سے مراد صحرانشین اور خانہ بدوش ہیں۔ انہی کی زندگی بارش کے پانی سے وابستہ ہے۔ شہروں والے اور دیہات کے باشندے تو دریاؤں کنوؤں اور چشموں کے پاس آباد ہوتے ہیں۔ ان کو بارش کے پانی سے سیراب ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

پھر فرمایا کہ ہم بقدر مصلحت اس پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں۔ کبھی ایک شہر میں برساتے ہیں اور کبھی دوسری بستی میں برسا دیتے ہیں۔ یہ تقسیم باران اس لئے ہے تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں اور نصیحت پکڑیں کہ بارش کا رخ کبھی ان کی طرف ہوتا ہے اور کبھی دوسروں کی طرف۔ پس جب اللہ نے بارش کی تو اکثر لوگ ناشکری کرنے لگے کہ یہ بارش تو فلاں ستارے کی تاثیر سے ہوئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ جو لوگوں میں مشہور ہوتا ہے کہ اس سال زیادہ بارش ہوئی اور اس سال کم حقیقت کے اعتبار سے صحیح نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش کا پانی تو ہر سال یکساں نازل ہوتا ہے البتہ اللہ کے حکم سے یہ ہوتا رہتا ہے اس کی مقدار کسی شہر یا بستی

میں زیادہ کردی اور کسی میں کم کردی۔ بعض اوقات بارش کی مقدار میں کمی کر کے کسی بستی کے لوگوں کو سزا دی جاتی ہے اور بعض اوقات بارش کی مقدار میں اضافہ کر کے لوگوں کو سزا دی جاتی ہے۔ پس اسی پانی کو جو خالص رحمت ہے، ناشکری اور نافرمانی کرنے والوں کے لئے عذاب اور سزا بنا دیا جاتا ہے۔
(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶/۴۸۴، ۴۸۵، روح المعانی ۲۹-۳۲/۱۹)

آپ ﷺ کی علوِ شان

۵۱-۵۲۔ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۝ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔ پس (اے نبی ﷺ) آپ کافروں کا کہنا نہ مانئے اور ان سے جہاد کیجئے پوری قوت سے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کے کفر وتکذیب سے ہمت نہ ہاریئے اور تن تنہا دعوت وتبلیغ میں لگے رہئے۔ اگر ہم چاہتے تو آپ کے علاوہ ہر بستی میں ایک خبردار کرنے والا یعنی پیغمبر بھیج دیتے مگر ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہم نے آپ ﷺ کو عظمت عطا کرنے اور آپ کی شان اور مرتبہ بلند کرنے کے لئے آپ کو قیامت تک کے لئے سارے جہان کا پیغمبر بنا دیا اور نبوت کو آپ پر ختم کردیا۔ آپ کے بعد اب کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ ہی آخری نبی ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

(سورۃ الاعراف آیت ۱۵۸)

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۝

(سورۃ السبا آیت ۲۸)

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ میں سرخ وسیاہ سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ صحیحین کی ایک اور حدیث میں ہے کہ تمام انبیا اپنی اپنی قوموں کی طرف بھیجے جاتے رہے اور میں تمام لوگوں کی طرف

مبعوث کیا گیا ہوں۔

پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ فضیلت اور شان عطا کی ہے تو آپ کافروں کی پرواہ نہ کیجئے اور نہ کسی بات میں ان کا کہنا مانئے بلکہ آپ اپنی دعوت اور اظہار حق پر ثابت قدم رہیئے اور اللہ کی مدد و توفیق اور قرآنی دلائل کے ذریعے کافروں کا مقابلہ کیجئے اور ان سے جہاد عظیم کیجئے۔ دل سے بھی، زبان سے بھی اور تلوار سے بھی۔ (ابن کثیر ۳/۳۲۱)

میٹھے اور نمکین پانی کے دریا

۵۳،۵۴۔ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ۝

اور (اللہ) وہی تو ہے جس نے دو دریاؤں کو باہم ملا دیا۔ یہ ایک تو (ان میں سے) میٹھا (اور) مزیدار ہے اور یہ کھاری (اور) کڑوا ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب اور ایک مضبوط رکاوٹ بنا دی اور اسی نے انسان کو پانی سے پیدا کیا پھر اس کے لئے رشتہ نسب و دامادی قائم کیا اور آپ کا رب ہر چیز پر قادر ہے۔

مَرَجَ: اس نے ایک دوسرے سے ملایا۔ اس نے آزاد چھوڑ دیا۔ مَرْجٌ سے ماضی۔
عَذْبٌ: میٹھا۔ شیریں۔ خوشگوار۔ جمع عُذُوبٌ۔
فُرَاتٌ: بہت شیریں اور ٹھنڈا پانی۔ تسکین بخش۔
مِلْحٌ: نمکین۔
أُجَاجٌ: تلخ۔ کڑوا۔ کھاری پانی۔
بَرْزَخًا: پردہ۔ آڑ۔
حِجْرًا: رکاوٹ۔ پناہ۔ منع کرنا۔
صِهْرًا: سسرال۔ داماد۔ خسر۔ بہنوئی۔ جمع أَصْهَارٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہی نے دو طرح کا پانی بنایا ہے۔ میٹھا اور نمکین۔ نہروں، چشموں اور کنوؤں کا پانی

عموماً صاف، شیریں اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ جبکہ سمندروں میں ٹھہرا ہوا پانی کھاری اور بدمزہ ہوتا ہے۔ بعض چشموں اور کنوؤں کا پانی بھی کھاری ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ اس نے میٹھے پانی کو وافر مقدار میں فراہم کر دیا تا کہ لوگوں کو نہانے دھونے اور اپنے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرنے میں آسانی رہے۔

اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی قدرت کاملہ اور اپنے حکم سے میٹھے اور کھاری پانی کو ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہے۔ نہ کھاری پانی میٹھے پانی میں مل سکتا ہے اور نہ میٹھا پانی کھاری پانی میں مل سکتا ہے۔ دونوں کے درمیان سخت رکاوٹ ہے کوئی اپنی حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ o بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ o

(سورۃ الرحمٰن آیات ۱۹، ۲۰)

اس نے دونوں سمندر جاری کر دیئے کہ دونوں مل جائیں اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب قائم کر دیا ہے کہ حد سے نہ بڑھیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ میٹھے سمندر سے بڑے دریا مراد ہیں جیسے نیل وفرات وغیرہ اور کھاری سمندر سے یہی بڑا سمندر مراد ہے جو نہایت نمکین اور تلخ ہے اور برزخ سے مراد زمین کا وہ حصہ ہے جو سمندر اور بڑے دریاؤں کے وسط میں واقع اور حائل ہے۔

آیت میں جو کھارے اور میٹھے پانی کو جدا رکھنے کا ذکر ہے وہ دجلہ وفرات کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ بات ان دریاؤں کے لئے بھی ہے جو سمندر میں بہہ کر آگے تک جاتے ہیں جیسے مسی سپی اور یانگ ٹسی کیانگ۔ ان کا میٹھا پانی سمندر کے کھاری پانی سے اس وقت تک مخلوط نہیں ہوتا جب تک کہ وہ بہت آگے تک سمندر میں نہ پہنچ جائے۔ (بائبل، قرآن اور سائنس۔ مورس بکائیے، ترجمہ ثناء الحق صدیقی، ص ۲۲۶)

اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو پانی سے پیدا کیا اور اسے ٹھیک ٹھاک اور برابر بنایا اور اچھی پیدائش میں پیدا کر کے اسے مرد یا عورت بنا دیا۔ پھر اس کے لئے نسب کے رشتے اور سسرالی رشتے قائم کر دیئے۔ اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے۔ وہ اپنی مشیت کے تحت جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بہر حال دو قسم کے دریاؤں کا پیدا کرنا بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے اور دو مختلف قسم کے پانیوں میں قدرتی طور پر ایک غیر محسوس حد فاصل بنا دینا بھی اس کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔

(روح المعانی ۳۳۔۳۶/ ۱۹، ابن کثیر ۳۲۱، ۳۲۲/ ۳)

منکرینِ نبوت کی جہالت

۵۵۔۶۰، وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ۝ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَن شَاءَ أَن يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا ۝ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۝

اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان معبودوں کو پوجتے ہیں جو ان کو نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان اور کافر اپنے رب سے پیٹھ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو بس ایک خوشخبری دینے والا اور ڈرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں اس (کام) پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ جس کا دل چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ اس زندہ (خدا) پر بھروسہ رکھئے جس کو کبھی موت نہیں اور اس کی تسبیح وتحمید کرتے رہیے اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبر دار ہے۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ وہ رحمٰن ہے سو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنی چاہئے۔ اور جب ان (منکروں) سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے۔ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دے اور اس سے ان کی نفرت میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔

ظَهِيراً: پشت پناہی کرنے والا، پیٹھ پھیرنے والا۔ ظَهْرٌ سے فاعل کے معنی میں صفت مشبہ۔

اِسْتَوٰى: اس نے قصد کیا۔ وہ متوجہ ہوا۔ وہ ٹھہرا۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی۔

نُفُوْرًا: نفرت کرنا۔ فرار ہونا۔ بھاگنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: یہاں مشرکین کی جہالت کا بیان ہے کہ وہ بلا دلیل ان بتوں کو پوجتے ہیں جو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان ۔ یہ احمق لوگ ان بتوں سے یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ قیامت کے روز یہ باطل معبود ان کی مدد کریں گے ۔ یہ ان کی خام خیالی ہے ۔ یہ باطل معبود نہ تو دنیا میں ان کے کام آئیں گے اور نہ آخرت میں ۔

پھر آپ کو مخاطب کر کے فرمایا اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو نبی بنا کر اس لئے بھیجا ہے تا کہ آپ مومنوں کو تو خوشخبری سنا دیں اور کافروں کو جہنم کے عذاب سے خبر دار کر دیں اور آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ میں اپنے وعظ و تبلیغ کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا ۔ میں تو صرف اللہ کی رضا کیلئے تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں ۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے جو کوئی راہ راست پر آنا چاہے اس کو واضح طور پر صحیح راستہ بتا دوں ۔ اگر پھر بھی یہ لوگ آپ کے ساتھ دشمنی کریں تو آپ اپنے رب پر بھروسہ رکھئے جو موت و فوت سے پاک ہے، جو ہمیشگی اور دوام والا ہے، جو اول و آخر، ظاہر و باطن، ہر چیز کو جانتا ہے، اور ہر چیز کا خالق و مالک اور رب ہے ۔ اسی کی ذات اس لائق ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے اور ہر خوشی اور ہر غم میں اس کو یاد رکھا جائے ۔ سو آپ بھی اسی کی تسبیح و تحمید بیان کرتے رہئے اور ان احمقوں کی پرواہ نہ کیجئے اور اللہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب واقف ہے ۔ نہ کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ ہے اور نہ کوئی بھید اس سے مخفی ہے اس لئے وہ مجرموں کو ان کے گناہوں کی سزا دے گا ۔ وہی تمام چیزوں کا خالق اور مالک ہے اسی نے اپنی قدرت و عظمت سے آسمانوں اور زمین جیسی زبردست مخلوق اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دن میں پیدا کر دیا، پھر وہ اس عرش پر جلوہ فرما ہوا جو تمام مخلوقات میں بڑی مخلوق ہے اور تمام آسمانوں سے بلند و برتر اور تمام عالم کو محیط ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہی رحمان ہے، جس کی رحمت تمام مخلوق کے لئے ہے ۔ اس کی ذات وصفات کے بارے میں کسی باخبر سے پوچھنا چاہئے کہ وہ کیسا ہے ۔ کافر اور مشرک اس کی شان کیا جانیں ۔ ان کی جہالت کا حال تو یہ ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنے رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کون ہے ۔ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے ۔ کیا ہم آپ کے کہنے سے رحمٰن کو سجدہ کر لیں ۔ پس رحمٰن کو سجدے کا حکم ان کی نفرت میں اور اضافہ کر دیتا ہے اور رحمٰن کا نام سن کر وہ ایمان اور راہ حق سے بھاگنے لگتے ہیں ۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۶، ۱۹۷/ ۵، ابن کثیر ۳۲۲، ۳۲۳/ ۳)

عجائباتِ قدرت

۶۱، ۶۲۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا۝ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا۝

بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں چراغ (سورج) اور چمکتا ہوا چاند بنایا۔ اور (اللہ) وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے بنایا، اس شخص کے لئے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے، یا شکر گزاری کا ارادہ رکھتا ہو۔

بُرُوْجًا: برجیں۔ محلات۔ تارے واحد بُرُجٌ۔

سِرٰجًا: چراغ۔ دیا۔ جمع سُرُجٌ۔

مُنِیْرًا: روشنی والا۔ چمکنے والا۔ اِنَارَۃٌ سے اسم فاعل۔

خِلْفَةً: پے در پے آنے والے۔ آگے پیچھے آنے والے۔

تشریح: ان آیتوں میں بعض عجائبات قدرت کا ذکر ہے کہ وہ ذات بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنی قدرت سے آسمان میں برج بنائے اور اس میں سورج اور روشن چاند بنائے، مجاہد، سعید بن جبیر، ابو صالح، حسن اور قتادہ سے مروی ہے کہ برج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ برج سے آسمانی قلعے مراد ہیں، جہاں فرشتے پہرہ دیتے ہیں۔ حضرت علی، ابن عباس، محمد بن کعب ابرہیم نخعی وغیرہ سے مروی ہے کہ یہ محافظ فرشتوں کے ٹھکانے ہیں۔

آیت میں سراج سے مراد سورج ہے جو چراغ کی مانند روشن ہے جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا. (سورۃ انبیاء آیت ۱۳)

اور ہم نے روشن چراغ یعنی سورج بنایا۔

وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ٥ (سورۃ نوح آیت ۱۶)

اور اس میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا۔

پھر فرمایا کہ اس نے دن اور رات کو ایک دوسرے کا خلیفہ اور جانشین بنایا کہ ایک کے جانے کے بعد دوسرا آتا ہے یعنی رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے۔ پس دن اور رات کا آگے

پیچھے آنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت اور اس کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے۔ اس لئے انسان کو اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے۔ (مواہب الرحمٰن ۴۷،۴۸/۱۹، مظہری ۳۹،۴۰/۷)

مومنوں کی صفات

۶۳۔۶۷، وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝

اور رحمٰن کے (خاص) بندے تو وہی ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے بے علم لوگ بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں (اور الگ ہو جاتے ہیں) اور وہ جو اپنے رب کے لئے سجدے اور قیام میں رات گزارتے ہیں، اور وہ جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! جہنم کو ہم سے دور رکھ۔ یقیناً اس کا عذاب پوری تباہی ہے، بیشک وہ تو بہت برا ٹھکانا اور بہت برا مقام ہے، اور وہ جو خرچ کرتے وقت نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل اور ان کا خرچ کرنا اعتدال پر ہوتا ہے۔

هَوْنًا: آہستہ۔ عاجزی کے ساتھ۔ وقار کے ساتھ۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

غَرَامًا: مسلسل تکلیف۔ ہلاکت۔ عذاب۔

سَآءَتْ: وہ بری ہے۔ سَوْءٌ سے ماضی۔

يَقْتُرُوْا: وہ تنگی کرتے ہیں۔ وہ بخل کرتے ہیں، وہ کنجوسی کرتے ہیں، قَتْرٌ سے مضارع۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں رحمٰن سے نفرت کرنے والوں کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں رحمٰن کے خاص اور مقبول بندوں کی تیرہ صفات و علامات کا ذکر ہے۔

۱۔ عباد ہونا۔ عباد عبد کی جمع ہے۔ عبد غلام کو کہتے ہیں جو اپنے آقا کا مملوک ہو۔ اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات و اعمال آقا کے حکم کے تابع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانے کا مستحق وہی شخص ہو سکتا ہے جو اپنے عقائد و خیالات کو اور اپنے ہر ارادے اور

خواہش کو اپنے رب کے حکم اور مرضی کے تابع رکھے۔ یہ لوگ رحمٰن کا نام سن کر ناک بھنویں نہیں چڑھاتے بلکہ اپنے ہر قول وفعل سے بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔

۲۔ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا: وہ لوگ زمین پر وقار ومتانت، تواضع اور عجز وانکسار کے ساتھ چلتے ہیں۔ متکبروں کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے، زمین پر آہستہ اور سکون سے قدم رکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ سست رفتاری سے چلا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ متکبرانہ چال سے نہ چلے اگرچہ تیز رفتاری سے چلے۔

۳۔ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا: جب نادان لوگ ان سے ناشائستہ بات کہتے ہیں یا کوئی جہالت اور نادانی کی بات کرتے ہیں تو یہ لوگ اس کے جواب میں نرم اور ملائم بات کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔

۴۔ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا: یہ لوگ اپنے رب کے سامنے رکوع اور سجود کی حالت میں رات گزارتے ہیں۔ حدیث میں نماز تہجد کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ترمذی نے حضرت ابوامامہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیام اللیل، تہجد کی نماز کی پابندی کرو کیونکہ وہ تم سے پہلے بھی سب نیک بندوں کی عادت رہی ہے اور وہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والی ہے اور برائیوں کا کفارہ ہے اور گناہوں سے روکنے والی چیز ہے۔ مسند احمد اور مسلم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے عشا کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر لی تو وہ آدھی رات عبادت میں گزارنے کے حکم میں ہو گیا، اور جس نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کر لی وہ باقی آدھی رات بھی عبادت میں گزارنے والا ہو جائے گا۔

۵۔ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ: اللہ تعالیٰ کے یہ مقبول بندے دن رات عبادت وطاعت میں مصروف رہنے کے باوجود خوفِ خدا کے سبب یہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے عذابِ جہنم کو پھیر دے، بے شک عذاب جہنم دائمی اور لازمی ہے۔

۶۔ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا: اللہ تعالیٰ کے یہ خاص بندے مال خرچ کرنے میں نہ تو اسراف وفضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل وتنگی کرتے ہیں بلکہ دونوں کے درمیان اعتدال پر رہتے ہیں۔

اسراف کے لغوی معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں، شرعی اصطلاح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور ابن جریج کے نزدیک، اللہ کی معصیت میں خرچ کرنے کا نام اسراف ہے، اگر چہ ایک پیسہ ہی ہو۔

اقتار کے معنی خرچ میں تنگی اور بخل کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جن کاموں میں اللہ اور رسول نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے ان میں خرچ کرنے میں تنگی کرنا، مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص خرچ میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے وہ کبھی فقیر محتاج نہیں ہوتا،

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵۰۴۵۰۲/۶، از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰۲،۲۰۱/۵)

جہنم کی وادیٔ آثام

۶۸، ۷۱، وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝

اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو حق کے سوا قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کام کرتا ہے تو وہ سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ قیامت کے روز اس کو دوہرا عذاب ہوگا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہے گا۔ سوائے اس کے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک اعمال کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے، اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کئے تو تحقیق اس نے اللہ سے سچی توبہ کی۔

يَلْقَ: وہ ملاقات کرے گا۔ وہ ملے گا۔ وہ پائے گا۔ لَقْیٌ سے مضارع۔

اَثَامًا: گناہ۔ سزا، اِثْمٌ کا اسم مصدر۔

مُهَانًا: توہین کیا ہوا۔ ذلیل کیا ہوا۔ رسوا کیا ہوا۔ اِهَانَةٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: ۷۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ: پہلی چھ صفات میں اطاعت و فرماں برداری کے اصولوں کا بیان تھا۔ آئندہ آیتوں میں معصیت و نافرمانی کے اصولوں کا بیان ہے۔ ان میں سے پہلی چیز عقیدے سے متعلق ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے، صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں، شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں اور توحید اور اخلاص سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔

۸۔ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ: اللہ تعالیٰ کے یہ خاص بندے کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے بلکہ حق کے مطابق قتل کرتے ہیں۔ حق کے مطابق قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس قتل کی شریعت نے اجازت دی ہے وہ حق ہے۔ جیسے مرتد کا قتل کرنا۔ قصاص کے طور پر قتل کرنا۔ رہزنوں اور فتنہ پردازوں کو قتل کرنا۔ شادی شدہ زانی کو قتل کرنا اور جہاد میں کافروں کو قتل کرنا وغیرہ۔

۹۔ لَا يَزْنُوْنَ: یہ لوگ زنا نہیں کرتے۔ کسی عورت سے زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے اور ہمسائے کی عورت سے زنا کرنا تو بدترین گناہ ہے۔

جو شخص ان مذکورہ بالا گناہوں کا ارتکاب کرے گا وہ ان کی سزا پائے گا۔ (بعض مفسرین کے نزدیک اثام جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جو سخت و شدید عذابوں سے بھری ہوئی ہے) قیامت کے دن اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلیل ہو کر ہمیشہ اسی عذاب میں رہے گا۔ اگر مذکورہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے ان گناہوں سے توبہ کرلیں اور ایمان لا کر نیک عمل کرنے لگیں تو ان کو جہنم کا دائمی عذاب نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶/۵۰۵ از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۳۰۲،۲۰۲)

لغو کاموں سے اعراض

۷۲۔۷۴، وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝

اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے او جب وہ لغویات کے پاس سے گزرتے

ہیں تو بزرگانہ طور پر (بغیر التفات کے) گزر جاتے ہیں اور جب ان کو ان کے رب کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ ان میں غور کرتے ہیں) اور وہ جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔

الزُّوْرَ: جھوٹ ۔ کفر ۔ شرک ۔ انحراف ۔

مَرُّوا: وہ گزرے ۔ مُرُوْرٌ سے ماضی ۔

یَخِرُّوْا: وہ گرے ۔ خَرٌّ سے مضارع بمعنی ماضی ۔

قُرَّۃَ: آنکھ کی خنکی ۔ ٹھنڈک ۔

تشریح: ۱۰۔ لا یَشْھَدُوْنَ الزُّوْرَ: اللہ کے مقبول بندے جھوٹی گواہی نہیں دیتے ۔ جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بیہودہ اور خلافِ شرع کام کی مجلسوں میں نہیں جاتے ۔

۱۱۔ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْ کِرَامًا: اگر یہ نیک بندے اتفاقاً کبھی کسی لغو اور بیہودہ مجلس کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ وہاں ٹھہرتے نہیں بلکہ اس سے اعراض کرتے ہوئے سنجیدگی اور شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں ۔

۱۲۔ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا: ان نیک بندوں کی شان یہ ہے یہ جب ان کو اللہ کی آیتوں کی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ ان آیتوں کی طرف اندھے اور بہروں کی طرح متوجہ نہیں ہوتے بلکہ سمیع و بصیر لوگوں کی طرح ان میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں ۔

۱۳۔ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ: اللہ کے یہ مقبول بندے صرف اپنے نفس کی اصلاح اور اعمالِ صالحہ پر قناعت نہیں کرتے بلکہ وہ اپنی اولاد اور بیویوں کے اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لئے بھی فکر مند رہتے ہیں اور ان کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہتے ہیں ۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵۰۶ ۔ ۶/۵۰۹ و از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰۳، ۵/۲۰۴)

مقربین کا انعام

۷۵،۷۷۔ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝

یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کے بدلے جنت کے بالا خانہ دیئے جائیں گے جہاں ان کو دعا و سلام پہنچایا جائے گا۔ وہ اس (جنت) میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ بہت ہی اچھا ٹھکانا اور مقام ہے۔ (اے نبی) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اس کو نہ پکارو تو میرے رب کو تمہاری (ذرا بھی) پرواہ نہیں۔ البتہ تم جھٹلا تو چکے سو بہت جلد سزا لازم ہوگی۔

يَعْبَؤُا: وہ اختیار دیتا ہے۔ وہ پرواہ کرے گا۔ عَبْوءٌ سے مضارع۔

لِزَامًا: لازمی۔ ہمیشہ۔ ساتھ رہنے والا۔ چمٹ جانے والا۔ مصدر ہے

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مقربین کی صفات اور ان کے عمدہ اقوال و افعال کے بیان کے بعد، ان آیتوں میں ان کی حسنِ جزا اور درجات عالیہ کو بیان فرمایا، اللہ کے دین اور اس کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے اور اطاعت کی مشقتوں پر صبر کرنے کے صلے میں ان کو جنت میں عالی شان محل اور بالا خانے ملیں گے۔ جنت کی دوسری نعمتوں کے ساتھ ساتھ ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوگا کہ فرشتے ان کو مبارکباد دیں گے اور سلام کریں گے۔ یہ لوگ وہاں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے، نہ کبھی وہاں کی نعمتیں کم ہوں گی اور نہ راحتیں فنا ہوں گی۔ بلاشبہ ان کے آرام و قیام کی جگہ نہایت عمدہ ہے۔

اے پیغمبر ﷺ! آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کی عبادت نہ کرو گے تو میرا رب تمہاری ذرا بھی پرواہ نہ کرے گا کیونکہ اللہ نے مخلوق کو اپنی عبادت اور تسبیح و تہلیل کے لئے پیدا کیا ہے، اگر مخلوق اس کی عبادت اور تسبیح و تہلیل نہ کرے تو وہ اللہ کے نزدیک نہایت حقیر ہے۔ پس اے کافرو تم تو رسول اور احکامِ الٰہیہ کی تکذیب کر چکے، سو عنقریب یہ تکذیب تمہارے لئے وبال جان بنے گی اور تمہیں اس کی سزا مل کر رہے گی۔ خواہ اس دنیا میں ملے یا آخرت میں۔ ظاہر ہے آخرت کی سزا سے تو کسی طرح چھٹکارا نہ ملے گا۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶/۵۱۰، از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۲۰۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الشعراء

وجہ تسمیہ: چونکہ اس سورت میں شعراء کا ذکر ہے اس لئے یہ سورت اسی نام سے موسوم ہوگئی۔ امام مالکؒ سے جو تفسیر مروی ہے اس میں اس کا نام سورۃ جامع ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰۶/ ۵، مواہب الرحمٰن ۶۴/ ۱۹)

تعارف: اس میں گیارہ رکوع، ۲۲۷ آیات، ۱۳۷۴ کلمات اور ۵۶۸۹ حروف ہیں۔

جمہور علما کے نزدیک یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن مردویہ نے ابن عباس اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی روایت سے بیان کیا کہ یہ سورت مکی ہے۔ نحاس نے ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ یہ سورت مکی ہے، آخری پانچ آیتوں کے سوا (جو **وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ** سے آخر تک ہیں اور) جو مدینے میں نازل ہوئیں۔ (روح المعانی ۵۷/ ۱۹)

اس کے شروع میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ کو اس کا غم نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اللہ کی مشیت اور ارادہ یہ نہیں کہ سب لوگ ایمان لے آئیں۔ پھر آپ کی تسلی کے لئے سات الوالعزم انبیا اور ان کی سرکش امتوں کا حال بیان کر کے بتایا کہ ان سرکشوں کی معاندانہ باتیں نئی نہیں۔ سابقہ انبیا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ سورت کے آخر میں قرآن کی حقانیت کا ذکر ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آپ کے قلب مبارک پر نازل ہوئی۔ پھر اس کی حقانیت پر یہ دلیل بیان فرمائی کہ اہل کتاب کے علما اس کتاب کی حقیقت کو خوب جانتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ اس کا ذکر زُبُر اولین اور سابقہ انبیا کے صحیفوں میں موجود ہے۔ یہ قرآن وحی

ربانی ہے جو حق و باطل میں فرق واضح کرتی ہے۔
(مواہب الرحمٰن ۶۴، ۶۵/ ۱۹، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰۶/ ۵)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: آسمانی کتابوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی نصیحت کی باتوں سے اعراض کرنے والوں کا بیان ہے

رکوع ۲: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اور فرعون اور حضرت موسیٰ میں گفتگو مذکور ہے۔

رکوع ۳: فرعون اور اس کے سرداروں میں گفتگو۔ جادوگروں کا فرعون سے مطالبہ اور ساحرین کی استقامت کا بیان ہے۔

رکوع ۴: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہجرت کا حکم اور فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۵: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ، حضرت ابراہیم کی دعا اور کافروں کے اعتراف گناہ کا بیان ہے،

رکوع ۶: حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ۔ قوم نوح کا جواب اور حضرت نوح کی دعا مذکور ہے۔

رکوع ۷: حضرت ہود علیہ السلام کی وعظ و نصیحت اور قوم ہود کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے۔

رکوع ۸: حضرت صالح علیہ السلام کی نصیحت اور قوم ثمود کا معجزہ طلب کرنا۔

رکوع ۹: حضرت لوط علیہ السلام کی تکذیب اور قوم لوط کی ہلاکت کا بیان۔

رکوع ۱۰: حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحت اور قوم شعیب کی بدبختی کا بیان ہے۔

رکوع ۱۱: قرآن کی حقانیت، کفار کا مہلت طلب کرنا اور اقارب کو عذاب سے ڈرانے کا حکم بیان کیا گیا، پھر شیاطین کا جھوٹی خبریں لانا، گمراہ شاعری کا ابطال اور مذمت سے مستثنیٰ شاعروں کا بیان ہے۔

حروف مقطعات

۱۔ طٰسٓمٓ ۝ : یہ حروف مقطعات ہیں جن کے معنی و مراد اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔

نصیحت سے اعراض

٢۔٩۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

یہ ایک روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ ان کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ اپنی جان کھو دیں گے۔ اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ان پر ایک ایسی نشانی نازل کر دیں جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جائیں اور رحمٰن کی طرف سے ان کے پاس کوئی نئی نصیحت ایسی نہیں آئی جس سے وہ منہ نہ موڑ لیتے ہوں۔ سو یہ جھٹلا تو چکے۔ اب بہت جلد ان کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کا وہ تمسخر اڑایا کرتے تھے۔ کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ عمدہ قسم کی نباتات اگائی ہیں، بیشک اس (واقعے) میں البتہ ایک نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں تھے اور بلاشبہ آپ کا رب ہی یقیناً غالب (اور) مہربان ہے۔

بَاخِعٌ: غم کے سبب جان دینے والا۔ ہلاک کرنے والا۔ بَخُوْعٌ سے اسم فاعل۔

ظَلَّتْ: تو ہو گیا۔ یہاں دوام کے معنی مراد ہیں۔ ظِلًّا و ظُلُوْلاً سے ماضی۔

اَعْنَاقُهُمْ: ان کی گردنیں۔ واحد عُنُقٌ۔

خٰضِعِيْنَ: خضوع کرنے والے، عاجزی کرنے والے۔ جھکنے والے۔ خُضُوْعٌ سے اسم فاعل۔

مُحْدَثٍ: تازہ۔ نیا۔ اِحْدَاث سے اسم مفعول۔

تشریح: یہ قرآن مبین کی آیتیں ہیں جو بہت واضح، حق و باطل اور بھلائی و برائی کے درمیان فیصلہ

اور فرق کرنے والا ہے آپ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ خاطر اور غمگین نہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم ہی نہیں چاہتے کہ یہ لوگ ایمان لائیں۔ اگر ہم ان کا مومن ہو جانا چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی نازل کر دیتے کہ وہ اس کو دیکھ کر ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے یا ان پر کوئی ایسی مصیبت نازل کر دیتے جو ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتی اور یہ سب فرماں بردار ہو جاتے۔ ہم یہ زبردستی والا ایمان نہیں چاہتے بلکہ ہم تو ان کا اختیاری ایمان طلب کرتے ہیں۔ دین و مذہب کا اختلاف بھی اسی کی طرف سے ہے۔ اس نے لوگوں کی ہدایت و راہنمائی کے لئے رسول بھیج دیئے، کتابیں نازل کر دیں اور انسان کو ایمان لانے اور نہ لانے کا اختیار دے دیا۔ اب یہ ان پر ہے کہ وہ کون سی راہ اختیار کرتے ہیں۔

جب بھی کوئی آسمانی کتاب نازل ہوتی ہے یا اللہ کی طرف سے ان کے پاس کوئی نصیحت آتی ہے تو یہ اس سے اعراض کر لیتے ہیں۔ سابقہ انبیا کی امتوں کی طرح آنحضرت ﷺ کی قوم نے بھی اس نصیحت کو جھٹلایا۔ دوسری قوموں کی طرح ان کو بھی عنقریب اس کا بدلہ مل جائے گا اور ان ظالموں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ وہ ذکر اور نصیحت جس کی یہ لوگ ہنسی اڑاتے تھے حق تھی یا باطل، اور تصدیق و تعظیم کی مستحق تھی یا تکذیب و تحقیر و استہزا کے لائق تھی۔

کیا ان ہنسی اڑانے والوں نے زمین کی طرف نظر نہیں کی کہ ہم نے اس میں ہر قسم کا کس قدر عمدہ سبزہ اگایا ہے، کسی مادے یا ایتھر (ایک قسم کا مادہ) میں یہ قوت نہیں کہ وہ زمین سے مختلف قسم کے سبزہ جات اگا سکے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے زمین میں قسم قسم کی نباتات پیدا کر دیں۔

بلاشبہ طرح طرح کا سبزہ پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت و حکمت کی ایک بڑی نشانی ہے۔ اللہ کے علم میں یہ بات پہلے سے تھی کہ ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ بلاشبہ آپ کا رب ہی کافروں سے انتقام لینے پر قادر ہے اور وہ اپنے دوستوں پر بڑا مہربان ہے۔

(ابن کثیر ۳۳۱/۳، مظہری ۵۴-۵۶/۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰۸/۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

۱۰-۲۲۔ وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰٓ أَنِ ٱئْتِ ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ

أَلَا يَتَّقُونَ ﴿١١﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ﴿١٢﴾ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَٰرُونَ ﴿١٣﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنبٌ فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ﴿١٤﴾ قَالَ كَلَّا ۖ فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَآ ۖ إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ ﴿١٥﴾ فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَآ إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿١٧﴾ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿١٨﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ إِذًا وَأَنَا۠ مِنَ الضَّآلِّينَ ﴿٢٠﴾ فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿٢٢﴾

اور جب تیرے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ تم ظالم قوم کے پاس جاؤ (یعنی) قوم فرعون کے پاس۔ کیا وہ ڈرتے نہیں۔ موسیٰ نے کہا اے میرے رب مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلانے لگیں اور میرا سینہ تنگ ہو جائے اور میری زبان (اچھی طرح) نہ چلے۔ پس تو ہارون کی طرف بھی وحی بھیج دے اور مجھ پر ان کا ایک جرم بھی ہے سو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا، ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ پس تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔ تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تجھے اپنے گھر میں بچپن سے نہیں پالا اور تو نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہم میں گزارے ہیں۔ اور تو اپنی وہ حرکت کہ جو تو نے کی تھی کر چکا ہے اور تو ناشکروں میں سے ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ جب میں نے وہ کام کیا تھا تو میں بے خبر تھا، پھر میں تم سے خوف کھا کر بھاگ گیا۔ پھر میرے رب نے دانائی عطا کی اور مجھے رسول بنایا۔ اور کیا مجھ پر تیرا یہی وہ

احسان ہے کہ (جس کے بدلے میں) تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔

یَضِیْقُ: وہ تنگ ہوتا ہے۔ وہ گھٹتا ہے۔ ضِیْقٌ مضارع۔

یَنْطَلِقُ: وہ (زبان) چلتی ہے۔ وہ بولتی ہے اِنْطِلَاقٌ سے مضارع۔

لِسَانِیْ: میری زبان۔ میری قوت گویائی۔

لَبِثْتَ: تو رہا۔ تو ٹھہرا۔ لَبْثٌ سے ماضی۔

تشریح: وہ واقعہ یاد کرو جب آپ کے رب نے موسیٰ کو ندا کی تھی اور ان کو قوم فرعون کے پاس جا کر ان کو پیغام الٰہی پہنچانے کا حکم دیا تھا، آیت میں ظالمین سے مراد قوم فرعون ہے جنہوں نے کفر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔ یہ لوگ بنی اسرائیل کو غلام بناتے تھے، ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے اور ان کے نوزائیدہ بچوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اَلَا یَتَّقُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ قوم فرعون کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کر کے اپنی جانوں کو اللہ کے عذاب سے محفوظ کر لیں۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ تم قوم فرعون کے پاس جا کر ان کو اللہ سے ڈراؤ۔

اللہ تعالیٰ کا حکم سن کر حضرت موسیٰ نے اپنی چند کمزوریاں اللہ تعالیٰ کی سامنے بیان کیں جو اللہ نے اپنی مہربانی سے دور کر دیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اپنے عذر بیان کرتے ہوئے کہا، ۱۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے، ۲۔ میرا سینہ تنگ ہے، ۳۔ میری زبان میں لکنت ہے، ۴۔ ہارون کو میرا مددگار بنادے کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے، ۵۔ ان میں سے ایک قبطی کو میں نے قتل کر دیا تھا، اسی لئے میں نے مصر چھوڑا تھا۔ اب مجھ خوف ہے کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔ وہ تمہیں قتل نہیں کر سکتے۔ سو اب تم دونوں میری نشانیوں کے ساتھ قوم فرعون کے پاس جاؤ۔ میں اپنی نصرت و امداد کے ساتھ تمہارے ساتھ ہوں اور تمہاری اور ان کی سب باتیں سنتا رہوں گا۔ یہاں نشانیوں سے مراد عصا اور ید بیضا کے معجزے ہیں جو اللہ نے ان کو عطا فرمائے تھے۔ پس تم دونوں بے خوف و خطر فرعون کے پاس جاؤ اور اس پر اپنی رسالت کا اظہار کرو اور اس کو بتاؤ کہ ہم تجھے اللہ کا یہ پیغام پہنچانے آئے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مومن بندے ہیں۔ تو نے ان کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ اب تو انہیں آزاد کر کے ہمارے ساتھ بھیج دے۔

حضرت موسیٰ نے چونکہ فرعون کے گھر میں پرورش پائی تھی اس لئے وہ ان کو دیکھتے ہی

پہچان گیا اور حضرت موسیٰ کے پیغام کے جواب میں کہنے لگا کیا ہم نے تجھے اس وقت اپنے گھر میں نہیں پالا تھا جب تو دودھ پیتا بچہ تھا اور تو برسوں ہمارے پاس رہا، تو تو بڑا ناشکرا ہے تو نے اس احسان کا بدلہ یہ دیا کہ تو میرے خاص لوگوں کو قتل کرنے لگا اور تو ہمارے احسانات بھلا کر پیغمبری کا دعویٰ کرنے لگا ہے اور تو چاہتا ہے کہ ہم تجھ پر ایمان لا کر تیرے فرماں بردار بن جائیں۔

حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ سب باتیں نبوت سے پہلے کی ہیں۔ اس وقت تک میرے پاس اللہ کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں آئی تھی۔ میں نے اس قبطی کو قصداً قتل نہیں کیا تھا۔ میں نے تو محض تنبیہ کی غرض سے اس کے ایک مکہ مارا تھا جس سے وہ فوراً مر گیا۔ میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ہٹا کٹا ایک مکہ لگتے ہی مر جائے گا۔ سو میں تم سے ڈر کر مدین بھاگ گیا۔ پھر اللہ نے مجھے علم و حکمت عطا فرمائی اور مجھے اپنا رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا۔ اب اگر تو میرا کہا مانے گا تو سلامتی پائے گا اور میری نافرمانی کرے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔ جہاں تک تیرے احسان کا تعلق ہے تو حقیقت میں یہ احسان نہ تھا بلکہ مجھ پر تیرا احسان اس بات کا نتیجہ تھا کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا کر رکھا تھا، ان کے لڑکوں کو قتل کراتا تھا اسی لئے مجھے تیرے پاس پہنچا دیا گیا اور تو نے میری پرورش وکفالت کی۔ اگر تو بنی اسرائیل کو ذلیل نہ کرتا اور ان کے لڑکوں کو قتل نہ کرتا تو میرے گھر والے میری پرورش کرتے اور مجھے دریا میں نہ پھینکتے اور مجھے تیرے مکان میں نہ لایا جاتا۔ (مظہری ۵۶، ۶۰/ ۷، ابن کثیر ۳۳۲/ ۳)

فرعون اور حضرت موسیٰؑ میں گفتگو

۲۳۔۳۳۔ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰــهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝

فرعون نے کہا کہ (وہ) رب العالمین کون ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ وہ آسمانوں اور زمین اوران کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔ فرعون نے ان (درباریوں) سے جو اس کے اردگرد تھے کہا کہ کیا تم (موسیٰ کی باتیں) سنتے ہو۔ موسیٰ نے کہا کہ وہ تمہارا رب اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب ہے۔ فرعون نے کہا لوگو! بیشک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یقیناً دیوانہ ہے۔ موسیٰ نے کہا وہی مشرق ومغرب اوران کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو۔ فرعون نے کہا اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں سے کردوں گا۔ موسیٰ نے کہا کہ اگر میں تیرے سامنے ایک واضح دلیل پیش کروں۔ فرعون نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو پیش کر۔ سو موسیٰ نے اپنا عصا (زمین پر) ڈال دیا تو وہ فوراً ایک صریح اژدہا بن گیا اور اپنا ہاتھ (گریبان سے باہر) نکالا تو اسی وقت وہ بھی دیکھنے والوں کو (چمکتا ہوا) سفید نظر آنے لگا۔

اَلْمَسْجُوْنِيْنَ: قیدی۔ بازرکھنا۔ سَجْنٌ سے اسم مفعول۔

ثُعْبَانٌ: اژدہا۔ بڑا سانپ۔ جمع ثَعَابِيْنَ۔

نَزَعَ: اس نے باہر نکالا۔ نَزْعٌ سے ماضی۔

بَيْضَاءُ: سفید۔ بَيَاضٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: فرعون نے اپنی قوم کو بہکا رکھا تھا اوران کے دماغ میں یہ بات بٹھا رکھی تھی کہ ان کا معبود اور رب صرف فرعون ہے۔ اس کے سوا کوئی رب نہیں۔ فرعون دہریہ تھا، اللہ تعالی کے وجود کا منکر تھا اور کہتا تھا کہ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ یعنی میں اپنے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں جانتا۔ اور اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى میں ہی تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔ چنانچہ اس نے حضرت موسیٰ سے سوال کیا کہ وہ رب العالمین کیا چیز ہے جس کے رسول ہونے کا تم دعویٰ کرتے ہو۔ حضرت موسیٰ نے اس کے جواب میں کہا کہ جس رب العالمین نے مجھے رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے، وہ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین اوران کے درمیان کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ وہی سب کا خالق، سب

کا مالک اور سب پر قادر ہے، وہی سب کا معبود حقیقی ہے۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اگر تمہارے دل یقین کی دولت سے خالی نہیں ہوئے اگر تمہاری نگاہیں روشن ہیں تو رب العالمین کے یہ اوصاف اس کی ذات کے ماننے کے لئے کافی ہیں۔

فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کا کوئی جواب نہ بن سکا تو وہ تمسخر کے طور پر اپنے ساتھ والوں سے کہنے لگا۔ کہ کیا تم سن رہے ہو یہ تو میرے سوا کسی اور کو خدا مانتا ہے فرعون کی بات سن کر حضرت موسیٰ نے مزید دلائل بیان کرنے شروع کئے کہ وہ تم سب اور تمہارے اگلے باپ داداؤں کا بھی مالک اور پروردگار ہے۔ اگر آج تم فرعون کو خدا مانتے ہو تو ذرا سوچو تو سہی کہ فرعون سے پہلے والے لوگوں کا خدا کون تھا۔ آسمانوں اور زمین کا وجود تو فرعون سے پہلے بھی تھا تو بتاؤ ان کا موجد کون تھا سو وہی میرا اور تمام جہانوں کا رب ہے۔ میں اسی کا بھیجا ہوا ہوں۔

فرعون حضرت موسیٰ کے دلائل کی تاب نہ لا سکا اور بے بس ہو کر کہنے لگا، اسے چھوڑ و یہ تو کوئی پاگل آدمی ہے۔ میں اس سے اس کے رب کی حقیقت پوچھتا ہوں تو یہ دوسرے جواب دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے اپنی دلائل جاری رکھتے ہوئے کہا کہ سنو! مشرق ومغرب اور ان کے درمیان کی چیزوں کا جو مالک اور پروردگار ہے وہی میرا رب ہے۔ وہ سورج اور چاند اور ستاروں کو مشرق سے نکالتا ہے اومغرب میں پہنچا دیتا ہے۔ اگر فرعون اپنی خدائی کے دعوے میں سچا ہے تو ایک دن اس کے خلاف کر کے دکھا دے کہ سورج کو مغرب سے نکالے اور مشرق کی طرف لے جائے۔

حضرت موسیٰ کی واضح اور روشن دلیلیں سن کر فرعون کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ حضرت موسیٰ کو دھمکاتے ہوئے کہنے لگا کہ اے موسیٰ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کر دوں گا جن کا حال تجھے معلوم ہے۔

حضرت موسیٰ نے فرعون کی دھمکی کے جواب میں کہا، کیا تو اس حالت میں بھی مجھے قید کر دے گا جبکہ میں اپنی سچائی اور تیری غلطی کی کوئی واضح نشانی تیرے سامنے لے آؤں۔ فرعون مجبوراً کہنے لگا کہ اگر تو اپنی رسالت کے دعوے میں سچا ہے تو وہ نشانی پیش کر۔ پس حضرت موسیٰ نے اپنی لاٹھی کو فوراً زمین پر ڈال دیا جو زمین پر گرتے ہی ایک بہت بڑا اژدہا بن گئی۔ یہ اژدہا بہت ہیبت ناک اور ڈراؤنی شکل کا تھا اور خوفناک منہ پھاڑے ہوئے پھن پھنا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ خوب چمکتا ہوا اور روشن تھا۔ (مظہری ۶۰، ۶۱/ ۷، ابن کثیر ۳۳۲، ۳۳۳/ ۳)

فرعون اور سرداروں میں گفتگو

۳۴۔ ۴۰۔ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۝ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۝ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝

فرعون نے آس پاس کے سرداروں سے کہا کہ بیشک یہ بڑا ماہر جادوگر ہے، یہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے۔ سو اب تم کیا حکم (مشورہ) دیتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اس کو اور اس کے بھائی کو مہلت دے اور تمام شہروں میں جمع کرنے والے (ہرکارے) بھیج دے کہ وہ تمام ماہر جادوگروں کو تیرے پاس لے آئیں۔ پھر تمام جادوگر ایک مقررہ دن (اور) مقررہ وقت پر جمع کئے گئے اور لوگوں سے کہا گیا کہ کیا تم سب (بھی) جمع ہو جاؤ گے؟ تاکہ اگر جادوگر غالب آ جائیں تو ہم (بھی) ان ہی کی پیروی کریں۔

تَاْمُرُوْنَ: تم حکم دیتے ہو۔ تم مشورہ دیتے ہو۔ اَمْرٌ سے مضارع۔

اَرْجِهْ: تو اس کو مہلت دے۔ تو اس کو ڈھیل دے۔ اِرْجَاءٌ سے امر۔

حٰشِرِيْنَ: اکٹھا کرنے والے۔ جمع کرنے والے۔ حَشْرٌ سے اسم فاعل۔

مِيْقَاتِ: مقررہ وقت۔ جمع مَوَاقِيْتُ۔

تشریح: حضرت موسیٰ کے معجزے دیکھ کر جب فرعون سے کچھ بن نہ پڑا تو اپنے پاس بیٹھے ہوئے سرداروں سے کہنے لگا کہ یہ تو بڑا فنکار اور ماہر جادوگر معلوم ہوتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے۔ اب تم بتاؤ کہ اس کے جادو کو بے اثر کرنے اور اس کے نبوت و رسالت کے دعوے کو غلط ثابت کرنے کے لئے کیا تدبیر کی جائے۔ سرداروں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اگر یہ شخص جادوگر ہے اور جادو کے ذریعے ہمارا ملک فتح کرنا چاہتا ہے تو ہمارے لئے اس سے مقابلہ کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ ہمارے ملک میں بڑے بڑے جادوگر موجود ہیں جو اپنے جادو سے اسے شکست دے دیں گے۔ لہٰذا سرکاری کارندوں کو ملک کے تمام شہروں میں بھیج دیا جائے جو وہاں

سے مشہور اور ماہر جادوگروں کو جمع کر کے یہاں لے آئیں۔

چنانچہ سرکاری کارندے تمام شہروں میں بھیج دیئے گئے اور بڑے بڑے نامی گرامی اور کامل فنکار جادوگر مختلف شہروں سے آکر مقررہ وقت پر جمع ہو گئے، جن کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ عام لوگوں کو بھی مقررہ وقت پر پہنچنے کے لئے کہہ دیا گیا۔ چونکہ رعایا بادشاہ کے مذہب پر ہوتی ہے اس لئے سب لوگ یہی کہتے تھے کہ جادوگروں کے غلبے کے بعد ہم تو ان ہی کی پیروی کریں گے۔

ساحرین کا فرعون سے مطالبہ

۴۱۔۴۸، فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ۝ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ۝ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ۝ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ۝ فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ۝

پھر جب جادوگر آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب آ گئے تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ اس نے کہا کہ ہاں اور بیشک اس وقت تم مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔ موسیٰ نے ان (جادوگروں) سے کہا کہ جو کچھ تم ڈالنے والے ہو، ڈالو۔ پھر انہوں نے اپنی رسیاں لاٹھیاں ڈال دیں اور کہنے لگے کہ فرعون کی عزت کی قسم یقیناً ہم ہی غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے بھی لاٹھی ڈال دی تو وہ فوراً (اژدہا بن کر) ان کے بنائے ہوئے ڈھونگ کو نگلنے لگا۔ سو سب جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ کہنے لگے کہ ہم رب العٰلمین پر ایمان لائے۔ موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔

حِبَالَهُمْ: ان کی رسیاں۔ واحد حَبْلٌ۔

عِصِيَّهُمْ: ان کے عصا۔ ان کی لاٹھیاں۔

تَلْقَفُ: وہ (اژدہا) نگل جاتا ہے۔ لَقْفٌ سے مضارع۔

يَاْفِكُوْنَ: وہ لوٹتے ہیں۔ وہ تہمت لاتے ہیں۔ وہ ڈھونگ کرتے ہیں۔ اَفْكٌ سے مضارع۔

تشریح: جب ملک کے نامور جادوگروں کی ایک بڑی تعداد فرعون کے پاس پہنچ گئی تو انہوں نے فرعون سے سوال کیا کہ اگر ہم موسیٰ پر غالب آگئے تو کیا اس پر ہمیں اجر وانعام بھی ملے گا۔ فرعون نے جواب دیا کہ اجر وانعام کے علاوہ تم سب کو ہمارے قرب شاہی کا اعزاز بھی ملے گا۔ پھر جادوگر خوشی خوشی مقابلے کی جگہ کی طرف چل دیئے اور وہاں پہنچ کر حضرت موسیٰ سے کہنے لگے کہ پہلے تم اپنی استادی دکھاتے ہو یا ہم دکھائیں۔ حضرت موسیٰ نے کہا جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال دو۔ حضرت موسیٰ کا جواب سنتے ہی انہوں نے یہ کہتے ہوئے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں کہ فرعون کی عزت اور وسیلے سے ہم ہی غالب رہیں گے۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں ہیبت زدہ کر دیا اور دیکھنے والوں کو محسوس ہوا جیسے لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں اور سارا میدان سانپوں سے بھرا ہوا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ لاٹھیاں اور رسیاں ہی تھیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی جو فوراً ایک بہت بڑا اژدہا بن کر جادوگروں کے سانپوں کو نگلنے لگا اور ان کا ایک سانپ بھی نہ بچ سکا۔ سو حق ظاہر ہو گیا اور باطل مٹ گیا اور ان کا کیا کرایا سب غارت ہو گیا۔ جادوگر اسے دیکھتے ہی کہنے لگے کہ ہمارا جادو تو جادو ہے لیکن حضرت موسیٰ کی لاٹھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے اور حضرت موسیٰ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ چنانچہ وہ اسی وقت سجدے میں گر گئے اور پھر سب کے سامنے اپنے ایمان کا اعلان کیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کا رب ہے اور جس نے ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے

ساحرین کی استقامت

۴۹۔۵۱۔ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

فرعون نے کہا کہ کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی اس پر ایمان لے آئے۔ یقیناً یہی تمہارا استاد ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ سو بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ میں تمہارا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں

کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھادوں گا۔ انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں ۔ بیشک ہم اپنے رب ہی کے پاس جا پہنچیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف فرمادے گا اس بنا پر کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

اُصَلِّبَنَّکُمْ: میں تمہیں ضرور سولی پر چڑھاؤں گا۔ تَصْلِیْبٌ سے مضارع۔

ضَیْرَ: ضرر۔ نقصان۔ ہرج۔ مصدر ہے۔

تشریح: فرعون اپنی پریشانی کو چھپاتے ہوئے ساحروں کو ڈانٹنے لگا کہ تم میری اجازت سے پہلے ہی حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ تم سب اس کے شاگرد ہو اور یہ تمہارا استاد ہے اور تمہارا بزرگ ہے۔ بہت جلد تمہیں اپنے کئے کا نتیجہ مل جائے گا۔ میں تم سب کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ کر تم سب کو سولی پر چڑھادوں گا۔

جادوگر فرعون کی دھمکیوں کے جواب میں کہنے لگے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، جو تم سے ہو سکے کرگزرو ہمیں اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ ہمیں تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اسی سے صلہ لینا ہے۔ تو جتنی تکلیف ہمیں دے گا۔ ہمارا رب ہمیں اتنا ہی اجر وثواب عطا فرمائے گا۔ ہماری تو اب یہی آرزو ہے کہ ہمارا رب ہمیں معاف فرمادے اور سابقہ گناہوں پر ہماری گرفت نہ کرے۔ کیونکہ ہم فرعون کے ساتھیوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ ساحروں کا جواب سن کر فرعون اور بھی بگڑا۔ پھر اس نے ان سب کو قتل کردیا۔

حضرت موسیٰ کو ہجرت کا حکم

۵۲۔۵۹، وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۝ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ۝ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ۝ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ۝ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ۝ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۝

اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ۔ بیشک تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ پھر فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والوں کو

بھیج دیا۔ بیشک یہ ایک چھوٹی سی جماعت ہے اور یقیناً انہوں نے ہمیں بہت
غصہ دلایا ہے۔ اور یقیناً ہم سب ان سے خطرہ رکھتے ہیں پس ہم نے ان
(فرعونیوں) کو باغوں اور چشموں سے نکال دیا اور خزانوں اور عمدہ مقام سے
(نکال باہر کیا ان کے ساتھ) اسی طرح ہوا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان
تمام چیزوں کا وارث بنا دیا۔

اَسْرِ: تو رات کے وقت لے کر چل۔ اِسْرَاءٌ سے امر۔

شِرْذِمَةٌ: تھوڑے سے آدمی، قلیل جماعت۔ جمع شَرَاذِمُ۔

حٰذِرُوْنَ ڈرنے والے۔ محتاط۔ خطرہ رکھنے والے۔ حَذْرٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک و برباد کرنا چاہا اور بنی اسرائیل کو ان کے ظلم سے نجات دینے کا ارادہ کیا تو حضرت موسیٰ کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے لوگوں کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جاؤ۔ اسی طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ البتہ فرعون تمہارے نکل جانے کی خبر پا کر تمہارا تعاقب کرے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے حکم کی تعمیل کی اور بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل گئے۔

جب صبح کو فرعون کو اس کا علم ہوا تو اس نے بنی اسرائیل کے تعاقب کا ارادہ کر لیا اور ملک کے مختلف شہروں میں لشکر جمع کرنے کے لئے آدمی بھیج دیئے۔ جب لشکر جمع ہو گیا تو یہ منادی کرا دی کہ بلا شبہ یہ ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ ان کی تعداد بہت کم ہے اور ان کے پاس ساز و سامان بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ انہوں نے ہماری مخالفت کر کے ہمیں غصہ دلایا ہے۔ یقیناً ہم ہتھیار بند لوگ ہیں۔ یہ لوگ ہماری گرفت سے نہیں نکل سکتے۔

پھر ہم نے ان کے دلوں میں نکلنے کی خواہش پیدا کر دی کہ وہ خود بخود اپنے باغوں، چشموں، خزانوں اور عمدہ مکانوں سے نکل کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا نکالنا ایسا ہی ہوتا ہے۔ پھر ہم نے اسرائیل کو ان نعمتوں کا وارث بنا دیا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۲۴، ۲۲۵/ ۵، مواہب الرحمٰن ۸۱، ۸۳/ ۱۹)

فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی

۶۰۔۶۸، فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ۝ فَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَ اَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

پھر سورج نکلتے ہی انہوں نے ان (بنی اسرائیل) کو جالیا۔ جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے یقیناً ہم پکڑ لئے گئے۔ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں۔ بیشک میرے ساتھ میرا رب ہے جو مجھے بھی راہ بتادے گا۔ پھر ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنی لاٹھی دریا پر مار۔ اسی وقت دریا پھٹ گیا اور پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کے مانند ہو گیا اور ہم نے دوسروں (فرعون کے لشکر) کو بھی وہاں پہنچادیا۔ اور ہم نے موسیٰ اور اس کے سب ساتھیوں کو بچالیا۔ پھر ان دوسروں کو غرق کر دیا۔ بیشک اس (واقعہ) میں البتہ ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں تھے۔ اور بلاشبہ آپ کا رب ہی یقیناً غالب اور مہربان ہے۔

مُشْرِقِيْنَ: صبح کے وقت۔ سورج نکلنے کے وقت۔ اِشْرَاقٌ سے اسم فاعل۔

مُدْرَكُوْنَ: ہاتھ آئے ہوئے۔ پکڑے ہوئے اِدْرَاكٌ سے اسم مفعول۔

اِنْفَلَقَ: وہ پھٹ گیا۔ اِنْفِلَاقٌ سے ماضی۔

فِرْقٍ: حصہ۔ ایک ٹکرا۔ مراد سمندر کا حصہ۔ جمع اَفْرَاقٌ۔

طَوْدِ: پہاڑ۔ مراد یہ ہے کہ پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا۔ جمع اَطْوَادٌ۔

اَزْلَفْنَا: ہم نے قریب کر دیا۔ ہم نے نزدیک کر دیا۔ اِزْلَافٌ سے ماضی۔

تشریح: صبح ہوتے ہی جب فرعون اور اس کی قوم کو پتہ چلا کہ شہر میں بنی اسرائیل کا کوئی بھی آدمی موجود نہیں ہے، سب موسیٰ کے ساتھ جا چکے ہیں تو فرعون اپنے لشکر کو لے کر حضرت موسیٰ اور بنی اسرئیل

کے تعاقب میں نکل پڑا۔ پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو حضرت موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے کہ اب تو یہ لوگ ہمیں پکڑ لیں گے اور ہم میں ان سے مقابلے کی طاقت نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ تمہیں ہرگز نہیں پکڑ سکتے۔ بیشک میرا رب میرے ساتھ ہے۔ بہت جلد وہ مجھے نجات کا راستہ دکھا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس اضطراب و پریشانی کے وقت ہم نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم سمندر پر لاٹھی مارو۔ پھر جب حضرت موسیٰ نے اللہ کے حکم سے اپنی لاٹھی سمندر پر ماری تو وہ فوراً پھٹ گیا اور اس میں خشک راستہ نکل آیا اور پانی کا ہر حصہ اپنی جگہ رک کر ایک بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا اور بنی اسرائیل کے تمام لوگ اطمینان سے دریا کو پار کر گئے۔

پھر فرمایا کہ اس کے بعد ہم نے فرعون کے لوگوں کو اس جگہ کے قریب پہنچا دیا چنانچہ سمندر میں خشک راستہ دیکھ کر وہ بھی خوشی خوشی اس پر چل پڑے۔ جب تمام لوگ سمندر کے اندر پہنچ گئے تو راستے کے دونوں طرف کا پانی مل کر برابر ہو گیا اور تمام فرعونی غرق ہو گئے۔ بلا شبہ اس واقعے میں حضرت موسیٰ کی سچائی کی ایک واضح اور کھلی دلیل ہے، اور اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات پہلے سے تھی کہ فرعون کے لوگوں میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ بلا شبہ آپ کا رب کافروں سے انتقام لینے پر قادر ہے اور وہ اپنے دوستوں پر بڑا مہربان ہے۔ (مظہری ۶۵/ ۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۲۵/ ۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

۶۹ ۔ ۷۴، وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرٰهِيمَ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِينَ ۝ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۝ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۝ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۝

اور ان لوگوں کو ابراہیم کا واقعہ بھی سنا دیجئے۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں سو ہم ان ہی کے گرد رہتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں یا وہ تمہیں نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں۔ انہوں نے کہا (ہم کچھ نہیں جانتے) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی

طرح کرتے پایا ہے۔

نَظَلُّ: ہم رہتے ہیں۔ ظَلٌّ سے مضارع۔ فعل ناقص ہے۔

عٰکِفِیْنَ: اعتکاف کرنے والے۔ گوشہ نشین ہونے والے۔ جم کر بیٹھنے والے۔ عُکُوْفٌ اسم فاعل۔

تشریح: حضرت ابراہیم کی قوم بابل کے اطراف میں آباد تھی۔ مذہباً وہ ستارہ پرست اور بت پرست تھے۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان مشرکوں کو حضرت ابراہیم کا واقعہ پڑھ کر سنائیے تاکہ یہ لوگ جو حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہیں، توحید میں ان کی اقتدا کریں اور شرک سے اجتناب کریں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا کہ تم کس بے حقیقت چیز کو پوجتے ہو تو انہوں نے کہا کہ ہم تو بتوں کو پوجتے ہیں اور اسی پر جمے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے ان سے پوچھا کہ جب تم اپنی حاجتوں کے وقت ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں یا وہ تمہیں کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں۔ اگر تم ان کو پوجنا چھوڑ دو تو کیا وہ تمہیں کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پس جو چیز تمہاری پکار بھی نہ سنتی ہو اور تمہیں کسی قسم کا نفع یا ضرر دینے پر بھی قادر نہ ہو تو وہ عبادت کے قابل کیسے ہو سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم کی قوم کے لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوالوں کے جواب میں کہا کہ جو باتیں تم کہتے ہو وہ تو ہم نے ان میں نہیں پائیں البتہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا۔ سو ہم تمہارے کہنے سے اپنے آبا و اجداد کے طریقے کو نہیں چھوڑ سکتے۔

معبود برحق کی صفات

۷۵۔۸۲۔ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝

ابراہیم نے کہا کہ کیا تم نے ان کو دیکھا بھی ہے جن کو تم پوجتے ہو۔ تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا (بھی جن کو پوجتے رہے) وہ سب میرے دشمن ہیں

سوائے رب العالمین کے، جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہ میری راہنمائی کرتا ہے۔ اور وہی مجھ کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور وہی مجھے موت دے گا، پھر زندہ کرے گا اور وہ جس سے مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز میری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔

تشریح: کیا تم نے غور کیا اور دیکھا کہ تم اور تمہارے باپ دادا کس چیز کو پوجتے چلے آرہے ہیں۔ وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔ میں صرف اللہ رب العالمین کی عبادت کرتا ہوں۔ میں تمہیں بھی اسی کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں۔ وہی حقیقی معبود ہے۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسی نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی مجھے ہدایت کرتا ہے اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مجھ کھلاتا اور پلاتا ہے۔ میرا وجود اور میری بقا سب اسی کے اختیار میں ہے سو جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے کیونکہ بیماری اور شفا دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے ایک مقررہ وقت پر موت دے گا اور پھر قیامت کے روز مجھے دوبارہ زندہ کرے گا۔ میں اسی سے امید لگائے ہوئے ہوں کہ قیامت کے روز وہ میری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا

۸۳، ۸۹۔ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝

اے میرے رب مجھے حکمت عطا کر اور مجھے نیک لوگوں میں ملا دے اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکرِ خیر باقی رکھ۔ اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے اور میرے باپ کو بخش دے کیونکہ وہ یقیناً گمراہوں میں سے تھا۔ اور مجھے اس دن رسوا نہ کر جس دن لوگ دوبارہ زندہ

ہوں گے۔ اس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد مگر جو اللہ کے پاس پاک
دل لے کر آئے گا۔

تشریح: قوم کے سامنے معبود حقیقی کے اوصاف بیان کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اے میرے پروردگار تو مجھے علم وحکمت عطا فرما اور مجھے اپنے خاص نیک بندوں میں شامل فرما۔ اور فرمایا کہ میرا ذکر خیر آئندہ لوگوں کی زبانوں پر کردے کہ وہ مجھے اچھائی سے یاد کریں اور میرے طریقے پر چلیں اور مجھے بھی ان کی نیکیوں سے حصہ ملے۔ اے اللہ مجھے جنت النعیم کے وارثوں میں سے بنادے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، ان کو علم وحکمت اور نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور صالحین یعنی انبیا میں سے بنایا۔

آیت میں حکم سے علم وعمل کا کمال مراد ہے اور صالحین سے انبیا مراد ہیں جن کے اندر کسی علمی و عملی کدورت کا شائبہ تک نہیں ہوتا، مطلب یہ ہے کہ مجھے علمی وعملی کمال عطا فرمادے تاکہ ابنیا کے مسلک سے منسلک ہوسکوں اور اللہ کی صحیح خلافت اور خلق خدا کی قیادت کی میرے اندر استعداد ہو جائے۔

اس کے بعد آپ نے دعا کی اے اللہ تو میرے باپ کی مغفرت فرمادے یقیناً وہ راہ حق سے بھٹکا ہوا ہے۔ یعنی اے اللہ اس کو ایمان وہدایت کی توفیق نصیب فرما تاکہ وہ تیری مغفرت کا مستحق ہو سکے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امید تھی کہ شاید وہ ایمان لے آئے لیکن جب اللہ کی طرف سے ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

پھر اپنی دعا جاری رکھتے ہوئے عرض کی۔ اے میرے پروردگار، جس روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس روز تو مجھے ذلیل ورسوا نہ کرنا۔ وہ دن بڑا ہولناک ہوگا۔ اس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد کسی کام آئے گی۔ اس دن ذلت ورسوائی سے صرف وہ شخص بچے گا جو اللہ کے سامنے کفر وشرک سے پاک وصاف ہو کر آئے گا۔ (مظہری ۶۸۔۳۰/۷)

کافروں کا اعترافِ گناہ

۹۰۔۱۰۴، وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ۝ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ؕ ۝ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ۝ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ؕ ۝ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ۝ تَاللّٰهِ اِنْ

كُنَّا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۝ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ۝ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

اور اس دن پرہیز گاروں کے لئے جنت قریب لائی جائے گی اور دوزخ گمراہوں کے سامنے کردی جائے گی اوران سے کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کوتم اللہ کے سوا پوجتے تھے، کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں یا کوئی بدلہ لے سکتے ہیں۔پھر وہ بھی اور گمراہ لوگ اور سب شیطانی لشکر بھی، جہنم میں اوندھے منہ ڈالے جائیں گے۔ وہ وہاں باہم جھگڑتے ہوں گے (اپنے معبودوں سے) کہیں گے خدا کی قسم ہم ضرور صریح گمراہی میں تھے جبکہ ہم تم کو رب العالمین کے برابر کرتے تھے۔اورہمیں ان بدکاروں کے سوا کسی نے گمراہ نہیں کیا تھا سو ہماری کوئی شفاعت کرنے والا نہیں اور نہ کوئی دوست وغم خوار۔ کاش ایک مرتبہ پھر ہمیں (دنیا میں) جانا ملتا تو ہم بھی مومن بن جاتے۔ بیشک اس (واقعے) میں البتہ ایک نشانی ہے اوران میں سے اکثر لوگ مومن نہیں تھے۔ اور بلاشبہ آپ کا رب ہی یقیناً غالب (اور) مہربان ہے۔

اُزْلِفَتِ: وہ قریب کی جائے گی۔وہ نزدیک کی جائے گی۔اِزْلَافٌ سے ماضی مجہول۔

بُرِّزَتِ: وہ ظاہر کردی گئی۔وہ سامنے کردی گئی۔تَبْرِیْزٌ سے ماضی مجہول۔

الْغٰوِیْنَ: گمراہ: بےراہ۔غَیٌّ سے اسم فاعل۔

کُبْکِبُوْا: وہ اوندھے منہ ڈالے جائیں گے۔وہ الٹے ڈالے جائیں گے۔کَبْکَبَۃٌ سے ماضی مجہول

حَمِیْمٍ: دلی دوست۔غم کھانے والا مہربان۔جمع اَحِمَّاءُ۔

کَرَّۃً: لوٹ جانا (دنیا میں)۔پھر جانا۔مصدر مرۃ ہے۔

تشریح: قیامت کا دن بڑا ہیبت ناک ہوگا۔اس دن میدان حشر میں، جنت پرہیز گاروں کے

قریب کر دی جائے گی تا کہ اہل ایمان جنت میں جانے سے پہلے ہی اپنا دائمی ٹھکانا دیکھ کر خوش ہو جائیں۔ اسی طرح جہنم گمراہوں کے سامنے کر دی جائے گی تا کہ اپنا دائمی ٹھکانا دیکھ کر ان کا خوف و ناامیدی بڑھ جائے۔ پھر مشرکوں سے کہا جائے گا کہ آج تمہارے وہ معبود کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے اور جن کی شفاعت کے تم امیدوار تھے۔ کیا وہ آج تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟ کیا وہ آج تمہیں عذاب سے بچا سکتے ہیں یا وہ اپنے آپ کو عذاب سے بچا سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اس دن وہ مشرکین اور ان کے معبود جن کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ پھر اس کے بعد ان مشرکوں، ان کے باطل معبودوں اور ابلیس کے تمام گروہوں یعنی جنوں اور انسانوں میں سے اس کی اتباع کرنے والوں کو جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیا جائے گا۔ جہنم میں پہنچ کر عابد اور معبود یعنی مشرکین اور ان کے بت آپس میں جھگڑیں گے اور عابد اپنے معبودوں سے کہیں گے کہ خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی اور صریح غلطی پر تھے کہ ہم تمہاری عبادت کرتے تھے اور تمہیں رب العالمین کے برابر قرار دیتے تھے۔ ہمیں ان مجرموں نے ہی گمراہ کیا اور غلط کاموں پر لگائے رکھا۔ اب ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں ہے جیسے فرشتے اور انبیا مومنوں کے سفارشی ہیں۔ اور نہ کوئی سچا اور مہربان دوست اور نہ کوئی قرابت دار جو ہماری سفارش کر دے۔ کاش ہم ایک بار پھر دنیا میں جائیں اور پکے مومن بن کر واپس آئیں۔ بلاشبہ حضرت ابراہیم کے اس واقعے میں اہل عقل کے لئے ایک بڑی دلیل ہے اور اللہ کے علم میں یہ بات پہلے سے تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے بلاشبہ آپ کا رب ہی کافروں سے انتقام لینے پر قادر ہے اور وہ اپنے دوستوں پر بڑا مہربان ہے۔

حضرت نوح کی تکذیب

۱۰۵۔۱۱۰، كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ ِالْمُرْسَلِينَ ۚ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۚ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۚ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۚ

نوح کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ جب کہ ان کے بھائی نوح نے کہا کہ کیا تمہیں (اللہ کا) خوف نہیں۔ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اتباع کرو۔ اور اس پر میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا

اجر تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام ایک طویل عرصے تک اپنی قوم کی تکذیب پر صبر کرتے رہے۔ پہلے تو انہوں نے اپنی قوم کو اللہ سے ڈراتے ہوئے سوال کیا کہ کیا تم شرک و بت پرستی کرتے ہوئے اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔ پھر ان کو اپنی رسالت اور امانت کے بارے میں بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت و راہنمائی کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ میرے پاس جو وحی آتی ہے میں اس کا امین ہوں اور تم لوگوں میں بھی میری امانت و صداقت مشہور ہے۔ سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میں جو تمہیں شرک و بت پرستی چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیتا ہوں اس کو مانو۔ اس دعوت و نصیحت پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر و ثواب تو صرف اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ میں تو صرف تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں۔ سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور بلا چوں و چرا میری اطاعت کرو تاکہ تم عذاب جہنم سے بچ سکو اور جنت پا سکو۔

قومِ نوح کا جواب

۱۱۱۔۱۱۶۔ قَالُوٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِىْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّىْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

وہ کہنے لگے کہ کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ تیری اتباع تو ذلیل لوگوں نے کی ہے۔ نوح نے کہا مجھے نہیں معلوم وہ کیا کرتے تھے۔ ان کا حساب تو میری رب ہی کے ذمے ہے۔ کاش تمہیں (اس کا) شعور ہوتا اور میں مومنوں کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔ میں تو بس صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا اے نوح اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً تجھے سنگسار کیا جائے گا۔

طَارِدِ: ہانکنے والا۔ دور کرنے والا۔ طَرْدٌ سے اسم فاعل۔

مَرْجُوْمِيْنَ: سنگسار کئے ہوئے۔ پتھر مار کر ہلاک کئے ہوئے۔ رَجْمٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: حضرت نوح کی قوم بڑی بد بخت اور سنگدل تھی۔ حضرت نوح کی نصیحت کو قبول کرنے اور

ان پر ایمان لانے کی بجائے کہنے لگے کہ کیا ہم ایسی صورت میں تجھ پر ایمان لے آئیں جبکہ تیری اتباع ذلیل کمینے کم عزت اور نچلے طبقے کے لوگوں نے کی ہے۔ اگر تیرے پاس کوئی اچھی بات ہوتی تو ہمارے سردار اور شریف لوگ پہلے تجھ پر ایمان لاتے اور ہم ان کی اتباع کرتے۔ ہم ان بیوقوفوں کے تجھ پر ایمان لانے سے تیری تصدیق نہیں کریں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ وہ کس غرض سے میری نصیحت کے مطابق عمل کرتے ہیں، خالص اللہ کے لئے یا دنیاوی لالچ کے لئے۔ میرا کام باطن کی تحقیق کرنا نہیں۔ میرے ذمے تو صرف ظاہر کا اعتبار کرنا ہے۔ جو ظاہر میں ایمان لے آئے وہ میرے نزدیک مقبول ہے۔ رہا ان کے باطن کا معاملہ تو وہ میرے رب کا کام ہے جو ان کی باطنی حالت سے واقف ہے۔ افسوس تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ ان لوگوں کو حضرت نوح کے پاس سے نکلوانا چاہتے تھے جو ان پر ایمان لے آئے تھے، اس لئے حضرت نوح نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ میں ان مومنوں کو اپنے پاس سے نہیں ہٹا سکتا۔ میں تو صرف عذاب الٰہی سے خبردار کرنے والا اور حق ... اضح کرنے والا ہوں۔ حضرت نوح کی گفتگو سن کر ان کی قوم کے لوگ کہنے لگے کہ اے نوح اگر تو اپنی دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت سے باز نہ آیا تو یقیناً ہم تجھے سنگسار کر دیں گے۔ (مواہب الرحمٰن ۹۷۔۹۸/ ۱۹، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۳۳/ ۵)

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا

۱۱۷۔۱۲۲۔ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوۡمِیۡ كَذَّبُوۡنِ ۚۖ ﴿۱۱۷﴾ فَافۡتَحۡ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَهُمۡ فَتۡحًا وَّ نَجِّنِیۡ وَ مَنۡ مَّعِیَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنۡجَیۡنٰهُ وَ مَنۡ مَّعَهٗ فِی الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ الۡبٰقِیۡنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۲۱﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۲۲﴾

نوح نے دعا کی! اے میرے رب میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا سو تو میرے اور ان کے درمیان کوئی قطعی فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے مومن ساتھیوں کو نجات دے۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو جو بھری کشتی میں تھے بچا لیا پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا بیشک اس (واقعے) میں البتہ

ایک نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں تھے۔ اور بلا شبہ آپ کا
رب ہی یقیناً غالب (اور) مہربان ہے۔

اَلْفُلْکِ: کشتی۔ جہاز۔ مذکر و مؤنث واحد و جمع سب کے لئے آتا ہے۔

اَلْمَشْحُوْنِ: بھرا ہوا۔ شَحْنٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام قوم کی دھمکی سن کر ان کے ایمان سے ناامید ہو گئے۔ اور اللہ سے دعا کرنے لگے۔ اے میرے رب! میری قوم نے مجھے جھوٹا قرار دیا ہے سو تو میرے اور ان کے درمیان قطعی فیصلہ فرما دے مجھے اور جو مسلمان میرے ساتھ ہیں ان کو اپنے قہر و عذاب سے نجات دے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی، ان کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے غرق ہونے سے بچالیا۔ پھر باقی تمام لوگوں کو جو کشتی میں سوار نہیں تھے غرق کر دیا۔

بیشک اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک زبردست نشانی ہے اور قوم نوح میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اے نبی ﷺ بیشک آپ کا پروردگار وہی ہے جو زبردست اور مہربان ہے کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا اور اپنی رحمت سے مسلمانوں کو غرق ہونے سے بچالیا۔

حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب

۱۲۳، ۱۲۷۔ كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِيْنَ ۚ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوْهُمْ هُوْدٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ
إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ۚ وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ
مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ

قوم عاد نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان کے بھائی ہود نے کہا کہ کیا تمہیں (اللہ کا) خوف نہیں۔ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں اسی پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر و ثواب رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔

تشریح: قوم عاد، حضرت نوح کے بعد ہوئی۔ ان کا مسکن بلاد یمن کی جانب حضر موت کے قریب احقاف میں تھا۔ احقاف، حِقَفٌ کی جمع ہے اور حِقَفٌ ریت کے لمبے اور پیچ دار قطع کو کہتے ہیں۔ یہ

لوگ بہت قوی اور لمبے چوڑے تھے۔ خوب مالدار تھے اور بڑی بڑی عمارتیں بناتے تھے۔ اس کے باوجود وہ پتھروں وغیرہ کے سامنے سر جھکاتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو دنیا کی بے اثباتی اور ناپائداری پر آگاہ کیا اور شرک و بت پرستی سے منع کیا مگر دولت کا نشہ حق قبول کرنے میں مانع رہا۔ (مواہب الرحمٰن ۱۰۰/ ۱۹)

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم کفر و شرک کر کے اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب سے نہیں ڈرتے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت و راہنمائی کے لئے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ میرے پاس وحی آتی ہے۔ میں اس کا امین ہوں اور تم لوگ مری امانت و صداقت سے خواب واقف ہو، سو تم میرا کہا مانو اور اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میں جو تمہیں شرک و بت پرستی چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیتا ہوں، اس پر عمل کرو۔ اس دعوت و نصیحت پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر و ثواب تو صرف اللہ ذمے ہے۔ میں تو صرف تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں۔ سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور بلا چون و چرا میری اطاعت کرو تا کہ تم عذاب جہنم سے بچ سکو اور جنت کو حاصل کر سکو۔

حضرت ہود علیہ السلام کا وعظ و نصیحت

۱۲۸، ۱۳۵۔ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

کیا تم ہر اونچی زمین پر ایک فضول عمارت بناتے ہو اور تم بڑے بڑے محل بناتے ہو گویا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو گے۔ اور جب تم کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو بالکل ظالم بن کر ڈالتے ہو۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور اس (اللہ) سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمہاری مدد کی جن کو تم جانتے ہو۔ اس نے چوپایوں اور اولاد سے تمہاری مدد کی اور باغوں اور چشموں سے۔ تحقیق مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

رِیْع: بلند جگہ۔ ٹیلہ۔ نرم زمین۔ جمع رِیَاعٌ۔

بَطَشْتُمْ: تم نے پکڑا۔ تم نے گرفت کی۔ بَطْشٌ سے ماضی۔

تشریح: کیا تم ہر بلند جگہ پر اپنی شان وشوکت کے نشان کے طور پر ایک عمارت بناتے ہو جو محض عبث اور بے کار کام ہے۔ آخرت میں اس کا کوئی فائدہ نہیں اور تم بڑے بڑے عالیشان محل، مضبوط قلعے، حوض اور تالاب بناتے ہو گویا کہ تم اس دنیا میں اور اپنے ان عالیشان محلات میں ہمیشہ رہو گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ تمہارے تکبر کا یہ حال ہے کہ جب تم کسی کی گرفت کرتے ہو تو جباروں اور ظالموں کی طرح سختی سے پکڑتے ہو، جس میں رحم دلی کا نام ونشان نہیں ہوتا، سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور ان حرکتوں کو چھوڑ دو۔ میرے کہنے پر چلو اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں مویشی، باغات، چشمے اور بیٹوں جیسی نعمتیں دیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے اپنی نعمتیں واپس لے لے۔ اگر تم میرے کہنے پر نہ چلے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تمہاری بداعمالیوں کے نتیجے میں تم پر ایک بڑے سخت دن کا عذاب نہ آجائے۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابوالبشر انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ جب کسی بندے کی ذلت چاہتا ہے تو وہ بندہ اپنا مال عمارت بنانے میں خرچ کرتا ہے۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ہوگی سوائے مسجد اور (سکونت کے) گھر کے۔ (مظہری ۸۳۔۸۵/ ۷، مواہب الرحمٰن ۱۰۰۔۱۰۱/ ۱۹)

قومِ عاد کی ہٹ دھرمی

۱۳۶، ۱۴۰۔ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

انہوں نے کہا کہ تم ہمیں وعظ کرو یا نہ کرو ہمارے لئے (سب) برابر ہے۔ یہ تو بس پہلے لوگوں کی ایک عادت ہے۔ اور ہم پر کوئی آفت آنے والی نہیں

ہے۔غرض انہوں نے ہود کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ بیشک اس (واقعے) میں البتہ ایک نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ مومن نہیں تھے۔اور بلاشبہ آپ کا رب ہی یقیناً غالب (اور) مہربان ہے۔

تشریح: حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم جس حال پر ہیں وہی صحیح ہے سو آپ ہمیں وعظ نصیحت کریں یا نہ کریں ہمارے لئے برابر ہے۔ہم جس طریقے پر چل رہے ہیں اس کو ترک نہیں کریں گے۔ یہ تو پہلے لوگوں کی عادت ہے کہ وہ اس طرح کی جھوٹی باتیں بناتے ہیں۔ پہلے بھی لوگ پیدا ہوتے اور مرتے رہے ہیں اور ہم بھی پیدا ہوتے اور مرتے ہیں۔جس طرح وہ مرنے کے بعد زندہ نہیں ہوئے اور ان کا حساب نہیں ہوا، اسی طرح ہم بھی مر کر دوبارہ زندہ نہیں ہوں گے اور نہ ہمارے اعمال کا حساب ہوگا۔سو ہم جس طریقے پر چل رہے ہیں اس پر ہمیں کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ غرض جب ان لوگوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی بات نہ مانی اور ان کو جھٹلاتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ایک تیز آندھی بھیج کر ان کو ایسا تباہ و برباد کیا کہ ان کا اور ان کے محلوں اور قلعوں کا نام و نشان تک نہ رہا۔اس واقعے میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے اور قوم عاد میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔اے نبی ﷺ یقیناً آپ کا رب وہی ہے جو زبردست اور مہربان ہے کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب

۱۴۱۔۱۴۵۔ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ۚ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ۚ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ؕ

ثمود کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کہ کیا تمہیں (اللہ کا) خوف نہیں۔ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس پر میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔میرا اجر تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔

تشریح: قوم ثمود عرب کے شمالی علاقے میں آباد تھی۔ان کے خاص شہر کا نام حِجر تھا جو وادی

القرای میں مدینے اور شام کے درمیان تبوک سے چار میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ یہاں چشمے اور باغات کثرت سے تھے۔ یہ مقام اب تک ویران موجود ہے۔ قوم ثمود کے لوگ بت پرست اور رہزن تھے۔ قیامت اور جزا وسزا کے منکر تھے اور خوب آسودہ حال تھے۔

جب حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم کفر و شرک کر کے اللہ تعالیٰ کے قہر وعذاب سے نہیں ڈرتے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے لئے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، میرے پاس وحی آتی ہے۔ میں اس کا امین ہوں اور تم لوگ میری امانت وصداقت سے خوب واقف ہو، سو تم میرا کہا مانو اور اللہ کے عذاب سے ڈرو، اور میں جو تمہیں شرک و بت پرستی چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں تو اس کو قبول کرو اور اس پر عمل کرو۔ اس دعوت ونصیحت پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر وثواب تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ میں تو محض تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور بلا چون وچرا میری اطاعت کرو تاکہ تم عذاب جہنم سے بچ سکو اور جنت کو حاصل کر سکو۔

حضرت صالح علیہ السلام کی نصیحت

۱۴۶، ۱۵۲۔ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝

کیا تم یہاں کی نعمتوں میں امن سے چھوڑ دیئے جاؤ گے (یعنی) باغوں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور ایسی کھجوروں میں جن کے خوشے خوب گندھے ہوئے ہیں اور تم پہاڑوں کو تراش کر پر تکلف مکانات بناتے ہو۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور حد سے نکلنے والوں کی بات نہ مانو، جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

طَلْعُهَا: اس کا خوشہ۔ اس کا سر۔ اس کا پھول۔

هَضِيْم: ٹوٹا ہوا۔ گندھا ہوا۔ تہ بہ تہ۔ خوب بھرا ہوا۔ هَضْمٌ سے صفت مشبہ بمعنی اسم مفعول۔

تَنْحِتُوْنَ: تم تراشتے ہو۔ نَحْتٌ سے مضارع۔

فٰرِهِيْنَ: اترانے والے۔ فخر کرنے والے۔ سمجھدار ماہر۔ فَرَاهَةٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ گمان ہے تمہیں ان دنیاوی نعمتوں میں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہیں جیسے باغات، چشمے۔ کھیتیاں اور کھجور کے درخت جن کے خوشے کھجوروں سے خوب گندھے ہوئے ہیں وغیرہ، میں یونہی بے فکری کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا۔ اور تم پر نہ کوئی آفت آئے گی اور نہ تمہیں موت آئے گی۔ حالانکہ ان نعمتوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم ان پر منعم حقیقی کا شکر ادا کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو۔ کیا تم اس لئے بے فکر ہو کہ تم پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے ہو اور پھر اس پر اتراتے ہو۔ یہ مضبوط اور پتھروں کے مکانات تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔ وہ اللہ اس پر قادر ہے کہ تمہارے امن و امان کو خاک میں ملا دے۔ سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور تم اپنے ان سرداروں کی بات نہ مانو جو بندگی کی حد سے تجاوز کر گئے ہیں، یہ لوگ صلاح کی بجائے زمین میں فساد اور تباہی مچاتے ہیں۔

قومِ ثمود کی ہٹ دھرمی

۱۵۳، ۱۵۹ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۝ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

وہ کہنے لگے یقیناً تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ تو تو ہم جیسا ہی ایک انسان ہے۔ اگر تو سچا ہے تو کوئی نشان لے کر آ۔ صالح نے کہا یہ ایک اونٹنی ہے۔ پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقررہ دن میں ایک باری تمہاری ہے۔ اور اس کو برائی سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تمہیں ایک بڑے دن کا عذاب آ پکڑے گا۔ سو انہوں اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر وہ بھی پچھتاتے رہ گئے۔ پھر انہیں عذاب نے آلیا۔ بیشک اس (واقعے) میں البتہ ایک نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں تھے اور بلاشبہ آپ

کا رب ہی یقیناً غالب (اور) مہربان ہے۔

نَاقَةٌ: اونٹنی ۔ جمع نُوقٌ ۔

عَقَرُوهَا: انہوں نے اس (اونٹنی) کے پاؤں کاٹ دیئے۔ انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ عَقْرٌ سے ماضی۔

تشریح: حضرت صالح علیہ السلام کا وعظ اور نصیحت سن کر قوم کے لوگ کہنے لگے کہ تم پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے، اسی لئے بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ تم اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتے ہو حالانکہ تم ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو۔ ہم میں سے تو کسی پر وحی نہیں آتی، پھر تم پر کیسے آتی ہے۔ اللہ کا رسول تو فرشتے کو ہونا چاہئے تم ہم جیسے ہو کر رسول ہونے دعویٰ کا کرتے ہو۔ یہ تو بے عقلی کی دلیل ہے۔ سو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس کی کوئی دلیل لاؤ۔ پھر انہوں نے کہا کہ اچھا ہماری آنکھوں کے سامنے اس خاص چٹان میں سے ایک اونٹنی پیدا کر کے دکھاؤ جو ایسی ایسی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعا سے اسی وقت پتھر کی چٹان کے اندر سے ان کو مطلوبہ اونٹنی برآمد کر دی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ یہ ہے تمہاری مطلوبہ اونٹنی اور اس کے کچھ حقوق ہیں۔ ان حقوق میں سے یہ ہے کہ پانی کا حصہ مقرر ہے۔ ایک دن یہ اونٹنی پانی پیے گی اور ایک دن تمہارے جانور پییں گے۔ تم اس کی باری کے دن اپنے جانوروں کو پانی نہ پلانا اور تمہارے جانوروں کی باری کے دن یہ اونٹنی پانی نہیں پیئے گی۔ اس کا دوسرا حق یہ ہے کہ تکلیف پہنچانے کی نیت سے تم اس کو ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تمہیں یوم عظیم کا عذاب آ پکڑے گا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم اپنا مطلوبہ معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائی اور نہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی تصدیق کی اور نہ اس اونٹنی کے حقوق ادا کئے بلکہ انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر جب عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو اپنے کئے پر نادم ہوئے لیکن اس ندامت کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ آخر جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اس نے ان کو آ پکڑا اور وہ سب مر گئے۔ بیشک قوم ثمود کے واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے ان کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اے نبی یقیناً آپ کا پروردگار ہی زبردست اور مہربان ہے کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی تکذیب

۱۶۰،۱۶۶۔ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝

قوم لوط نے بھی نبیوں کو جھٹلایا جبکہ ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تمہیں (اللہ کا) خوف نہیں۔ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں اس پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔ کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہارے رب نے تمہارے لئے جو بیویاں پیدا کی ہیں تم ان کو چھوڑ کر اس قبیح فعل کا ارتکاب کرتے ہو اور حدودِ انسانیت سے تجاوز کرتے ہو۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے جو سدوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ سدوم قومِ لوط کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے جو شام کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہ لوگ بت پرست ہونے کے علاوہ شہوت پرستی میں غرق تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم کفر و شرک کر کے اللہ کے قہر و عذاب سے نہیں ڈرتے، سارے جہاں میں تم ہی مردوں سے بدفعلی کرتے ہو، دنیا میں کوئی مخلوق بھی ایسی حرکت نہیں کرتی، سو تم اس سے اجتناب کرو۔ ان بدبختوں نے اپنے پیغمبر کی بات ماننے کی بجائے ان کی تکذیب کی۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام نے کہا کہ اے میری قوم۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری ہدایت و راہنمائی کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ میرے پاس وحی آتی ہے۔ میں اس کا امین ہوں اور تم لوگ میری امانت و صداقت سے خوب واقف ہو سو تم میرا کہا مانو اور اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میں جو تمہیں شرک و بت پرستی چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں تو اس کو قبول کرو اور اس پر عمل کرو۔ اس دعوت و نصیحت پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر و ثواب تو

صرف اللہ کے ذمے ہے۔ میں تو محض تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں۔ سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور بلا چون و چرا میری اطاعت کرو تا کہ تم عذاب الٰہی سے بچ سکو اور جنت کو حاصل کر سکو۔

قوم لوط کی ہلاکت

۱۶۷، ۱۵۷ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾

انہوں کہا کہ اے لوط اگر تو (ان باتوں سے) باز نہ آیا تو ضرور نکال دیا جائے گا۔ (لوط نے) کہا میں تو تمہارے کام سے سخت بیزار ہوں۔ (اور دعا کی) اے میرے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو اس سے نجات دے جو یہ کرتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے سب گھر والوں کو بچالیا سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ گئی تھی۔ پھر ہم نے ان دوسروں کو ہلاک کر دیا اور ان پر (پتھروں کا) مینہ برسا دیا۔ سو کیا ہی بری بارش تھی جو ان لوگوں پر کی گئی جن کو ڈرایا گیا تھا۔ بیشک اس (واقعے) میں البتہ ایک نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں تھے، اور بلاشبہ آپ کا رب ہی یقیناً غالب (اور) مہربان ہے۔

قَالِيْنَ: بیزار ہونے والے۔ سخت نفرت کرنے والے۔ قَلْوٌ و قِلیً سے اسم فاعل۔ واحد قَالٍ۔

عَجُوْزًا: بڑھیا۔ جمع عَجَائِزُ و عُجُزٌ۔

الغٰبِرِيْنَ: پیچھے رہنے والے۔ باقی رہنے والے۔ غَبْرٌ سے اسم فاعل۔

دَمَّرْنَا: ہم نے تباہ کر ڈالا۔ ہم نے اکھاڑ ڈالا۔ تَدْمِيْرٌ سے ماضی۔

اَمْطَرْنَا: ہم نے برسایا۔ اِمْطَارٌ سے ماضی۔

تشریح: حضرت لوط کی نصیحت کے جواب میں ان کی قوم کے لوگ کہنے لگے کہ اے لوط اگر تو ہمیں منع کرنے اور برا کہنے سے باز نہ آیا اور اپنے توحید و اطاعت کے دعوے پر اصرار کرتا رہا تو ہم تجھے

اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ حضرت لوط نے ان کے جواب میں کہا کہ مجھے تمہارے عمل سے سخت نفرت ہے اس لئے میں تمہاری اس دھمکی کی پرواہ نہیں کرتا کہ تم مجھے بستی سے نکال دو گے۔

حضرت لوط علیہ السلام جب قوم سے بالکل مایوس ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اے میرے پروردگار مجھے اور میرے لوگوں کو ان کے برے کام کے وبال اور عذاب سے بچالے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ ہم نے لوط اور ان کے سب متعلقین کو نجات دی سوائے ایک بڑھیا کے، جو حضرت لوط علیہ السلام کی بدقسمت بیوی تھی اور پیچھے رہ گئی تھی۔ پھر جب حضرت لوط اپنے ساتھیوں کو لے کر باہر نکل گئے تو ہم نے دوسرے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ ان کی بستیوں کو زمین سے اوپر لے جا کر الٹ دیا اور ان پر پتھروں کی بارش کر دی۔ (مفصل واقعہ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے)۔

بیشک اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے۔ اس کے باوجود قوم لوط کے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔ اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار یقیناً زبردست اور مہربان ہے کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب

۱۸۰،۱۷۶ كَذَّبَ اَصۡحٰبُ لۡئَيۡكَةِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۞ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ شُعَيۡبٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۞ اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ۞ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۞ وَمَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۞

اَیکہ والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا جبکہ شعیب نے ان سے کہا کہ کیا تمہیں (اللہ) کا خوف نہیں۔ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں اس پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر و ثواب تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔

تشریح: اصحاب اَیکَۃ اور اصحاب مدین ایک ہی قوم ہے۔ ایکہ ایک درخت تھا جسے یہ لوگ پوجتے تھے۔ اسی نسبت سے ان کو ایکہ کہا گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام اسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔
(ابن کثیر ۳/۳۴۵)

یہ لوگ شرک کے علاوہ ناپ تول میں بھی کمی کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کیا تم کفر و شرک اور ناپ تول میں کمی کر کے اللہ کے قہر سے نہیں ڈرتے۔

ان بدبختوں نے اپنے پیغمبر کی بات ماننے کی بجائے ان کی تکذیب کی ۔ پھر حضرت شعیب نے کہا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری ہدایت و راہنمائی کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، میرے پاس وحی آتی ہے ۔ میں اس کا امین ہوں اور تم لوگ میری امانت وصداقت سے خوب واقف ہو، سو تم میرا کہا مانو اور اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میں جو تمہیں شرک و بت پرستی چھوڑ کر ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں تو اس کو قبول کرو اور اس پر عمل کرو اور ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑ دو ۔

اس دعوت و نصیحت پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ۔ میرا اجر وثواب تو صرف اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے ۔ میں تو محض تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور بلا چون و چرا میری اطاعت کرو تاکہ تم عذاب الٰہی سے بچ سکو ۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحت

۱۸۱ ۔ ۱۸۴ ۔ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾

پیمانہ بھر کر دیا کرو اور نقصان دینے والوں میں سے نہ بنو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو اور اس سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلی مخلوق کو پیدا کیا ۔

اَلْكَيْلَ : پیمانے سے غلہ وغیرہ ناپنا ۔ مصدر ہے ۔

زِنُوْا : تم وزن کرو ۔ تم تولو ۔ وَزْنٌ سے امر ۔

قِسْطَاسِ : ترازو ۔ میزان ۔ اسم ہے ۔ جمع قَسَاطِيْسٌ ۔

تَبْخَسُوْا : تم کم دینے لگو ۔ تم گھٹانے لگو ۔ بَخْسٌ سے مضارع ۔

تَعْثَوْا : تم بھرو ۔ تم فساد مچاؤ ۔ تم پھیلاؤ ۔ عِثِيٌّ وعُثِيٌّ سے مضارع ۔

الجِبِلَّةَ : خلقت ۔ مخلوقات ۔

تشریح : حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ناپ تول درست کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو ۔ جب کسی کو کوئی چیز ناپ کر دو تو اس کے حق سے کم نہ کرو ۔ اسی طرح

جب کسی سے کوئی چیز ناپ کر تو لو تو زیادہ لینے کی کوشش اور تدبیر نہ کرو۔ یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ تم لیتے وقت تو پورا لو اور دیتے وقت کم دو۔ پس لینا اور دینا دونوں کو صاف ستھرا اور صحیح رکھو۔ سیدھی ترازو سے تولو۔ ڈنڈی نہ مارو اور پیمانہ پورا بھر کر دو۔ زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ ناپ تول میں کمی کرنا بھی ایک طرح کا فساد ہے بلکہ یہ بھی ایک طرح کی چوری ہے۔ اس اللہ سے ڈرتے رہو جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تمہیں اور تم سے پہلی امتوں کو پیدا کیا۔ جو تمہیں عدم سے وجود میں لایا وہ تمہیں فنا کرنے پر بھی قادر ہے لہٰذا تم اسی سے ڈرو اور اسی کی فرماں برداری کرتے رہو۔ (ابن کثیر ۳۴۵۔۳۴۶/۳)

قومِ شعیب کی بدبختی

۱۸۵، ۱۹۱۔ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾

وہ کہنے لگے یقیناً تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے اور تو تو ہمارے جیسا ہی ایک انسان ہے اور ہم تو تجھے جھوٹوں میں سے ہی سمجھتے ہیں۔ اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے۔ شعیب نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ غرض انہوں اس (شعیب) کو جھٹلایا تو سائے کے دن کے عذاب نے ان کو آلیا۔ یقیناً وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔ بیشک اس (واقعے) میں البتہ ایک نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ مومن نہیں تھے۔ اور بلاشبہ آپ کا رب ہی یقیناً غالب (اور) مہربان ہے۔

اَسْقِطْ: تو گرا دے۔ تو ڈال دے۔ اِسْقَاطٌ سے امر۔

كِسَفًا: ٹکڑے۔ روئی کا گالا۔ بادل کا ٹکڑا۔ واحد كِسْفَةٌ۔

الظُّلَّةِ: ابر، عذاب کا بادل۔ سایہ۔ جمع ظُلَلٌ۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحت کے جواب میں ان کی قوم کے لوگ حقارت کے طور پر کہنے لگے کہ تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے تیری عقل ٹھکانے نہیں رہی۔تو تو ہم جیسا ہی ایک آدمی ہے۔ تجھے ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ پھر تو رسول کیسے ہوسکتا ہے۔ بلاشبہ ہم تو تجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اگر تو نبوت کے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادے۔حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ میرا رب تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے اگر تم آسمانی عذاب کے مستحق ہو تو وہ تم پر ضرور آسمانی عذاب بھیجے گا مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ تمہیں کیا سزا دے گا اور کب دے گا۔آخر کار جو عذاب وہ مانگ رہے تھے اسی نے انہیں آپکڑا۔ بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔

قوم شعیب پر سات دن تک سخت گرمی پڑی کسی جگہ بھی ٹھنڈک یا راحت میسر نہ تھی۔سات دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے سیاہ بادل کا ایک ٹکڑا بھیجا جو ان کے سروں پر چھا گیا۔ یہ لوگ گرمی اور حرارت کی شدت سے بے قرار تھے اس لئے بادل کو غنیمت سمجھ کر سب کے سب اس کے سائے میں آگئے۔ پھر آسمان سے آگ برسنی شرع ہوئی، ساتھ ہی زمین زور زور سے جھٹکے لینے لگی اور ایک سخت آواز پیدا ہوئی جس سے ان کے دل پھٹ گئے اور سب لوگ ہلاک ہو گئے۔

(ابن کثیر ۳۴۶،۳۴۷/۳،مواہب الرحمٰن ۱۱۶،۱۱۷/۱۹)۔

بیشک قوم ایکہ کے اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے۔اس کے باوجود ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً آپ کا پروردگار وہی ہے جو زبردست اور مہربان ہے کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا۔

قرآن کی حقانیت

۱۹۲،۱۹۹۔ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ۝ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝

اور یہ قرآن تو رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔اس کو روح الامین لے کر

آپ کے دل پر اترا تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔ (یہ قرآن) صاف عربی زبان میں ہے اور اس کا ذکر پہلے امتوں کی کتابوں میں (بھی) ہے۔ کیا ان کے لئے (یہ) نشانی کافی نہیں کہ اس (قرآن کی حقانیت) کو بنی اسرائیل کے علما بھی جانتے ہیں۔ اگر ہم اس کو کسی عجمی پر نازل کرتے، پھر وہ اس کو ان کے سامنے پڑھتا تب بھی وہ ایمان لانے والے نہ ہوتے۔

تشریح: سورت کی ابتدا میں قرآن کریم کا مجمل ذکر تھا۔ اب یہاں اس کا تفصیلی بیان ہے کہ یہ قرآن وہ مبارک اور عظیم الشان کتاب ہے جس کو رب العالمین نے جبرائیل امین کے ذریعے صاف اور واضح عربی زبان میں الفاظ و معانی کے ساتھ، آنحضرت ﷺ کے قلب اطہر پر اتارا کہ آپ لوگوں کو اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔ یعنی جس طرح سابقہ انبیا نے منکرین و مکذبین کو اللہ تعالیٰ کے قہر اور عذاب سے ڈرایا تھا اسی طرح آپ بھی منکرین و مکذبین کو ڈرائیں۔ جبرئیل امین اللہ کا امانت دار فرشتہ ہے۔ جس طرح اس نے اللہ کے کلام کو سنا، اس طرح بلا کم و کاست آنحضرت ﷺ کے قلب اطہر پر اتار دیا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں آپ کا قلب ہی اس بھاری امانت کو اٹھانے اور سنبھالنے کے لائق تھا۔ چنانچہ قرآنی وحی آئی اور آپ کے دل میں اترتی چلی گئی اور آپ نے اس کو دل سے سنا، سمجھا اور محفوظ رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کا آنحضرت ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہونا آپ کی خاص فضیلت ہے کیونکہ دوسرے انبیا و رسل کی کتابیں الواح و صحف کی شکل میں نازل ہوئی تھیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ عرب کے فصحا قرآن کے اعجاز کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں بلکہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اگر پھر بھی کوئی بد باطن قرآن کی حقانیت اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کرے تو آپ اس کو بتا دیجئے کہ بلا شبہ سابقہ انبیا کی کتابوں میں بھی اس قرآن اور اس کے لانے والے کی خبر موجود ہے کہ یہ قرآن آخری زمانہ میں پیغمبر آخر الزماں پر نازل ہوگا۔ پس صدیوں پہلے گزرے ہوئے انبیا کی کتابوں میں اس قرآن کا مذکور ہونا اس بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں۔

بنی اسرائیل کے علما خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے اور یہ وہی پیغمبر ہے جس کی خبر سابقہ آسمانی کتابوں میں دی گئی تھی۔ چنانچہ ان یہودی علما میں سے بعض نے علانیہ طور پر اس کے حق ہونے کا اقرار کیا اور مسلمان ہو گئے۔ مثلاً عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ۔ آپ فصحائے عرب میں سے ہیں اس لئے ممکن ہے مشرکین یہ کہہ دیں کہ قرآن آپ نے خود تصنیف کر لیا ہے حالانکہ اس کا مثل تمام جن و انس مل کر بھی نہیں بنا سکتے۔ اگر بالفرض ہم یہ قرآن کسی غیر فصیح عرب یا عجمی انسان پر نازل کر دیتے جو عربی زبان کا ایک حرف بولنے پر بھی قادر نہ ہوتا تب بھی یہ لوگ اس کو نہ مانتے اور کوئی دوسرا بہانہ تراش لیتے۔ (عثمانی ۲۳۲،۲۳۳/۲،مواہب الرحمٰن ۱۱۸۔۱۲۱/۱۹)

کفار کا مہلت طلب کرنا

۲۰۰،۲۰۹۔ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۝ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ ذِكْرٰى ۝ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

اسی طرح ہم نے اس (انکار) کو مجرموں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے۔ وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔ پھر وہ ان پر اچانک آ جائے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اس وقت وہ کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت دی جائے گی۔ کیا وہ ہمارے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں۔ (اے رسول ﷺ) بھلا دیکھ تو اگر ہم ان کو برسوں فائدہ پہنچاتے رہیں۔ پھر ان کے پاس وہ (عذاب) آ جائے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا تو جو کچھ انہوں نے فائدے اٹھائے ہیں ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور ہم نے ایسی کوئی بستی ہلاک نہیں کی جس کے لئے خبردار کرنے والے نہ آئے ہوں۔ (یہ قرآن) نصیحت کرنے کے لئے ہے اور ہم ظلم کرنے والے نہیں تھے۔

سَلَکْنٰہُ: ہم نے اس کو چلایا۔ہم نے اس کو داخل کیا۔ہم نے اس کو ڈالا۔سُلُوْکٌ سے ماضی۔

بَغْتَۃً: یکا یک۔ایک دم۔اچانک۔

مُنْظَرُوْن: مہلت دیئے ہوئے۔اِنْظَارٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: جو شخص جرائم اور گناہوں کا عادی ہو جاتا ہے اور سرکشی میں لگا رہتا ہے تو اللہ بھی اس کو ڈھیل دے دیتا ہے اور کفر و تکذیب کو اس کے دل میں بٹھا دیتا ہے۔آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو مجرموں کے دل میں اس طرح اتار دیا ہے کہ وہ دل سے تو خوب سمجھتے ہیں کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہو سکتا پھر بھی ہٹ دھرمی کی بنا پر ایمان نہیں لاتے بلکہ اس کی تکذیب ہی کرتے رہتے ہیں ۔ یہ لوگ اس وقت تک قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک سابقہ امتوں کی طرح دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔پھر جب عذاب الٰہی ان پر اچانک آجائے گا اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی تو اس وقت اقرار کریں گے کہ اللہ کے رسول بھی سچے تھے اور جو کتاب وہ لائے تھے وہ بھی سچی تھی مگر اس وقت کا اقرار اور ماننا ان کو کچھ نفع نہ دے گا۔

یہ لوگ عذاب الٰہی کو دیکھ کر حسرت افسوس کے ساتھ کہیں گے کہ کیا ہمیں تھوڑی سے مہلت مل سکتی ہے کہ ہم ایمان لے آئیں اور توبہ کر کے اپنا چال چلن درست کر لیں حالانکہ پہلے یہ مجرمین اپنے رسولوں سے کہا کرتے تھے کہ ہم آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو ہم پر اللہ کا عذاب کیوں نہیں نازل ہوتا اور اب عذاب کو دیکھ کر مہلت مانگ رہے ہیں۔اے نبی ﷺ اگر ہم ان کو مدت دراز تک ڈھیل اور مہلت دیدیں اور یہ دنیا کے مزے اڑاتے رہیں اور اس کے بعد ان پر وہ عذاب آجائے جس سے ان کو ڈرایا جاتا تھا تو یہ سالہا سال کی مہلت اور مزے اڑانا بھی ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کو عذاب سے بچا سکے گا۔

ہم نے کسی قوم کو ایک دم ہلاک نہیں کیا بلکہ ان پر عذاب بھیجنے سے پہلے ان کو کافی مہلت دی گئی اور ان کے پاس خبردار کرنے والے رسول بھیجے تاکہ یہ لوگ غفلت میں نہ رہیں۔ پھر جب حجت پوری ہوگئی اور یہ لوگ کسی طرح نہ مانے تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم ظالم نہیں کہ ڈرانے سے پہلے یکا یک عذاب نازل کر دیں۔ (عثمانی ۲/۲۳۴،۲۳۳)

نورِ ہدایت سے لبریز کتاب

۲۱۰ ۔ ۲۱۲، وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝

اور اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نہیں اترے اور نہ یہ ان کا کام ہے اور نہ وہ اس کی استطاعت رکھتے ہیں۔ یقیناً وہ تو سننے سے بھی محروم کر دیئے گئے۔

تشریح: اس قرآن عزیز کو روح الامین لے کر آئے ہیں جو قوت اور طاقت والے ہیں۔ یہ حکیم و حمید اور علیم و خبیر کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ باطل اس کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا۔ یہ کتاب شیطان نہیں لائے کیونکہ وہ اس قابل ہی نہیں کہ ایسی کتاب لائیں جو شروع سے آخر تک رشد و صلاح اور نور ہدایت سے بھری ہوئی ہو، جس کی تعلیم سے ایسی جماعت تیار ہوئی کہ آسمان کے نیچے انبیا کے سوا کوئی پاک باز، سچی، خدا ترس اور خدا پرست جماعت نہیں۔ شیاطین اس لائق نہیں کہ وہ اس عظیم الشان بار امانت کو اٹھا سکیں۔ ان کا کام تو مخلوق کو گمراہ کرنا ہے نہ کہ راہِ راست پر لانا۔

پھر فرمایا کہ اس قرآن کے نزول کے وقت ان شیاطین کو ہٹا دیا گیا تھا۔ ان کو تو اس کے سننے کا بھی موقع نہیں ملا۔ تمام آسمانوں پر سخت پہرہ تھا جب یہ سننے کے لئے آسمان پر چڑھتے تھے تو ان پر آگ برسائی جاتی تھی۔ اس کا ایک حرف سن لینا بھی ان کی طاقت سے باہر تھا تاکہ اللہ کا کلام محفوظ طریقے سے اس کے نبی ﷺ کو پہنچے اور آپ کے توسط سے مخلوق خدا کو پہنچے۔

روایات میں آیا ہے کہ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ محمد ﷺ کے پاس کوئی جن آکر ان کو یہ قرآن سکھاتا ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ وحی آنے میں کچھ تاخیر ہوئی تو ایک عورت نے آنحضرت ﷺ کو کہا کہ آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا (نعوذ باللہ)۔ ان آیات میں اسی خیال کی تردید ہے۔ (عثمانی ۲۳۴، ۱۳/۲۳۵ ابن کثیر ۳/۳۴۹)

اقارب کو عذاب سے ڈرانے کا حکم

۲۱۳، ۲۲۰، فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَتَوَكَّلْ

عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ۝ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

پس (اے نبی ﷺ) آپ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکاریئے ورنہ آپ بھی عذاب پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اور اپنے نزدیکی قرابت داروں کو ڈرایئے اور جو ایمان والے آپ کے تابع ہیں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آیئے۔ پھر اگر یہ (مشرک) آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ (اس اللہ پر) بھروسہ رکھیئے جو غالب (اور) مہربان ہے جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ (نماز کے لئے) کھڑے ہوتے ہیں۔ اور نمازیوں میں آپ کی نشست و برخاست کو (دیکھتا ہے)۔ بیشک وہی خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

عَشِيرَتَکَ: تیرا کنبہ۔ تیرا قبیلہ۔ تیری برادری۔ جمع عَشَائِرُ۔

اِخْفِضْ: تو جھکا دے۔ تو شفقت کر۔ تو بچھا دے۔ خَفْضٌ سے امر۔

جَناحَکَ: تیرا بازو۔ تیرا ہاتھ۔ تیرا پہلو۔ جمع اَجْنِحَةٌ۔

تشریح: اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے مومنوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ہر قسم کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے سو تم اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو ورنہ تم بھی ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جن کو عذاب دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بظاہر خطاب آنحضرت ﷺ کو ہے مگر حقیقت میں اس سے دوسروں کو ڈرانا مقصود ہے۔

پھر فرمایا اے نبی ﷺ! سب سے پہلے آپ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو آخرت کے عذاب سے ڈرایئے کیونکہ خیر خواہی میں سب سے پہلے ان کا حق ہے۔ چنانچہ آیت کے نزول کے بعد آپ نے اپنے سب سے قریبی رشتہ داروں کو کھانے پر بلا کر عذاب الٰہی سے ڈرایا اور ان کو صاف صاف بتا دیا کہ تم اللہ کے ہاں اپنی فکر کرو۔ میں وہاں تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتا۔

آپ ان لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آیئے جو خلوص کے ساتھ آپ پر ایمان لائے ہیں۔ اگر یہ لوگ بعض امور میں آپ کی نافرمانی کریں تو آپ ان کو صاف صاف بتا دیجئے کہ میں

تمہارے گناہوں کے اعمال سے بری ہوں۔ آپ تو اسی عزیز و رحیم پر بھروسہ کیجئے جو ہر چیز پر غالب ہے۔ کوئی کام اس کی مشیت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ وہ مومنوں کے حق میں بہت مہربان ہے اس لئے وہ اپنی رحمت سے مومنوں کو ہدایت و نصرت دے گا اور مشرکوں کو ہلاک کر کے انتقام لے گا۔ وہی رب ذوالجلال آپ کو دیکھتا ہے جب آپ تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے ہیں اور متوسلین کی خبر لیتے ہیں کہ وہ خدا کی یاد میں ہیں یا غافل، یا یہ مطلب کہ جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور جماعت کی نماز میں رکوع و سجود کرتے ہیں اور مقتدیوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (عثمانی ۲/۲۳۵، مظہری ۸۳۔۸۷/۷)

شیاطین کا جھوٹی خبریں لانا

۲۲۱، ۲۲۳۔ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ کس پر شیاطین اترتے ہیں، وہ ہر جھوٹے، گنہگار پر اترتے ہیں۔ وہ سنی سنائی باتیں (دلوں میں) ڈالتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔

اَفَّاکٍ: بہت جھوٹا۔ بہتان تراش۔ اِفْکٌ سے مبالغہ۔

اَثِیْم: گنہگار۔ اِثْمٌ سے صفت مشبہ۔

یُلْقُوْنَ: وہ ڈالتے ہیں۔ اِلْقَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: کفار یہ کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ پر شیطان آتا ہے اور وہی ان کو یہ قرآن تعلیم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ قرآن تو وحی الٰہی ہے۔ اس میں شیاطین کا کوئی دخل نہیں۔ شیاطین تو جھوٹے اور بدکاروں پر آتے ہیں جو امورِ غیبیہ سے متعلق کوئی نا تمام بات فرشتوں سے سن کر اور اس میں جھوٹ ملا کر ان کاہنوں کو القا کر دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف انبیا کی وحی کا ایک حرف اور ایک شوشہ بھی جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ شیطان سچے اور نیک لوگوں سے بیزار ہے کیونکہ یہ لوگ اس کو برا جانتے ہیں۔ وہ جھوٹے اور دغا بازوں سے خوش ہوتا ہے جو اس کی مرضی کے مطابق چلتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو شیطانی وحی سے کیا نسبت۔ آپ تو سب سچوں سے زیادہ سچے اور تمام نیکوں سے

بڑھ کر نیک انسان ہیں۔ آپ کا صدق و امانت اور تقویٰ و پاک بازی تو ایسے اوصاف ہیں جن کو آپ کی ساری قوم تسلیم کرتی تھی یہاں تک کہ الصادق اور الامین آپ کا لقب پڑ گیا۔

(عثمانی ۲۳۵، ۲/۲۳۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ ۵/۲۴۹)۔

گمراہ شاعری کا ابطال

۲۲۴، ۲۲۶ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾

اور شاعروں کی پیروی تو وہی کرتے ہیں جو بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ (شعرا) ہر وادی (سخن) میں سر مارتے پھرتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ (ایسی باتیں) کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں۔

اَلْغَاوٗنَ: گمراہ۔ بے راہ۔ غَیٌّ و غَوَایَةٌ سے اسم فاعل۔

يَهِيْمُوْنَ: وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔ وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ هَيْمٌ سے مضارع۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں آنحضرت ﷺ کے کاہن ہونے کی تردید تھی۔ ان آیتوں میں آپ کے شاعر ہونے کی تردید ہے کہ قرآن مجید کو شعر کہنا اور آپ ﷺ کو شاعر کہنا مشرکین کی کھلی ہٹ دھرمی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کافر شاعروں کی اتباع گمراہ لوگ کرتے ہیں جو خیالی اور نفسانی خواہشوں کے دلدادہ ہوتے ہیں جبکہ آنحضرت ﷺ کی پیروی کرنے والے نہایت متقی اور پرہیز گار ہیں۔ وہ آخرت کے طلب گار اور دنیا سے بیزار ہیں۔

شاعر لوگ جو مضمون پکڑتے ہیں اس کو بڑھاتے جاتے ہیں۔ کسی کی تعریف کی تو آسمان پر چڑھا دیا اور مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اس میں جمع کر دیئے۔ غرض جھوٹ، مبالغہ اور تخیل کے جس جنگل میں نکل گئے پھر مڑ کر نہیں دیکھتے۔ یہ لوگ زبانی باتیں بناتے ہیں۔ عمل میں کورے ہوتے ہیں۔ ان کی پشت پناہی اوباش لوگ کرتے ہیں۔

(عثمانی ۲/۲۳۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۲۴۹)۔

مذمت سے مستثنیٰ شاعر

۲۲۷، اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

سوائے ان (شاعروں) کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے اور (اپنے کلام میں) انہوں نے اللہ کا بہت ذکر کیا اور انہوں نے اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیا اور ظالموں کو تو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ ان کو کیسی جگہ لوٹ کر جانا ہے،

شانِ نزول: ابن ابی حاتم، ابن جریر اور حاکم نے ابوالحسن سالم البراد کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت وَالشُّعَرَاۤءُ يَتَّبِعُهُمُ .... الخ نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت کعب بن مالک اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم شاعر ہیں۔اب ہم تو غارت ہو گئے۔اس پر اللہ نے آیت اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...... الخ نازل فرمائی۔آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ (مظہری ۷/۹۰، ابن کثیر ۳/۳۵۴)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ سابقہ آیت میں کافر اور گمراہ شاعروں کی حالت بیان کی گئی تھی۔اس سے وہ شاعر مستثنیٰ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اور نیکی کام کرتے ہیں اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔وہ اپنے اشعار میں اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں، نیکی کی ترغیب دیتے ہیں۔کفر کی مذمت اور گناہ کی برائی کرتے ہیں، کافر شاعر اسلام کی ہجو میں جو شعر کہتے ہیں ان کا جواب دیتے ہیں کسی نے ان کو ایذا پہنچائی ہو تو اعتدال کی حد کے اندر رہتے ہوئے اس کا جواب دیتے ہیں۔حضرت حسان بن ثابت وغیرہ ایسے ہی اشعار کہتے تھے۔ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان کو فرمایا ان کافروں کا جواب دے اور روح القدس تیرے ساتھ ہے۔

پھر فرمایا کہ عنقریب ان ظالموں کو اپنے ظلم وستم کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ان کا ٹھکانا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتابوں اور پیغمبروں کو کاہن اور شاعر کہہ کر جھٹلایا۔ (عثمانی ۲/۲۳۶، ۲۳۷)

سورۃ النمل

وجہ تسمیہ: اس سورت میں چیونٹی کا قصہ مذکور ہے اس لئے یہ سورت، سورۃ النمل کے نام سے مشہور ہو گئی، عربی زبان میں چیونٹی کو نمل کہتے ہیں۔ درمنثور میں ہے کہ اس کو سورۃ سلیمان بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی ۱۹/۱۵۴)

تعارف: اس سورت میں سات رکوع، ۹۳ آیتیں ہیں۔ بعض کے نزدیک ۹۴ یا ۹۵ آیات ہیں۔ اس میں ۱۲۴۹ کلمات اور ۴۷۹۹ حروف ہیں۔

ابن عباس، ابن الزبیر وغیرہ سے منقول ہے کہ یہ سورت مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ گزشتہ سورت کی طرح اس کا آغاز بھی حقیقت قرآن و اثبات وحی و رسالت سے ہوا۔ اس میں بھی آپ کی تسلی کے لئے بعض انبیا کے واقعات کا بیان ہے۔ اثبات رسالت کے بعد توحید اور اس کے دلائل کا بیان ہے۔ آخر میں علامات قیامت اور آخرت کی جزاوسزا کا بیان ہے۔

ابن عباس اور جابر بن زید رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ پہلے سورۂ شعراء نازل ہوئی، پھر سورہ طٰسٓ اور پھر سورۂ قصص۔ (روح المعانی ۱۹/۱۵۴، مواہب الرحمٰن ۱۹/۱۴۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۲۵۴)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: عظیم الشان کتاب، حضرت موسیٰ کا آگ لینے جانا اور تجلیٔ الٰہی کی روشنی کو دیکھنا۔ پھر حضرت موسیٰ کو لاٹھی اور ید بیضا کے معجزے عطا ہونے کا بیان ہے۔

رکوع ۲: حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا واقعہ، جنوں اور انسانوں کے لشکر، ہدہد کی غیر حاضری اور قومِ سبا کا قصہ مذکور ہے۔ آخر میں ملکہ بلقیس کے نام حضرت سلیمان کے خط کا بیان ہے۔

رکوع ۳: بلقیس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کے بارے میں اہل دربار سے مشورہ اور بلقیس کی آزمائش کے لئے اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت منگوا کر اس میں کچھ تغیر کرانا مذکور ہے۔

رکوع ۴: حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت اور فساد پھیلانے والوں کے انجام کا بیان ہے۔ پھر قومِ لوط کا احوال وانجام مذکور ہے۔

رکوع ۵: قدرت الٰہی کے مظاہر، زمین کو جائے قرار بنانا۔ مضطر کی دعا قبول کرنے اور ستاروں کے ذریعے راہنمائی کا بیان ہے۔ پھر مبداو معاد اور حشر ونشر کا بیان ہے

رکوع ۶: مکذبین کا انجام، منکرین قیامت کا عذاب طلب کرنا۔ بنی اسرائیل کے اختلافات کا فیصلہ اور علامات قیامت کا بیان ہے۔

رکوع ۷: قیامت کے روز مکذبین سے باز پرس اور روز حشر کے احوال کا بیان ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو عبادت وتلاوتِ قرآن کا حکم دیا گیا ہے۔

حروف مقطعات

۱۔ طٰسٓ ۔ یہ حروف مقطعات ہیں، جن کے معنی ومراد اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں۔

عظیم الشان کتاب

۱۔۶، تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝

یہ آیتیں ہیں قرآن اور واضح کتاب کی (یہ) مومنوں کے لئے ہدایت و خوشخبری (ہے، مومن وہ ہیں جو) نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ تحقیق جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے انکے اعمال ان کی نظر میں خوشنما کر دیئے، سو وہ بھٹکے پھرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے اور وہ آخرت میں بھی بڑے خسارے میں ہوں گے۔ اور (اے رسول ﷺ) بیشک آپ کو تو ایک حکیم اور علم والے کی طرف سے قرآن سکھایا جا رہا ہے۔

سُوْءُ: برائی۔ گناہ۔ آفت۔

تُلَقّٰی: تجھے تلقین کیا جاتا ہے۔ تجھے سکھایا جاتا ہے۔ تَلَقِّیٌ سے مضارع مجہول۔

لَدُنْ: نزدیک۔ طرف پاس۔ ظرف مکان ہے۔

تشریح: یہ کسی شاعر کا کلام نہیں بلکہ یہ اسی قرآن کریم کی آیتیں جو ایک واضح اور روشن کتاب ہے۔ کتاب مبین سے مراد بھی قرآن کریم ہے مگر کتاب مبین کہنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآن مجید میں کوئی بات بعید از عقل نہیں۔ اس کی سب باتیں صاف اور ظاہر ہیں جن کو ہر عقلِ سلیم والا انسان تسلیم کرنے میں ذرا بھی تردد نہیں کر سکتا۔

یہ قرآن سب کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے مگر اس سے نفع وہی لوگ اٹھاتے ہیں جن میں راستی و سچائی کا مادہ رکھا ہوا ہے۔ اسی لئے بشریٰ کو مومنین کے ساتھ مخصوص کیا کہ یہ قرآن مومنوں کے لئے بشارت ہے کیونکہ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اس کی اتباع کرتے ہیں، اسے سچا جانتے ہیں اور اس میں جو احکام ہیں ان پر عمل کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی نماز کو اہتمام اور اس کی ساری شرطوں اور قاعدوں کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ پس جو شخص نماز قائم نہ کرے وہ کامل مومن نہیں۔ یہ لوگ نماز کی طرح فرض زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں۔ شرع میں مال کا چالیسواں حصہ اللہ کے نام پر دینے کا نام زکواۃ ہے۔ یہ لوگ آخرت پر بھی کامل یقین رکھتے ہیں یعنی موت کے بعد کی زندگی اور جزا اور سزا کو بھی مانتے ہیں اور جنت و دوزخ کو بھی حق جانتے ہیں۔

جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور اس کو جھٹلاتے ہیں، ہم بھی انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں، پھر ان کو اپنی برائیاں اچھی لگنے لگتی ہیں اور وہ اپنی سرکشی و گمراہی میں بڑھتے رہتے

ہیں۔ پس وہ نتائج اور انجام سے بے خبر اپنی بداعمالیوں میں سرگرداں ہیں۔ ان لوگوں کو دنیا و آخرت میں بدترین سزا ملے گی۔ قیامت کے روز یہی لوگ سب سے زیادہ خسارے میں رہیں گے۔

اے رسول ﷺ! بلاشبہ آپ کو ایک بڑی حکمت والے اور علم والے کی طرف سے قرآن دیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حکیم و علیم ہے کیونکہ اس کی کوئی بات بھی علم و حکمت سے خالی نہیں۔ اسی علیم و حکیم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے۔ (حقانی ۴۵۴، ۴۵۵/۳، ابن کثیر ۳۵۶/۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ لینے جانا

۷۔ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝

(وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ میں ابھی وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر یا کوئی سلگتا ہوا انگارا لاتا ہوں تاکہ تم سینکو۔

اٰنَسْتُ: میں نے دیکھا۔ میں نے محسوس کیا۔ اِیْنَاسٌ سے ماضی۔

شِهَابٍ: انگارا۔ شعلہ۔ رات کے وقت آسمان پر جو تارا ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ جمع شُهُبٌ۔

قَبَسٍ: انگارا۔ آگ کا شعلہ۔ مصدر بھی اسم بھی۔

تَصْطَلُوْنَ: تم سینکو۔ تم تاپو۔ اِصْطِلَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مدت کو پورا کر چکے تھے جو ان کے اور ان کے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کے درمیان طے ہوئی تھی، اور حضرت موسیٰ اپنی اہلیہ کو لے کر مدین سے اپنے وطن مصر جا رہے تھے۔ سردی کی رات تھی، راستہ بھول گئے تھے۔ پہاڑوں کی گھاٹیوں کے درمیان تھے، اندھیرا تھا۔ چقماق سے آگ نکالنا چاہی مگر نہ نکلی۔ ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو دور دائیں جانب کوہ طور کی طرف کچھ آگ دکھائی دی۔ حضرت موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرو مجھے اس طرف آگ سی نظر آ رہی ہے میں وہاں جا کر راستے کی کوئی خبر لاتا ہوں یا کوئی دہکتا ہوا انگارا لے آؤں گا کہ تم سردی دور کرنے کے لئے آگ سے تاپو۔ (ابن کثیر ۱۴۳/۳)

تجلیٔ الٰہی کی روشنی

۸۔ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

پھر جب موسیٰ (آگ) کے پاس آئے تو آواز آئی کہ بابرکت ہے جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اور پاک ہے اللہ جو تمام جہان کا رب ہے۔

نُوْدِیَ: اس کو ندا دی گئی۔اس کو پکارا گیا۔نِدَاءٌ سے ماضی مجہول۔

بُوْرِکَ: اس کو برکت دی گئی۔مُبَارَکَۃٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام روشنی کے قریب پہنچے تو اس منظر کو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک سرسبز درخت آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں ہے۔جیسے جیسے شعلوں میں تیزی آ رہی ہے درخت کی سرسبزی میں اضافہ ہو رہا ہے۔اوپر نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ نور آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔حقیقت میں وہ آگ نہ تھی بلکہ وہ رب العالمین وحدہ لاشریک لہ کا نور تھا۔حضرت موسیٰ بڑے حیران و متعجب تھے اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ یکا یک ایک آواز آئی کہ جو اس نور میں ہے وہ پاکی اور بزرگی والا ہے اور اس کے پاس جو فرشتے ہیں وہ بھی مقدس ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دور سے اس کو آگ خیال کیا تھا اسلئے لفظ نار کہا تھا۔غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ دیکھا تھا وہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی، دنیا کی آگ نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے وہ مخلوقات کی مشابہت، سمت و جہت اور کسی مکان و محل میں نزول و حلول کرنے سے پاک و منزہ ہے، (ابن کثیر ۳/۳۵۶، روح المعانی ۲۰/۱۶۰)

لاٹھی کا معجزہ

۹۔۱۱۔ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْۗءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اے موسیٰ! یہ میں ہوں اللہ زبردست (اور) حکمت والا۔ اور تو اپنی لاٹھی ڈال دے۔ پھر جب اس نے اس (لاٹھی) کو سانپ کی طرح پھنپھناتے ہوئے دیکھا تو (موسیٰ) پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (اللہ نے کہا) اے موسیٰ! خوف نہ کھا۔ بے شک میرے پاس رسول ڈرا نہیں کرتے۔ لیکن جس نے ظلم (گناہ) کیا ہو پھر برائی کے بعد اس نے اس (گناہ) کو نیکی سے بدل دیا ہو تو بلاشبہ میں بخشنے والا مہربان ہوں۔

عَصَاکَ: تیرا عصا۔ تیری لاٹھی۔ جمع اعْصَاءٌ۔

تَھْتَزُّ: وہ بل کھاتی ہے۔ وہ ہلتی ہے وہ لہراتی ہے۔ اِھْتِزَازٌ سے مضارع۔

جَانٌّ: جن۔ سانپ۔ واحد جِنٌّ۔

وَلّٰی: اس نے منہ موڑا۔ تَوْلِیَۃٌ سے مضارع۔

مُدْبِرًا: پشت پھیرنے والا۔ پیچھے چلنے والا۔ اِدْبَارٌ سے اسم فاعل۔

یُعَقِّبْ: وہ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے۔ وہ پیچھے پھرتا ہے۔ تَعْقِیْبٌ سے مضارع۔

تشریح: اے موسیٰ حقیقت میں یہ ندا کرنے والا اور تجھ سے خطاب و کلام کرنے والا میں ہی ہوں۔ میں اللہ ہوں، میں تیرا پروردگار، ہوں اور میں غالب اور رحمت والا ہوں۔ میں نے تجھے اپنے کلام سے عزت بخشی اور تجھے اپنا نبی و رسول بنایا اور میں چاہتا ہوں کہ تجھے کچھ معجزے عطا کروں جو تیری نبوت و رسالت کی دلیل بنیں۔ سو اے موسیٰ اب تم اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کیسا قادر مطلق ہے۔

حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کا حکم سنتے ہی اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا۔ اسی وقت وہ ایک پھن پھناتا ہوا سانپ بن گئی۔ جب حضرت موسیٰ نے اپنی لاٹھی کو سانپ کی طرح تیزی سے ادھر ادھر دوڑتے ہوئے دیکھا تو خوفزدہ ہو گئے اور دہشت کے مارے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دی اے موسیٰ! اس سانپ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے تمہیں پیغمبری دی ہے اور تمہیں اپنا برگزیدہ رسول بنایا ہے۔ ہمارا قرب مل جانے کے بعد پیغمبر کسی چیز سے نہیں ڈرا کرتے۔ یہ معجزہ ہم نے تمہیں اس لئے دیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تم فرعون کو ڈراؤ۔

پھر فرمایا کہ جو شخص کوئی برائی کا کام کرلے، پھر وہ اس پر نادم ہو جائے، توبہ کرلے اور اللہ

کی طرف جھک جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ (مظہری ۹۸،۹۷/ ۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۵۹،۲۵۸/۵)

یدِ بیضا کا معجزہ

۱۲، ۱۴۔ وَاَدۡخِلۡ یَدَكَ فِیۡ جَیۡبِكَ تَخۡرُجۡ بَیۡضَآءَ مِنۡ غَیۡرِ سُوۡٓءٍ فِیۡ تِسۡعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَقَوۡمِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ اٰیٰتُنَا مُبۡصِرَةً قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۝ وَجَحَدُوۡا بِهَا وَاسۡتَیۡقَنَتۡهَاۤ اَنۡفُسُهُمۡ ظُلۡمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانۡظُرۡ كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ۝

اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ بغیر کسی عیب کے سفید ہو کر نکلے گا۔ (غرض یہ) نو معجزات میں سے دو ہیں (ان کو لے کر) فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ)۔ بے شک وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں، پھر جب ان کے پاس ہماری نہایت واضح نشانیاں پہنچیں (تو) وہ کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے اور ان لوگوں نے ظلم و تکبر کی بنا پر ان (نشانیوں) کا انکار کیا حالانکہ وہ اپنے دل میں ان کا یقین کر چکے تھے، سو دیکھ لو مفسدوں کا کیسا (برا) انجام ہوا۔

بَیۡضَآءَ: سفید۔ بَیَاضٌ سے صفت مشبہ۔

مُبۡصِرٌ: دکھانے والی۔ روشن کرنے والی۔ واضح کرنے والی۔ اسم فاعل ہے، مفعول کے معنی میں۔

جَحَدُوۡا: انہوں نے انکار کیا۔ جَحۡدٌ وجُحُوۡدٌ سے ماضی۔

اِسۡتَیۡقَنَتۡهَا: اس نے اس کا یقین کیا۔ اِسۡتِیۡقَانٌ سے ماضی۔

تشریح: لاٹھی کے سانپ بنے کے معجزے کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یدِ بیضا کا معجزہ بھی دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال کر نکالئے۔ وہ کسی عیب اور بیماری کے بغیر نہایت سفید اور روشن ہو کر نکلے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے ایسا ہی کیا کہ اپنا ہاتھ بغل میں ڈال کر نکالا تو وہ نہایت دلکش اور منور تھا۔ یہ دو معجزے ملا کر نو معجزے ہو گئے جو ہم نے تمہیں عطا کئے ہیں۔ (۹ معجزوں کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۰۱ میں گزر چکی ہے)

اے موسیٰ ان معجزوں کو لیکر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ۔ بلا شبہ وہ بڑے بدکار لوگ

ہیں اور حد سے نکلے ہوئے ہیں۔ جب ان کے پاس ہمارے احکام واضح طور پر پہنچ گئے یا معجزوں کی شکل میں ہماری نشانیاں ان کے پاس پہنچ گئیں تو فرعون اور اس کی قوم کے لوگ ضد میں آ کر کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے گو ان کے دلوں میں ان معجزات کی حقانیت جم چکی تھی مگر وہ ظلم وتکبر کی بنا پر حق کو جھٹلاتے رہے۔ سو دیکھ لو ان مفسدوں کا انجام کیسا برا ہوا کہ سب بحر قلزم میں غرق ہو گئے۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا واقعہ

۱۵، ۱۶۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝

اور البتہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو ایک علم دیا۔ ان دونوں نے (خوش ہو کر) کہا کہ سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایماندار بندوں پر فضیلت عطا کی۔ اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہنے لگے کہ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی بھی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر قسم کی چیزیں دی گئی۔ بیشک یہ (اس کا) کھلا فضل ہے۔

تشریح: یہ دوسرا قصہ حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ہے جو اس تفصیل کے ساتھ یہود و نصاری کو بھی معلوم نہ تھا۔ اسی علیم وخبیر نے آنحضرت ﷺ کو اس واقعے کی تفصیلات بتائیں۔ اس قصے میں ان نعمتوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام پر انعام فرمائی تھیں اور کس طرح اس نے دونوں جہاں کی دولت سے انہیں مالا مال فرمایا اور ان نعمتوں پر ان کو شکر کی بھی توفیق عطا فرمائی۔ دونوں باپ بیٹے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے رہتے تھے اور اس کی تعریف بیان کرتے رہتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے وارث ہوئے۔ یہاں مال کی وراثت مراد نہیں بلکہ وہ نبوت، علم اور حکومت کے وارث ہوئے۔ اگر مال کی میراث مراد ہوتی تو صرف حضرت سلیمان ہی کا نام نہ آتا بلکہ حضرت داؤد کے دوسرے بیٹوں کو بھی حصہ ملتا۔

ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابو درداء سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بیشک علما انبیا کے وارث ہیں اور انبیا وراثت میں درہم اور دینار نہیں چھوڑتے بلکہ وہ علم کی وراثت چھوڑتے ہیں سو جس نے اس علم کو حاصل کر لیا اس نے وافر حصہ پایا۔

وراثت کے معنی یہ ہیں کہ ایک شئے دوسرے کی طرف بغیر کسی بیع، شرا، ہبہ اور عاریت کے منتقل ہو جائے، خواہ دونوں آپس میں قرابت دار ہوں یا نہ ہوں، جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (الشعراء آیت ۵۹)

اور ہم نے اس سرزمین کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔

یعنی اسکی ملکیت بغیر کسی عقد کے بنی اسرائیل کی طرف منتقل کر دی۔

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ (الاحزاب آیت ۲۷)

اور ہم نے تمہیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اور اموال کا وارث یعنی قابض و مالک بنا دیا۔

ظاہر ہے ان دونوں آیتوں میں مورث اور وارث میں قرابت نہیں تھی اس لئے یہاں شرعی میراث مراد نہیں بلکہ صرف تملیک اور قبضہ مراد ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں وہ سب حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرما دیں، اور دو چیزیں، تسخیر ہوا اور تسخیر شیاطین، زیادہ عطا فرمائیں۔

پھر حضرت سلیمان نے تحدیث نعمت کے طور پر لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے پرندے جو کچھ آپس میں بولتے ہیں ہم اسے خوب سمجھتے ہیں۔ یہ ہمارے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں۔ اس کے علاوہ بھی ہمیں ہر قسم کی نعمت دی گئی ہے۔ بیشک یہ اللہ تعالیٰ کا کھلا ہوا فضل ہے۔ (مظہری ۱۰۰، ۱۰۲، حقانی ۳/۴۵۸، روح المعانی ۱۶۹۔۱۷۱/۲۰)

جنوں اور انسانوں کے لشکر

۱۷۔۱۹۔ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ

اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِىْ بِرَحْمَتِكَ فِىْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور سلیمان کے سامنے ان کے تمام لشکر جنات اور انسان اور پرند جمع کئے گئے۔ پھر ہر قسم الگ الگ کھڑی کر دی گئی یہاں تک کہ جب وہ لشکر چیونٹیوں کی وادی میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں روند ڈالے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ پھر سلیمان اس کی بات سے مسکرا کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے میرے رب! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیرے اس انعام کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا اور یہ کہ میں نیک کام کروں جس سے تو خوش ہو اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل کر لے۔

حُشِرَ: وہ اکٹھا کیا گیا۔ وہ جمع کیا گیا۔ حَشْرٌ سے ماضی مجہول۔

يُوْزَعُوْنَ: ان کو روکا جاتا ہے اور ان کی ٹولیاں بنائی جاتی ہیں۔ وَزْعٌ سے مضارع مجہول۔

النَّمْلِ: چیونٹیاں۔ واحد نَمْلَةٌ۔

يَحْطِمَنَّكُمْ: وہ تم کو ضرور روندے گا۔ وہ تم کو ضرور کچلے گا۔ حَطْمٌ سے مضارع۔

ضَاحِكًا: ہنستے ہوئے۔ ضِحْكٌ سے اسم فاعل۔

اَوْزِعْنِىْ: مجھے توفیق عطا فرما۔ مجھے نصیب کر۔ اِيْزَاعٌ سے امر۔

تشریح: حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس مختلف قسم کے لشکر تھے مثلاً انسانوں کا لشکر، جنوں کا لشکر اور پرندوں کا لشکر۔ دنیا میں اس قسم کی سلطنت نہ کسی نے دیکھی اور نہ سنی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکروں کو لے کر روانہ ہوئے یہاں تک کہ وہ ایک ایسے مقام سے گزرے جہاں چیونٹیوں کے بل تھے اور وہ زمین پر چل رہی تھیں۔ ان میں سے ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا اے چیونٹو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کر حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں کچل دے۔ حضرت سلیمان اس چیونٹی کی بات سن کر خوش ہوئے اور مسکراتے ہوئے ہنسے کہ چیونٹی نے آپ کو اور آپ کی فوج کو عادل سمجھا۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے

دعا کی۔ اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہے اور میں ایسے نیک اعمال کروں جس سے تو راضی ہو، اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک صالح لوگوں کے گروہ میں شامل کر دے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا صالح بندوں سے مراد حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور ان کے بعد آنے والے انبیا علیہم السلام ہیں۔ (مظہری ۱۰۲، ۱۰۵/۷ حقانی)

ہدہد کی غیر حاضری

۲۰، ۲۱۔ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ۝ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيْدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور سلیمان نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے کہ یہ کیا بات ہے میں ہُد ہُد کو نہیں دیکھتا، کیا (واقعی) وہ غائب ہے یقیناً میں اسے سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ مرے سامنے کوئی واضح دلیل پیش کرے۔

تَفَقَّدَ: اس نے حاضری لی۔ اس نے خبر لی۔ اس نے تلاش کیا۔ تَفَقُّدٌ سے ماضی۔

اَذْبَحَنَّہٗ: میں اس کو ضرور ذبح کا ڈالوں گا۔ ذَبْحٌ سے مضارع بانون تاکید۔

تشریح: ہُد ہُد، حضرت سلیمان علیہ السلام کی فوج میں مہندس کا کام کرتا تھا، وہ بتاتا تھا کہ پانی کہاں ہے۔ اس کو زمین کے اندر پانی اس طرح نظر آتا تھا جس طرح لوگوں کو زمین کے اوپر کی چیزیں نظر آتی ہیں۔ جب حضرت سلیمان جنگل میں ہوتے تو اس سے معلوم کرتے کہ پانی کہاں ہے۔ وہ بتا دیتا تھا کہ پانی فلاں جگہ ہے۔ اتنا نیچے ہے اور اتنی مقدار میں ہے وغیرہ۔ حضرت سلیمان اسی وقت جنات کو کنواں کھودنے کا حکم دیتے تھے۔

ایک دن اسی طرح کسی ضرورت سے، حضرت سلیمان نے پرندوں کے لشکر کا جائزہ لیا تو ان کو ہدہد نظر نہ آیا۔ حضرت سلیمان کہنے لگے کہ آج مجھے ہدہد نظر نہیں آرہا۔ کیا وہ پرندوں میں کہیں چھپا ہوا ہے یا واقعی غائب ہے۔ حضرت سلیمان پرندوں سے مختلف کام لیتے تھے۔ مثلاً ہوائی سفر میں ان کا پرے باندھ کر اوپر سایہ کرتے ہوئے چلنا۔ ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کا کھوج لگانا یا نامہ بری کرنا وغیرہ۔ ممکن ہے اس وقت ہدہد کی کوئی خاص ضرورت پیش آئی ہو، اس لئے اس کی تفتیش کی۔ پھر حضرت سلیمان

نے فرمایا کہ اگر وہ واقعی غیر حاضر ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا یہ کہ وہ اپنے غیر حاضر ہونے کی معقول وجہ بیان کرے۔ (عثمانی ۲/۲۴۳، ابن کثیر ۳/۳۶۰،۳۵۹)

قومِ سبا کا قصہ

۲۲۔۲۶، فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾

سو تھوڑی ہی دیر میں وہ (ہدہد) آ گیا۔ پھر اس نے کہا کہ میں ایسی خبر لایا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں اور میں آپ کے پاس سبا (قبیلے) کی ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ایک عورت ان پر حکمرانی کرتی ہے اور اس کو ہر چیز دی گئی ہے اور اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں زینت دے کر ان کو راہِ راست سے روک رکھا ہے۔ سو وہ راہِ راست نہیں پاتے، یہ کہ وہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو نکالتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو وہ سب جانتا ہے، اللہ ہی (معبودِ (حقیقی) ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

مَكَثَ: اس نے دیر کی۔ مُكْثٌ سے ماضی۔

اَحَطْتُّ: میں نے احاطہ کیا۔ میں نے گھیرا۔ اِحَاطَةٌ سے ماضی۔

صَدَّهُمْ: اس نے ان کو روکا۔ صَدٌّ سے ماضی۔

خبء: پوشیدہ۔ چھپا ہوا۔ مصدر ہے۔

تشریح: ہدہد کی غیر حاضری کو تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ آ گیا۔ اس نے کہا اے اللہ کے نبی ﷺ میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں، میں ایک یقینی خبر لے کر سبا سے آ رہا ہوں۔ میں نے قومِ سبا میں ایک عورت کو لوگوں پر بادشاہت کرتے ہوئے پایا۔ اس کو سلطنت سے متعلق ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا تخت بڑا عظیم الشان ہے جس پر وہ بیٹھتی ہے۔ میں نے اس ملکہ اور اس کی قوم کو اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ بلقیس اور اس کی قوم مجوس تھی جو سورج کو پوجتی تھی۔ شیطان نے ان کے اعمال بد ان کی نظروں میں اچھے کر رکھے تھے۔ اس طرح شیطان نے ان کو راہ حق سے روکا ہوا تھا۔ اس لئے وہ راہ راست پر نہیں آتے تھے اور اللہ کو سجدہ نہیں کرتے تھے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو بر آمد کرتا ہے اور ان تمام باتوں کو جانتا ہے جن کو تم دلوں میں چھپاتے ہو اور وہ ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو تم ظاہر کرتے ہو اس لئے ضروری ہے کہ تم ظاہر و باطن میں اس کے ساتھ شرک کرنے سے اجتناب کرو۔ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ بلقیس کے تخت کو اس کے عرش عظیم سے کچھ نسبت نہیں۔ (حقانی ۲۶۱/۳،۴، مواہب الرحمٰن ۱۶۸۔۱۷۳/۱۹)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط

۲۷۔۳۱۔ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

سلیمان نے کہا کہ میں ابھی دیکھتا ہوں کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔ میرا یہ خط لے جا کر ان کی طرف ڈال دے، پھر ان کے پاس سے ہٹ جانا اور دیکھنا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ اس خط کو پڑھ کر بلقیس نے کہا اے دربار والو! تحقیق میری طرف ایک محترم خط ڈالا گیا ہے۔ اور وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے کہ شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ یہ کہ تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ۔

اَلْقِهْ: تو ڈال دے۔ اِلْقَاءٌ سے امر۔

تَعْلُوْا: تم چڑھنے لگو۔ تم سرکشی کرو۔

تشریح: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے بلقیس کا حال سن کر فرمایا کہ اچھا ہم دیکھیں گے اور اس بات کی تحقیق کریں گے کہ تو اپنی بات میں سچا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے۔ فی الحال تو میرا یہ خط لے جا کر اس کے سامنے ڈال دو۔ خط ڈال کر ان سے ذرا علیحدہ ہو جانا اور دیکھنا کہ وہ آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں۔ چنانچہ ہدہد حضرت سلیمان کا خط لے کر بلقیس کے پاس پہنچا اور خط اس کے سینے پر ڈال کر پیچھے ہٹ گیا۔ بلقیس خط پڑھ کر تخت پر جا بیٹھی۔ پھر اس نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا۔ جب سب لوگ آ کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو اس نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ میرے پاس ایک معزز خط ڈالا گیا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے آیا ہے اور خط کا مضمون یہ ہے۔

''شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ میرے سامنے غرور نہ کرو اور اطاعت گزار ہو کر میرے پاس آؤ'' یہ خط کمال فصاحت اور بلاغت کے ساتھ نہایت مختصر تھا مگر اس کے باوجود اس سے لکھنے والے کا مقصد بالکل واضح تھا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۶۸/ ۵، مواہب الرحمٰن ۱۷۴، ۱۷۵/ ۱۹)

اہلِ دربار سے مشورہ

۳۲۔۳۵ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

(بلقیس نے) کہا اے درباروالو! میرے معاملے میں مجھے مشورہ دو۔ میں اپنے پاس تمہاری موجودگی کے بغیر کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی۔ انہوں نے کہا کہ ہم لوگ قوت والے اور سخت لڑنے والے ہیں اور فیصلہ تیرے اختیار میں ہے سو تو جو حکم دینا چاہے اس پر غور کر لے۔ (بلقیس نے) کہا کہ جب بادشاہ کسی بستی

میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو
ذلیل کر ڈالتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے۔ اور تحقیق میں انہیں ایک
ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا (جواب) لے کر لوٹتے ہیں۔

تشریح: خط ملنے کے بعد بلقیس نے امرا و سرداروں کو جمع کر کے ان سے کہا کہ اس معاملے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ میں حضرت سلیمان کے پاس جاؤں یا نہ جاؤں۔ تمہیں میری عادت معلوم ہے کہ میں کسی معمولی کام میں بھی تمہاری رائے کے بغیر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی اور یہ تو بہت اہم معاملہ ہے۔ اس لئے تم مجھے کوئی محکم رائے دو جس سے یہ مشکل حل ہو جائے۔

ارکان سلطنت نے جواب دیا کہ ہم بڑے قوی اور بڑے لڑنے والے لوگ ہیں۔ ہمیں سلیمان سے کچھ خطرہ نہیں۔ اگر آپ حکم دیں تو ہم اس سے لڑنے کے لئے مستعد اور تیار ہیں۔ آپ سوچ لیں، ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ ملکہ بلقیس بڑی عقلمند عورت تھی۔ اس نے ارکان سلطنت کو جنگ پر آمادہ دیکھ کر کہا کہ فی الحال لڑنا مناسب نہیں کیونکہ بادشاہوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کسی بستی میں جنگ کے ارادے سے داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں اور اس کے معززین کو ذلیل و خوار کرتے ہیں۔ بستی کو لوٹتے اور رعایا کو قید کرتے ہیں تاکہ وہاں ان کی حکومت قائم ہو۔ اگر تم نے سلیمان سے جنگ کی تو ممکن ہے وہ بھی ایسا ہی کریں اس لئے بلا ضرورت لڑائی میں پڑنا مناسب نہیں۔ میرے پاس ان سے زیادہ مال و دولت ہے مجھے فوراً ان کی اطاعت قبول کرنے کی ضرورت نہیں سر دست میں ان کو تحفے اور ہدیے بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر آتے ہیں۔

(حقانی ۳/۴۶۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۲۷۰)۔

بلقیس کا ہدیہ

۳۶۔۳۷۔ فَلَمَّا جَاۗءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۡ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۝ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

پھر جب (بلقیس کا) قاصد سلیمان (علیہ السلام) کے پاس پہنچا تو آپ نے
فرمایا کہ کیا تم مال سے اعانت کرنا چاہتے ہو۔ سو اللہ نے جو کچھ مجھے دے رکھا

ہے وہ اس سے بہت بہتر ہے جو اس نے تم کو دے رکھا ہے بلکہ تم ہی اپنے ہدیئے سے خوش رہو۔ تم ان کی طرف واپس جاؤ (جنہوں نے تمہیں بھیجا ہے) اب ہم ان کے پاس ایسے لشکروں کے ساتھ پہنچیں گے جن کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے۔

تُمِدُّوْنَنِ: تم میری مدد کرتے ہو۔ اِمْدَادٌ سے مضارع۔

هَدِيَّتِكُمْ: تمہارا ہدیہ۔ تمہارا تحفہ۔

تَفْرَحُوْنَ: تم فرحت پاؤ۔ تم خوش ہو جاؤ۔ فَرْحٌ سے مضارع۔

تشریح: بلقیس نے بڑے بیش قیمت ہدیئے دے کر اپنے ایلچیوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ انہوں نے حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر ہو کر تحفے پیش کئے۔ حضرت سلیمان چونکہ اس بت پرست ملکہ کو اسلام میں لانا اور برائی سے بچانا چاہتے تھے اس لئے اس کے تحفوں کو خاطر میں نہ لا کر فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تم کو دیا ہے۔ تمہارے پاس صرف تھوڑی سی دنیا ہے، اور بحمد اللہ میرے پاس دین اور دنیا سب کچھ ہے۔ اپنے ہدیئے پر تم ہی خوش رہو۔ جا کر اپنی ملکہ اور ارکان سلطنت سے کہہ دو کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ہم ان پر ایسا لشکر بھیجیں گے جس کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ پھر ہم ان کو وہاں سے ذلیل و خوار کر کے نکال دیں گے۔

بلقیس کا تخت منگوانا

۳۸۔۴۰۔ قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۗ لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝

(سلیمان نے) کہا۔ اے سردارو! تم میں سے کون ہے جو اس کے مسلمان ہو کر میرے پاس پہنچنے سے پہلے مجھے اس کا تخت لا دے۔ ایک سرکش جن کہنے لگا

کہ میں آپ کو اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے ہی اس کو آپ کے پاس لا حاضر کرتا ہوں اور میں اس کی طاقت بھی رکھتا ہوں (اور) امانت دار بھی ہوں۔ اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اس کو آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے لا حاضر کرتا ہوں۔ پھر جب سلیمان نے اس کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمالے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور جو کوئی شکر کرتا ہے۔ اپنے لئے ہی (کرتا ہے) اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بھی غنی اور کریم ہے۔

عِفْرِیْتٌ: دیو۔ بڑا جن۔ قوی ہیکل۔ جمع عَفَارِیْتٌ۔

یَرْتَدَّ: وہ مرتد ہو جائے گا۔ وہ لوٹے گا۔ اِرْتِدَادٌ سے مضارع۔

طَرْفُکَ: تیری نگاہ۔ تیری نظر۔ تیرا پلک جھپکنا۔

مُسْتَقِرًّا: قرار پکڑنے والا۔ ٹھہرنے والا۔ اِسْتِقْرَارٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: قاصدوں نے واپس جا کر ملکہ کو بتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمام ہدیئے واپس کر دئے ہیں اور پیغام دیا ہے کہ تم اسلام لے آؤ، ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ملکہ اور اس کے ارکان سلطنت کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص کوئی بادشاہ نہیں بلکہ کوئی اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قوت سے بول رہا ہے۔ اس کے مقابلے پر کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔ لہٰذا اس کی فرماں برداری قبول کر لینی چاہئے۔ چنانچہ ملکہ حضرت سلیمان کی فرماں برداری کے لئے روانہ ہو گئی۔

ادھر حضرت سلیمان نے چاہا کہ بلقیس کا تخت اس کے آنے سے پہلے ان کے پاس آجائے۔ پھر انہوں نے اہل دربار کو مخاطب کر کے کہا کہ تم میں سے کون ہے جو بلقیس کا تخت اس کے آنے سے پہلے میرے سامنے لا حاضر کرے۔ بلقیس کا تخت اس وقت یمن میں تھا اور حضرت سلیمان بیت المقدس میں تھے۔ حضرت سلیمان کی بات سن کر ایک بڑے قوی جن نے کہا کہ میں آپ کا دربار برخاست ہونے سے پہلے اس کا تخت آپ کے پاس لے آتا ہوں۔ بیشک میں اس پر قادر بھی ہوں اور امین بھی یعنی جو جواہرات اس میں لگے ہوئے ہیں ان میں خیانت نہیں کروں گا۔ اسی وقت ایک شخص جس کے پاس کتاب الٰہی کا علم تھا اور وہ اسم اعظم بھی جانتا تھا کہنے لگا کہ میں پلک جھپکنے سے بھی پہلے اس کو آپ کے پاس لے آؤں گا۔

پھر حضرت سلیمان نے پلک جھپکنے کے اندر ہی اس کو اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھ کر کہا کہ یہ محض اللہ کا فضل ہے تاکہ وہ میری آزمائش کر لے کہ میں اس کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہوں یا نہیں۔ جو کوئی اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ اپنے لئے ہی کرتا ہے کیونکہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ نعمتیں عطا کرتا ہے اور آخرت میں اس (شکر کا) کا صلہ جنت ہے۔ اس کے برعکس جو شخص ناشکری کرتا ہے تو اللہ کو کچھ پرواہ نہیں۔ وہ بے نیاز ہے اسے کسی کے شکر کی حاجت نہیں۔

(حقانی ۳/۴۶۳، روح المعانی ۲۰۱۔ ۲۰/۲۰۶)

بلقیس کی آزمائش

۱۴۔۴۴۔ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ۝ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

سلیمان نے کہا کہ اس کے تخت کی صورت بدل دو۔ ہم دیکھیں گے کہ وہ صحیح راہ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے۔ پھر جب وہ آ گئی اس سے کہا گیا کہ کیا تیرا تخت بھی ایسا ہی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ گویا وہی ہے، اور ہمیں تو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا (کہ آپ برگزیدہ نبی ہیں) اور ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور (سلیمان نے) اس کو ان چیزوں سے روک دیا جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی۔ یقیناً وہ کافروں میں سے تھی۔ اس سے کہا گیا کہ محل میں چلے۔ پھر جب اس نے اس کو دیکھا تو وہ اس (کے بلوری صحن) کو پانی (سے بھرا ہوا۔) سمجھی اور اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں (پائنچے اٹھائے) سلیمان نے کہا کہ یہ تو شیشے سے جڑی ہوئی عمارت ہے۔ وہ کہنے

لگی اے مرے رب! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور (اب) میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی فرماں بردار بنتی ہوں۔

نَکِّرُوْا: تم شکل بدل دو۔ تم روپ بدل دو۔ تَنْکِیْرٌ سے امر۔

صَدَّهَا: اس نے اس کو روکا۔ صَدٌّ سے ماضی۔

الصَّرْحِ: محل۔ بلند مکان۔ برج۔ ظاہر کرنا۔

لُجَّةً: گہرا بادل۔ گہرا پانی۔ پانی سے بھرا ہو۔ حوض۔

سَاقَيْهَا: اس کی دونوں پنڈلیاں۔

مُمَرَّدٌ: چکنا کیا ہوا۔ شیشوں کا بنا ہوا۔ تَمْرِیْدٌ سے اسم مفعول۔

قَوَارِيْرَ: شیشے کے برتن۔ واحد قَارُوْرَةٌ۔

تشریح: جب بلقیس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا تو انہوں نے حکم دیا کہ اس میں کچھ تغیر و تبدل کر دیا جائے تا کہ میں اس کی عقل کا امتحان کرلوں کہ وہ اپنے تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں۔ سو جب وہ آگئی تو حضرت سلیمان نے اس سے پوچھا کے تیرا تخت ایسا ہی ہے۔ وہ اس کو پہچان نہ سکی اور جواباً کہا گویا کہ یہ وہی ہے اور ہمیں تو اس معجزے سے پہلے ہی آپ کی نبوت و حقانیت اور اللہ تعالیٰ کی قدت کاملہ کا علم ہو چکا تھا اور ہم دل سے مسلمان ہو چکے تھے۔ پھر حضرت سلیمان نے اس کو ان معبودوں کی عبادت سے منع کر دیا جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی۔ اسلام لانے سے پہلے بلاشبہ وہ کافر قوم میں سے تھی۔

حضرت سلیمان نے ایک ایسا محل بنایا تھا جس کا صحن پانی کا حوض تھا۔ اس میں رنگ برنگ کی مچھلیاں تھیں۔ اس حوض کو اوپر سے صاف بلوریا سفید شیشے سے بند کر دیا گیا تھا جس کے اوپر سے چل کر محل میں آتے جاتے تھے مگر دیکھنے والوں کو صحن میں پانی ہی پانی معلوم ہوتا تھا۔ حضرت سلیمان صحن کے درمیان میں اپنا تخت بچھوا کر اس پر بیٹھ گئے پھر بلقیس کو محل کے اندر بلوایا گیا۔ جب وہ محل میں داخل ہو کر اندر آ گئی تو اس نے صحن کو پانی کا تالاب سمجھا۔ اور پھر پانی میں داخل ہونے کے لئے اپنے کپڑوں کو پنڈلیوں سے اوپر کر لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت سلیمان نے کہا کہ یہ پانی نہیں ہے بلکہ یہ صحن سفید شیشوں سے جڑا ہوا ہے۔ اس لئے کپڑے اٹھانے کے ضرورت نہیں۔ آفتاب اور ستاروں کی چمک کو دیکھ کر ان کو خدا سمجھ لینا ایسا ہی فریب نظر ہے جیسا کہ آدمی شیشے کی چمک کو دیکھ کر پانی کا گمان کرے۔

شیشہ خود پانی نہیں تھا بلکہ پانی کا مظہر تھا اسی طرح سورج اور چاند نور الٰہی کا مظہر اور آئینہ ہیں ۔ خدا نہیں (معاذ اللہ)

یہ دیکھ کر بلقیس فوراً بول اٹھی کہ اے میرے پروردگار اب تک میں بڑی خطاوار تھی کہ سورج کی پوجا کرتی رہی ۔ اب میں کفر و شرک سے توبہ کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہدایت و راہنمائی سے اللہ رب العالمین کی فرماں بردار ہوگئی ہوں ۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۷۲،۳،۲۷۳/ ۵، روح المعانی ۲۰۶ ۔ ۲۱۰/ ۲۰)

حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت

۴۵ ۔ ۴۷ ۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝

اور البتہ ہم نے قومِ ثمود کی طرف بھی ان کے بھائی صالح کو (یہ حکم دے کر) بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو پھر بھی وہ دو فریق بن کر آپس میں جھگڑنے لگے ۔ صالح نے کہا اے میری قوم تم نیکی سے پہلے برائی کی جلدی کیوں کرتے ہو ۔ تم اللہ سے استغفار کیوں نہیں کرتے تا کہ تم پر رحم کیا جائے ۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں ۔ صالح نے کہا کہ تمہاری نحوست اللہ کی طرف سے ہے بلکہ تم تو فتنے میں پڑے ہوئے لوگ ہو ۔

اِطَّيَّرْنَا: ہم نے منحوس سمجھا ۔ ہم نے بدشگون دیکھا ۔ تَطَيُّرٌ سے ماضی ۔

تُفْتَنُوْنَ: تم مبتلا کئے جاتے ہو ۔ تم آزمائے جاتے ہو ۔ فِتْنَةٌ وفُتُوْنٌ سے مضارع ۔

تشریح: حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر قوم ثمود کی طرف بھیجا گیا ۔ قوم ثمود کو عاد دوم بھی کہتے ہیں ۔ یہ لوگ عرب کے شمال مغربی حصے میں آباد تھے ۔ عاد اول قوم ہود کو کہتے ہیں جو یمن کی جانب رہتے تھے ۔ غزوۂ تبوک کے لئے جاتے ہوئے آنحضرت ﷺ کا گزر قوم ثمود کے کھنڈرات پر ہوا ۔

حضرت صالح نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ وہ کفر و شرک چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت

کریں تو دین کے معاملے میں ان میں دو گروہ ہو گئے۔ ایک کافروں کا گروہ اور دوسرا مومنوں کا گروہ۔ یہ دونوں گروہ دین کے معاملے میں آپس میں جھگڑنے لگے۔

سورۃ اعراف میں ارشاد ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ط قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ٥ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ٥

(اعراف آیات ۷۵، ۷۶)

متکبروں نے ضعیف لوگوں سے، جو ایمان لے آئے تھے، پوچھا کیا تم صالح کو اللہ کا رسول مانتے ہو؟ انہوں نے کہا بے شک ہم تو اس پر ایمان رکھتے ہیں جو کچھ وہ لیکر آئے ہیں۔ جو لوگ متکبر تھے وہ کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اس کا انکار کرتے ہیں۔

حضرت صالح نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ سے رحمت طلب کرنے کی بجائے عذاب مانگ رہے ہو۔ اللہ کا عذاب آنے سے پہلے تم اپنے کفر و شرک سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی کیوں نہیں طلب کرتے کہ تم پر رحم کیا جائے اور تمہاری توبہ قبول کر لی جائے۔ پھر جب عذاب آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ تو توبہ قبول نہیں ہوگی۔

قوم کے متکبرین و منکرین نے جواب دیا کہ ہمیں یقین ہے کہ ہماری تمام مصیبتوں اور پریشانیوں کا سبب آپ اور آپ کے ساتھی ہیں۔ جب سے آپ لوگوں نے یہ نیا مذہب نکالا ہے اسی وقت سے ہمارے اندر تفریق پیدا ہو گئی اور ہم پر پے درپے مصیبتیں نازل ہونے لگیں اور ہم بارش سے محروم ہو کر قحط میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے جواب میں حضرت صالح نے کہا کہ تمہاری ہر نیکی اور بدی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے، کسی شگون سے کچھ نہیں ہوتا۔ میری اور میرے ساتھیوں کی وجہ سے تم پر کوئی مصیبت نہیں آئی بلکہ تم اپنے کفر و شرک کی بنا پر عذاب الٰہی میں مبتلا ہو۔ (ابن کثیر ۳/۳۶۷ مظہری ۱۲۰۔ ۱۲۱/ ۷)

نو فساد پھیلانے والے

۴۸۔۵۳۔ وَكَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِیِّهٖ مَا شَهِدْنَا

مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

اور شہر میں نو شخص تھے جو زمین میں فساد مچایا کرتے تھے اور اصلاح (کا کام) نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ باہم اللہ کی قسمیں کھاؤ کہ صالح اور اس کے گھر والوں پر ضرور شب خون ماریں گے۔ پھر ہم اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم تو اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود ہی نہ تھے اور بیشک ہم سچے ہیں۔ اور انہوں نے ایک تدبیر کی تھی اور ہم نے بھی ایک ایسی تدبیر کی کہ ان کو خبر ہی نہ ہوئی۔ سو دیکھ لو کہ ان کے مکر کا کیسا (برا) انجام ہوا کہ ہم نے ان کو اور ان کی تمام قوم کو غارت کر دیا۔ پس یہ ہیں ان کے گھر جو ان کے ظلم کے سبب اجڑے پڑے ہیں۔ بلاشبہ اس میں ان کے لئے ایک بڑی نشانی ہے جو علم رکھتے ہیں اور ہم نے ان کو بچا لیا جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے۔

رَهْطٍ: شخص۔ آدمی۔ قوم۔ دس افراد سے کم کی جماعت۔ جمع رَهُوْطٌ۔

تَقَاسَمُوْا: تم آپس میں قسم کھاؤ۔ تَقَاسُمٌ سے امر۔

نُبَيِّتَنَّهٗ: ہم اس پر رات کے وقت حملہ کریں گے۔ تَبْيِيْتٌ سے مضارع۔

مَكَرُوْا: انہوں نے مکر کیا۔ انہوں نے تدبیر کی۔ مَكْرٌ سے ماضی۔

دَمَّرْنٰهُمْ: ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ تَدْمِيْرٌ سے ماضی۔

خَاوِيَةً: گرے ہوئے۔ خالی۔ کھوکھلے۔ خَوَاءٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: قومِ ثمود کے شہر میں نو آدمیوں کا ایک گروہ تھا جو اس سرزمین پر فساد کرتا تھا۔ انہی لوگوں کے مشورے اور حکم سے حضرت صالح کی اونٹنی کی کونچیں کاٹی گئی تھیں۔ یہ لوگ صرف فساد اور تخریب کاری کرتے تھے۔ اصلاح کا کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ ان ہی لوگوں نے جمع ہو کر مشورہ کیا اور اللہ کی قسمیں کھا کر عہد کیا کہ رات کے وقت حضرت صالح اور ان کے گھر والوں کو قتل کر دو۔ پھر ہم ان کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم تو جائے واردات پر موجود ہی نہ تھے ہمیں ان کے بارے میں کچھ بھی

معلوم نہیں اور ہم بالکل سچے ہیں۔ یہ حضرت صالح اور ان کے اہل خانہ کو قتل کرنے کے لئے مفسدین کی ایک خفیہ تدبیر تھی۔ اسی طرح ایک خفیہ تدبیر اللہ تعالیٰ نے کی جس کی ان کو خبر تک نہ ہوئی۔ سو دیکھ لو کہ ان کی خفیہ تدبیر کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے آسمان سے عذاب بھیج کر ان سب کو تباہ کر دیا۔

پس فساد پھیلانے والوں کے گھر ان کے ظلم کی وجہ سے اب خالی کھنڈر پڑے ہیں۔ بلاشبہ اہل علم کے لئے اس واقعے میں عبرت عظیمہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے پیغمبروں کی صداقت کی ایک بڑی نشانی ہے۔ ان میں سے جو لوگ کفر و معصیت ترک کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تھے ہم نے ان کو عذاب سے بچالیا۔ (مظہری ۱۲۰۔۱۲۲/ ۷، مواہب الرحمٰن ۱۹۲۔۱۹۵/ ۱۹)

قومِ لوط کا انجام

۵۴، ۵۸۔ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝

اور (ہم نے) لوط کو بھی (بھیجا تھا) جب لوط نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو حالانکہ تم دیکھتے ہو۔ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت سے آتے ہو بلکہ تم تو جاہل قوم ہو۔ پھر اس کی قوم کا اور کوئی جواب نہ تھا سوائے یہ کہنے کے کہ آل لوط کو اپنی بستی سے نکال دو کیونکہ یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔ پھر ہم نے لوط اور اس کے گھر والوں کو تو بچالیا سوائے اس کی بیوی کے۔ ہم اس کو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ٹھہرا چکے تھے۔ اور ہم نے ان پر (پتھروں کا) مینہ برسایا سو کیا ہی بری بارش تھی جو ان لوگوں پر ہوئی تھی جو خبردار کر دیئے گئے تھے۔

تشریح: ان آیتوں حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انہوں نے بھی اپنی قوم کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا لیکن جب وہ اپنی بدفعلیوں سے باز نہ آئے تو ان کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت لوط، حضرت

ابراہیم کے بھتیجے اور ان کی نبوت کے تابع اور اہل سدوم کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم دیدہ و دانستہ انتہائی بے حیائی کا کام کرتے ہو۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں میں رغبت رکھتے ہو۔ تم تو بالکل جاہل اور جانوروں سے بھی بدتر ہو۔ ایسی حرکات تو جانور بھی نہیں کرتے۔ حضرت لوط کی قوم کے پاس ان کی بات کا کوئی جواب نہ تھا اس لئے طنزیہ کہنے لگے کہ حضرت لوط اور ان کے کنبے والوں کو جو بڑے پاکیزہ بنتے ہیں اپنی بستی سے نکال دو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط اور ان کے گھر والوں کو عذاب سے بچالیا سوائے ان کی بیوی کے جو ایمان نہیں لائی تھی وہ اپنی قوم کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئی۔ سو ہم نے اس قوم پر پتھروں کی ایسی بارش برسائی جن پر ان کے نام کندہ تھے۔ پس ان لوگوں پر بہت ہی بری بارش ہوئی جن کو اللہ کے عذاب سے پہلے ہی خبردار کر دیا گیا تھا مگر وہ اپنی جہالت اور بے عقلی کی وجہ سے نبی کے خبردار کرنے کو خاطر میں نہ لائے۔ (مظہری ۱۲۲، ۱۲۳/ ۷، مواہب الرحمٰن ۱۹۶، ۱۹۷/ ۱۹)

توحید کا بیان

۵۹۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

(اے رسول ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے۔ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جس نے اپنی قدرت سے کافروں کا قصہ تمام کر دیا اور اس کے نیک بندوں پر سلامتی ہو جن کو اس نے منتخب کر لیا اور جنہوں نے اس کی راہ میں تکلیفیں اٹھائیں۔

پھر فرمایا کہ مذکورہ واقعات میں غور کر کے بتاؤ کہ وہ خدا بہتر ہے جس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ اس نے اپنے انبیا و مرسلین کے دشمنوں کو عذاب بھیج کر ہلاک و برباد کر دیا اور اپنے انبیا اور ان کے متبعین کو اس عذاب سے محفوظ رکھا یا وہ بے جان بت جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو اور جو کسی قسم کے نفع و ضرر پر قادر نہیں۔

قدرتِ الٰہی کے مظاہر

۶۰۔ اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ لَکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ ؕ

بھلا کس نے آسمان وزمین بنائے اور (کس نے) تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس سے ہم نے پر رونق (تروتازہ) باغ اگائے۔ تمہارے لئے (ممکن) نہ تھا کہ تم ان باغوں کے درختوں کو اگاتے ۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے۔ بلکہ وہی لوگ کج روی کر رہے ہیں

حَدَائِقَ: باغات۔ وہ باغ جس کی چار دیواری بنی ہوئی ہو۔ واحد حَدِیْقَةٌ۔

بَهْجَةٌ: خوبی۔ رونق۔ تازگی۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں مشرکین ومنکرین نبوت کے انجام بد کا ذکر تھا جو اللہ تعالیٰ کی قدت اور قہر کی نشانی تھی۔ آئندہ آیتوں میں مشرکین کی تہدید کے لئے آثار قدرت اور دلائل توحید کا ذکر ہے۔

جس ذات نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ہمارے لئے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس پانی سے خوشنما اور بارونق باغ اگائے، صرف وہی ذات عبادت کے لائق ہے۔ یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں کو پوجتے ہیں وہ تو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ یہ تو سب مل کر بھی ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے۔ یہی نہیں بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو یہ اس کو مکھی سے واپس بھی نہیں لے سکتے۔ ایسے مجبور و عاجز بت عبادت کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں۔ عبادت انتہائی تذلل کا نام ہے۔ اس لئے عبادت صرف اس ذات کی ہونی چاہئے جو انتہائی درجہ میں کامل اور بااختیار ہو۔ کسی ناقص یا عاجز مخلوق کو معبودیت میں خالق کے برابر کر دینا انتہائی ظلم اور ہٹ دھرمی ہے۔

پھر فرمایا کہ تمہاری قدرت میں تو صرف یہ ہے کہ تم زمین میں بیج ڈال دو۔ اس بیج سے درخت کو اگانا اور اس کی نشو نما پر تمہیں ایک ذرہ برابر بھی قدرت نہیں۔ درختوں، پھلوں اور پھولوں میں جو عجیب عجیب صنعتیں ہیں ان کا تو تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ پس جس اللہ کی یہ شان ہے اس کی الوہیت میں کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا۔

زمین کو جائے قرار بنانا

۶۱۔ اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنۡهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِىَ وَجَعَلَ بَيۡنَ الۡبَحۡرَيۡنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ

بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور اس میں نہریں جاری کیں اور اس (زمین) کے (ٹھہرانے) کے لئے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان ایک حد فاصل بنائی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے بلکہ ان میں سے اکثر (کچھ) جانتے ہی نہیں۔

خِلٰلَهَا: اس کے درمیان۔

رَوَاسِىَ: جمے ہوئے۔ پہاڑ۔ بوجھ۔ واحد رَاسِيَةٌ۔

حَاجِزًا: روکنے والا۔ پردہ۔ حَجۡزٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین کو ٹھہری ہوئی، ساکن اور جمے ہوئے فرش کی مانند بنا دیا تاکہ انسان، چوپائے اور دوسری مخلوق آرام وسکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔ یہ نہ کسی طرف جھکتی ہے اور نہ ہلتی اور کانپتی ہے۔ اگر یہ ہلتی اور کانپتی رہتی تو اس پر کوئی جاندار زندگی نہ بسر کر سکتا۔ پھر اس نے زمین کے اندر پانی کے دریا جاری کر دیئے جو ادھر سے ادھر بہتے رہتے ہیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچ کر زمین کو سیراب کرتے رہتے ہیں تاکہ زمین سے کھیت اور باغ وغیرہ اگیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ساکن رکھنے کے لئے اس پر پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ وہ اپنی جگہ پر قائم اور ٹھہری رہے۔

اسی نے دو دریاؤں کے درمیان ایک حد فاصل بنا دی تاکہ ایک کا پانی دوسرے کے پانی سے نہ ملنے پائے حالانکہ ایک کا پانی میٹھا اور دوسرے کا کھاری ہے۔ مگر دونوں آپس میں نہیں ملتے۔ ہر ایک اپنے اپنے فوائد دے رہا ہے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی ایسا ہے جس نے یہ کام کئے ہوں یا کر سکتا ہو۔ جب کوئی اور ایسا نہیں ہے تو پھر اللہ کے سوا عبادت کے لائق بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ اکثر لوگ محض بے علمی سے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ عبادت کے لائق صرف وہی ایک ذات ہے۔ (ابن کثیر ۳/۳۷۰)

مضطر کی دعا قبول کرنے والا

۶۲۔ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ

بھلا کون ہے جو بیقرار کی دعا قبول کرتا ہے اور (اس کی) مصیبت کو دور کرتا ہے اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے۔ تم لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

مُضْطَرٌّ: مضطر۔ بیقرار۔ بے بس۔ اِضْطِرَارٌ سے اسم مفعول۔ مضطر اس شخص کو کہتے ہیں جو ایسی شدید مصیبت میں مبتلا ہو جس سے بظاہر نہ نکل سکتا ہو اور نہ اس پر صبر کر سکتا ہو۔

یَكْشِفُ: وہ کھولتا ہے۔ وہ دور کرتا ہے وہ ہٹاتا ہے۔ كَشْفٌ سے مضارع۔

السُّوْءَ: برائی۔ گناہ۔ آفت۔ مصیبت

تشریح: جب ظاہری اسباب تمہیں جواب دے دیتے ہیں اور تم بالکل عاجز و بے بس ہو جاتے ہو تو اس وقت تم اپنی سختیوں اور مصیبتوں میں جس ذات کو پکارتے ہو وہی تمہارا حقیقی خدا ہے، وہی تمہاری سختیوں اور پریشانیوں کو دور کرتا ہے، وہی تمہیں اسلاف کا جانشین بناتا ہے اور ان کے بعد زمین کو تمہارے تصرف میں دے دیتا ہے۔ اس طرح ایک قوم کے بعد دوسری قوم پیدا کرتا رہتا ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی ایسا ہے جو کسی کی بیماری، پریشانی، سختی اور تنگی وغیرہ دور کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ جب کوئی اور ایسا نہیں ہے تو پھر عبادت کے لائق بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا مگر تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو۔

ستاروں کے ذریعے راہنمائی کرنے والا

۶۳۔ اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ؕ

وہ کون ہے جو تمہیں خشکی اور دریا کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت (بارش) سے پہلے خوشخبری (دینے والی) ہوائیں بھیجتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے۔ اللہ بہت بلند ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین میں ایسی نشانیاں رکھ دی ہیں کہ جب کوئی شخص رات کے وقت خشکی یا سمندر میں راستہ بھول جاتا ہے تو وہ ان کو دیکھ کر صحیح راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَعَلَامَاتٍ ط وَّبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ٥ (النحل آیت ۱۶)

اور (راہِ ہدایت کی) بہت سی نشانیاں بنائیں اور لوگ ستاروں سے بھی راستہ معلوم کرتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ٥ (الانعام ۹۷)

اور اسی نے تمہارے لئے ستاروں کو بنایا تاکہ تم ان کے ذریعہ بحر و بر کی تاریکیوں میں راستہ پاؤ۔

اللہ تعالیٰ کے سوا وہ کون ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کے آنے کی خوشخبری دیتی ہیں۔ ان کو دیکھ کر لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ کی رحمت برسے گی۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی ایسا ہے جو سمندر کی تاریکیوں میں ستاروں کے ذریعے تمہاری راہنمائی کر کے یا ٹھنڈی ہوائیں چلا کر بارش کی آمد کے بارے میں تمہیں مطلع کرے۔ جب کوئی اور ایسا نہیں تو پھر عبادت کے لائق بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں پس اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو۔

مبدا و معاد اور حشر و نشر

۶۴۔ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

بھلا وہ کون ہے جو مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے، پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

تشریح: اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جو اپنی قدرت کاملہ سے مخلوقات کو نمونے کے بغیر پیدا کرتا ہے۔ وہی ان کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کرے گا۔ جب تم اسے پہلی بار پیدا کرنے پر قادر مانتے ہو تو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر کیوں نہیں مانتے؟ دوسری دفعہ پیدا کرنا تو اس کے لئے بہت آسان ہے۔ آسمان سے پانی برسانا،

زمین سے اناج اگانا اور تمہاری روزی کا سامان کرنا یہ سب اسی کے کام ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ○ (سبا آیت ۲)

وہ خوب جانتا ہے ہر اس چیز کو جو زمین میں جائے اور جو اس سے باہر آئے اور جو آسمان سے اترے اور جو اس پر چڑھے۔

یقیناً ان تمام چیزوں میں عقل والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو معبود بنانے کے دعوے میں سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔

غیب کا جاننے والا

۶۵۔۶۶۔ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں رہنے والا اللہ کے سوا کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا اور ان کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے بلکہ آخرت کے بارے میں تو ان کا علم تھک کر رہ گیا ہے بلکہ یہ لوگ تو اس کی طرف سے شک میں ہیں بلکہ وہ تو اس سے اندھے ہو رہے ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ نہ فرشتے جانتے ہیں اور نہ جن اور انسان۔ غیب سے مراد وہ چیز ہے جو حواس کی رسائی سے باہر ہو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (الانعام آیت ۵۹)

غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کل کی بات جانتے تھے، اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان عظیم باندھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین و آسمان والوں میں سے کوئی بھی غیب کی بات جاننے والا نہیں۔

پھر فرمایا کہ مخلوق کو تو یہ بھی علم نہیں کہ ان کا حشر کب ہوگا اور قبروں سے مردے کب اٹھائے جائیں گے بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم گم ہو چکا ہے یعنی ان کو تو یہی خبر نہیں کہ آخرت کیا ہے۔ وہ تو آخرت کے بارے میں شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہیں اور قیامت کی طرف سے بالکل اندھے بنے ہوئے ہیں۔ (ابن کثیر ۳/۳۷۳،۳۷۲)

مکذبین کا انجام

۶۷۔۷۰، وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝

کافروں نے کہا کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادا (مرکر) مٹی ہو گئے تو کیا پھر بھی ہم (قبروں سے) نکالے جائیں گے۔ تحقیق یہ وعدہ تو ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے بہت پہلے سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم زمین پر چل کر پھر کر تو دیکھو کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا۔ اور آپ ان (کے احوال) پر غمگین نہ ہوں اور نہ ان کی فریب کاریوں سے تنگ دل ہوں۔

تُرٰباً: مٹی۔ خاک۔

اَسَاطِیْرُ کہانیاں۔ بے سند باتیں۔ من گھڑت۔ واحد اُسْطُوْرَۃٌ۔

ضَیْقٍ: تنگ دل ہونا۔ تنگ ہونا۔ مصدر ہے۔

یَمْکُرُوْنَ: وہ مکر کرتے ہیں، وہ خفیہ تدبیر کرتے ہیں۔

تشریح: منکرین قیامت اب تک نہیں سمجھ سکے کہ مرنے کے بعد گلنے سڑنے اور مٹی ہو جانے پر ان کو دوبارہ کیسے پیدا کر دیا جائے گا۔ وہ اس پر سخت متعجب ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اگلے زمانوں سے یہ سنتے تو چلے آرہے ہیں لیکن ہم نے آج تک نہ دیکھا نہ سنا کہ کوئی مردہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہوا ہو اور اس کو سزا ملی ہو۔ یہ سب اگلے لوگوں کی داستانیں ہیں۔ ان سے جو وعدے کئے گئے

تھے وہی نقل ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ وہ زمین میں چل پھر کر دیکھ لیں کہ رسولوں کی تکذیب کرنے والوں اور قیامت کا انکار کرنے والوں کا کیسا دردناک انجام ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے منکرین و مکذبین کو ہلاک و برباد کر دیا اور اپنے نبیوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا۔ یہی نبیوں کی سچائی کی دلیل ہے۔ اے نبی ﷺ یہ لوگ آپ کو اور آپ کے کلام کو جھٹلاتے ہیں سو آپ کو ان کی تکذیب اور مکر و فریب اور انکار پر رنج و غم کرنے اور تنگ دل ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، آپ ان کو سمجھا کر برائی کے انجام سے خبردار کر کے الگ ہو جایئے۔ آپ کا رب ان ہٹ دھرم لوگوں سے خود نبٹ لے گا۔ جس طرح اس نے پہلے مجرموں کو سزائیں دی ہیں اسی طرح وہ ان کو بھی سزا دے گا۔ (عثمانی ۲/۲۵۵، مواہب الرحمٰن ۹، ۱۰/۲۰)

منکرین کا عذاب طلب کرنا

۷۱۔۷۵، وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ رَدِفَ لَكُم بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝

اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا عجب ہے کہ جس (عذاب) کی تم جلدی کرتے ہو وہ قریب ہی آ پہنچا ہو۔ اور البتہ آپ کا رب تو لوگوں پر بڑا فضل کرتا ہے لیکن ان میں سے اکثر شکر (بھی) نہیں کرتے۔ اور البتہ آپ کا رب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں، اور آسمان اور زمین کی کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو۔

رَدِفَ: وہ پیچھے لگا۔ رَدْفٌ سے ماضی۔

تُكِنُّ: وہ پوشیدہ رکھتی ہے۔ وہ چھپاتی ہیں۔ اِكْنَانٌ سے مضارع۔

يُعْلِنُونَ: وہ علانیہ کرتے ہیں۔ وہ ظاہر کرتے ہیں اِعْلَانٌ سے مضارع۔

تشریح: منکرین چونکہ قیامت پر یقین نہیں رکھتے تھے اس لئے وہ جرأت اور دلیری کے ساتھ کہتے تھے کہ وہ عذاب کا وعدہ کہاں ہے اور قیامت کب آئے گی۔ اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو تو اس کو پورا کر کے دکھاؤ۔ اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ جس عذاب کو طلب کرنے میں تم جلدی کر رہے ہو وہ آ کر رہے گا اور کچھ بعید نہیں کہ اس کا کچھ حصہ بلا مہلت فوراً تمہیں پہنچ جائے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عذاب میں تاخیر کرتا ہے تاکہ منکرین کو توبہ کا موقع مل جائے۔ اسی لئے اس نے اہل مکہ پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ منکرین اس مہلت کو غنیمت سمجھتے اور اس کی مہربانیوں پر اس کا شکر ادا کرتے ہوئے ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کرتے۔ اس کے برعکس وہ ناشکری بھی کرتے ہیں اور اپنے منہ سے عذاب بھی مانگتے ہیں۔

اے محمد ﷺ آپ کا رب خوب جانتا ہے اس عداوت کو جو وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور وہ اس تکذیب و انکار کو بھی خوب جانتا ہے جو وہ ظاہر کرتے ہیں، وہ ان کو سزا ضرور دے گا۔ عذاب میں تاخیر کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپی ہوئی ہے بلکہ عذاب میں تاخیر حکمت و مصلحت کی بنا پر ہے۔ وہ حلیم و کریم ہے۔ وہ عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔ اور آسمان و زمین کی کوئی چھپی ہوئی بات ایسی نہیں جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی نہ ہو۔ جو عذاب ابھی تک ان کی نظروں سے پوشیدہ ہے وہ بھی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ وہ اپنے مقررہ وقت پر ضرور آئے گا۔ (روح المعانی ۱۶۔۱۷/۲۰، عثمانی ۲/۲۵۵)

بنی اسرائیل کے اختلافات کا فیصلہ

۷۶۔۷۹۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۝

یقیناً یہ قرآن بنی اسرئیل کو وہ باتیں سناتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور البتہ یہ (قرآن) مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ یقیناً آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کر دے گا اور وہ زبردست (اور) علم والا ہے۔ سو (اے نبی) آپ بھی اللہ ہی پر بھروسہ رکھئے یقیناً آپ صریح حق پر ہیں،

تشریح: اس قرآن کے جو آنحضرت ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، منجانب اللہ ہونیکی دلیل یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل پران اکثر باتوں کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔کلبی کا بیان ہے کہ اہل کتاب کا بعض مذہبی باتوں میں باہم اختلاف تھا اس لئے ان کے مختلف فرقے بن گئے تھے اور ہر فرقہ دوسرے پر طعن کرتا تھا۔قرآن کریم نے آکر ان کے اختلافی مسائل کو بیان کر دیا اور جو صحیح بات تھی وہ ظاہر کردی ۔ چونکہ مومن اس قرآن سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے یہ مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت اور موجبِ خیر و برکت ہے کہ اس پر ایمان لانے والے کو عذاب الٰہی سے نجات ملتی ہے۔

بیشک قیامت کے دن آپ کا رب بنی اسرائیل کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کر دے گا۔ اور وہی غالب ہے۔اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا کیونکہ وہ جس بات کا فیصلہ کرتا ہے اس کی حقیقت وحکمت سے خوب واقف ہے سو آپ اللہ ہی پر بھروسہ رکھئے اور ان کی عداوت ومخالفت کی پرواہ نہ کیجئے۔یقیناً آپ واضح طور پر حق پر ہیں اور یہ لوگ صریح باطل پر ہیں۔ (مظہری ۱۲۹/ ۷)

کفار کی مثال

۸۰۔۸۱، اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

یقیناً آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھر کر چل دیں اور نہ آپ اندھوں کو، ان کی گمراہی دور کر کے ہدایت کر سکتے ہیں۔آپ تو صرف ان ہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، سو وہی فرماں بردار ہیں۔

تشریح: اس آیت میں کافروں کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح مُردوں کو قرآن سنانے سے کوئی فائدہ نہیں ۔اسی طرح ان کافروں کو قرآن سنانے سے کوئی فائدہ نہیں، اگر بالفرض یہ لوگ مردہ نہ بھی ہوں تو بہرے تو ضرور ہیں اور آپ کسی بہرے کو بھی نہیں سنا سکتے جب کہ وہ پشت پھیر کر چل دے۔بہرا سنتا تو نہیں لیکن اشارے سے سمجھ سکتا ہے مگر جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے تو اشارے سے بھی نہیں سمجھ سکتا۔۔آپ اندھوں کو بھی ان کی گمراہی سے نکال کر سیدھا راستہ نہیں دکھا سکتے۔اللہ تعالیٰ نے

جس کے دل کو اندھا کر دیا ہے اس کو ایمان کا رستہ دکھائی نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کو آپ کا قرآن سنانا بھی کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ آپ کا قرآن سنانا تو صرف ان لوگوں کے لئے فائدہ مند ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ (مظہری ۱۳۰/ ۷، روح المعانی ۱۹۔۱۲/ ۲۰)

علاماتِ قیامت

۸۲۔ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۝

اور جب ان پر (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا تو ان کے لئے ہم زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا۔ (اس لئے) کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور کمال علم کا بیان اور امکان حشر و امکانِ قیامت کا اثبات تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا ذکر تھا۔ اس آیت میں قیامت کی بعض علامتوں کا ذکر ہے کہ قیامت کے قریب جب یہ منکرین اپنے عناد و سرکشی میں اس حد تک پہنچ جائیں گے کہ کوئی دعظ و نصیحت ان کے حق میں کارگر نہیں ہوگی اور ان پر حجت پوری ہو جائے گی تو اس وقت زمین سے ایک جانور نکلے گا جو ان لوگوں سے انسان کی طرح کلام کرے گا۔ جو بات یہ لوگ پیغمبروں کے کہنے سے نہیں مانتے تھے اب وہی بات ایک جانور کی زبانی ماننی پڑے گی مگر اس وقت کا ماننا کچھ نفع نہ دے گا۔

دابۃ الارض سے ایک جانور مراد ہے جو قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد مکہ مکرمہ کی سرزمین سے نکلے گا۔ اس کے پاس ایک مہر ہوگی جس سے وہ مومن کی پیشانی پر سفید نشان لگائے گا اور کافر کی پیشانی پر سیاہ داغ لگائے گا۔ اس نشان کے بعد مومن اور کافر ظاہر ہو جائیں گے۔

مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چھ چیزوں کے آنے سے پہلے نیک اعمال کرلو، ۱۔ دھویں کا آنا، ۲۔ دجال کا آنا، ۳۔ دابۃ الارض کا آنا، ۴۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، ۵۔ تم میں سے ہر ایک کا خاص امر، ۶۔ تم میں سے ہر ایک کا عام امر،

(ابن کثیر ۳۷۴۔۳۷۶/ ۳، معارف القرآن مولانا کاندھلوی ۔ ۲۸۹۔۲۹۰/ ۵)

مکذبین سے باز پرس

۸۳، ۸۶ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

اور جس دن ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کے ایک گروہ کو جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے۔ پھر وہ صف بستہ کھڑے کردے جائیے گے یہاں تک کہ جب سب حاضر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا؟ حالانکہ تمہیں ان کا پورا علم بھی نہ تھا بلکہ (یاد کرو کہ تم) اور کیا کیا کام کرتے رہے اور ان کے ظلم کے سبب ان پر الزام قائم ہو جائے گا۔ پھر وہ بات بھی نہ کر سکیں گے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے سکون کے لئے رات اور دیکھنے کے لئے دن بنایا۔ یقیناً اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

يُوْزَعُوْنَ: ان کو روکا جاتا ہے۔ ان کی ٹولیاں بنائی جاتی ہیں۔ وضعٌ سے مضارع مجہول۔

مُبْصِرًا: دکھانے والا۔ روشنی والا۔ اِبْصَارٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب ہر امت میں سے ہم ان لوگوں کا ایک گروہ جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے۔ پھر ان سب تکذیب کرنے والوں کو روک کر ایک جگہ جمع کیا جائے گا تا کہ سب جماعتیں ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ جب سب گروہ میدان حشر کی طرف آجائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ کیا تم نے سوچے سمجھے بغیر ہی میری آیتوں کو جھٹلانا شروع کر دیا تھا اور تم نے آیتوں کی حقیقت پر غور نہیں کیا تھا۔ اب بتاؤ تو تم کیا کرتے تھے۔ سوائے تکذیب کے تمہارا کام ہی کیا تھا۔ پھر ان کی تکذیب کی وجہ سے ان پر عذاب واقع ہو جائے گا اور وہ کچھ بول بھی نہیں سکیں گے۔

کیا ان منکرین نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو بنایا تا کہ لوگ اس میں آرام کریں اور

دن کو روشن بنایا تا کہ یہ لوگ اس میں اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کریں۔ یہ رات میں سونا اور آرام کرنا موت کا نمونہ ہے اور صبح کو بیدار ہونا موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی مانند ہے۔ یہ لوگ روزانہ حشر و نشر کا نمونہ دیکھنے کے بعد بھی حشر کا انکار کرتے ہیں۔ پس جو خدا روشنی کے بعد اندھیرا اور اندھیرے کے بعد روشنی لانے پر قادر ہے وہ بلا شبہ مُردوں کے دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ بلا شبہ دن رات کے اس طرح آنے جانے میں ان لوگوں کے لئے حشر و نشر کی بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔ (مظہری ۱۳۴، ۱۳۵/ ۷، مواہب الرحمٰن ۱۸۔ ۲۰/ ۲۰)

روزِ حشر کے احوال

۸۷۔۹۰، وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ۝ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ۝ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ۝ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اور جس روز صور پھونکا جائے گا تو وہ سب گھبرا جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے اس کے جس کو اللہ (اس ہول سے بچانا) چاہے اور سب اس کے سامنے عاجزی سے حاضر ہو جائیں گے۔ اور تو پہاڑوں کو اپنی جگہ جما ہوا خیال کر رہا ہے حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے۔ اللہ کی صنعت (کاری گری) ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے یقیناً وہ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ جو شخص نیک اعمال لائے گا اسے اس سے بہتر بدلہ ملے گا اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے مامون رہیں گے۔ اور جو برائی لے کر آئیں گے تو وہ اوندھے منہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) تمہیں وہی بدلہ مل رہا ہے جو تم (دنیا میں) کرتے تھے۔

فَزِعَ: وہ گھبرا گیا۔ وہ ڈر گیا۔ فَزْعٌ سے ماضی۔

دٰخِرِیْنَ : ذلیل ہونے والے۔ جھکنے والے۔ دَخْرٌ سے اسم فاعل۔

جَامِدَۃً : جمی ہوئی۔ ٹھہری ہوئی۔ جُمُوْدٌ سے اسم فاعل۔

اَتْقَنَ : اس نے مضبوط کیا۔ اس نے درست کیا۔ اِتْقَانٌ سے ماضی۔

کُبَّتْ : وہ اوندھی ڈالی گئی۔ وہ منہ کے بل ڈالی گئی کَبٌّ سے ماضی مجہول۔

تشریح: آپ ان منکروں کو اس دن کے بارے میں بھی بتا دیجئے جس کا آغاز صور پھونکنے سے ہوگا جس کی شدت اور ہول سے آسمان کے فرشتے اور زمین کے باشندے گھبرا جائیں گے مگر جس کو اللہ چاہے گا وہ اس گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا۔

جمہور علما کہتے ہے کہ صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔ جب پہلی دفعہ پھونکا جائے گا تو ابتدا میں اس کی آواز آہستہ ہوگی۔ پھر شدید ہوتی جائے گی اسی کا نام نفخۂ فزع ہے۔ اس کا اثر آسمان وزمین کی تمام مخلوق پر ہوگا۔ اس کی آواز سے سب گھبرا جائیں گے۔ پھر جب یہ نفخہ دراز ہوگا تو ایسی شدت اختیار کرلے گا کہ جو زندہ ہوں گے وہ گھبرا کے مر جائیں گے اور جو مر چکے ہیں ان کی روحیں بے ہوش ہو جائیں گی۔ اسی کا نام نفخۂ صعق ہے۔

کچھ عرصے کے بعد دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔ اس سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے اور سب عاجزی کے ساتھ ایک ایک کر کے اللہ کے سامنے حاضر ہو جائیں گے۔ یہ حاضری حساب وکتاب کے لئے ہوگی۔ اس دن نفخۂ فزع کے وقت انسان پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کرے گا کہ وہ اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح تیز رفتاری سے چل رہے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے ہر چیز کو مضبوط ومستحکم بنا رکھا ہے پس جو خدا پہاڑوں کو مضبوط بنانے پر قادر ہے وہ ان کو اکھاڑنے پر بھی قادر ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔ وہ ہر فرماں بردار اور نافرمان کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔

اس دن جو شخص ایمان وعمل صالح لے کر آئے گا اس کو اس کی نیکی سے بہتر اجر ملے گا اور وہ روز قیامت کی گھبراہٹ سے محفوظ و مامون ہوگا لیکن اس روز جو شخص کفر وشرک لے کر آئے گا تو اس کو اوندھے منہ آگ میں ڈال دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ تجھے ان ہی اعمال کی سزا دی جا رہی ہے جو تو دنیا میں کرتا تھا۔

(مواہب الرحمٰن ۲۰، ۲۴۔ ۲۰/۲۰، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۹۲، ۲۹۳/۵)

آپ ﷺ کو عبادت وتلاوت قرآن کا حکم

۹۱۔۹۳۔ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے اس رب کی عبادت کیا کروں جس نے اس کو محترم بنایا ہے اور ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہو جاؤں۔ اور یہ کہ میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں۔ پھر جو کوئی راہِ راست پر آئے گا تو وہ اپنے ہی (فائدے کے) لئے راہِ راست پر آئے گا اور جو کوئی گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس ڈرانے والوں میں سے ہوں اور آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ وہ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا۔ سو تم ان کو پہچان لوگے اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔

تشریح: اے نبی ﷺ ! آپ ان لوگوں کو بتا دیجئے کہ میں تو اس مکہ شہر کے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں گا، جس نے اس حرم کو محترم ٹھہرایا ہے۔ یہ مکمل طور پر امن کا مقام ہے۔ یہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، نہ کسی کا خون بہایا جاتا ہے، نہ کسی کو لوٹا جاتا ہے، نہ کسی جانور کا شکار کیا جاتا ہے۔ نہ یہاں کے درخت اور گھاس کاٹنے کی اجازت ہے۔ ہر چیز اسی کی مخلوق و مملوک ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خالص اللہ کا فرماں بردار بن کر رہوں اور برابر قرآن کی تلاوت کرتا رہوں اور میں مسلسل اللہ کا پیغام اور اس کے احکام پہنچاتا رہوں۔ پھر جو کوئی میری ہدایت و راہنمائی سے راہ راست پر آجائے گا وہ اپنے ہی فائدے کے لئے ایسا کرے گا۔ اور جو شخص راہ ہدایت بتانے کے بعد بھی گمراہ رہے تو آپ اس کو بتا دیجئے کہ میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں۔ کسی کی گمراہی کا وبال مجھ پر نہیں پڑے گا۔

آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جس نے مجھے منصب رسالت پر فائز فرمایا اور اپنا پیغام پہنچانے کی توفیق دی۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد تمہیں اپنی قدرت اور میری نبوت کی

نشانیاں دکھا دے گا۔ اس وقت تم ان آیات کو پہچان لو گے جن کا تم اب انکار کر رہے ہو لیکن اس وقت پہچاننے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اے نبی ﷺ! آپ کا پروردگار ان کے کسی عمل سے بے خبر نہیں جو یہ کرتے رہتے ہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ القصص

وجہ تسمیہ: اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مختلف واقعات اور قارون کا واقعہ مذکور ہے اس لئے اس کا نام سورۂ قصص ہوگیا۔اس کا نام سورۂ موسیٰ بھی ہے۔

تعارف: اس سورت میں ۹ارکوع۔۸۸آیتوں۱۴۵۴کلمات اور۱۱۰۶ حروف ہیں۔

حسن، طاؤس، عطا اور عکرمہ کے مطابق پوری سورت مکہ میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ہجرت کے وقت نازل ہوئی۔مقاتل کہتے ہے کہ اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِهٖ ...... لَا نَبۡتَغِی الۡجٰهِلِیۡنَ تک چار آیات مدنی ہیں۔ابن عباس کہتے ہیں کہ مذکورہ آیتیں ہجرت کے موقع پر جُحۡفَۃ میں نازل ہوئیں۔اور جو آیت جُحۡفَۃ میں نازل ہوئی وہ نہ مکیہ ہے اور نہ مدنیہ، شیخ جلال الدین محلی کہتے ہیں کہ آیت اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ اور مذکورہ بالا چار آیتیں ہجرت کے موقع پر جحفہ میں نازل ہوئیں۔

سورۃ کے شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ پہلے اجمالاً مذکور ہے۔پھر اس کا تفصیلی بیان ہے، پھر توحید کے دلائل کا ذکر ہے۔آخر میں قارون کا قصہ ہے تاکہ لوگ ان واقعات سے عبرت پکڑیں۔(روح المعانی ۱۴/۲۰،مواہب الرحمٰن ۲۰/۷۲،معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۲۹۵)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: حضرت موسیٰ کے واقعے کا مفصل بیان۔اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ کو صندوق میں رکھ کر

دریا میں بہادینا اور حضرت موسیٰ کی والدہ کی بے قراری کا بیان ہے۔

رکوع ۲: قبطی کا واقعہ اور حضرت موسیٰ کا مصر سے نکلنا مذکور ہے۔

رکوع ۳: حضرت موسیٰ کی مدین کی طرف روانگی اور حضرت شعیب کے ساتھ حضرت موسیٰ کا معاہدہ۔

رکوع ۴: معاہدہ کی تکمیل پر حضرت موسیٰ کی مدین سے مصر واپسی۔ راستے میں کوہ طور پر اللہ سے ہم کلامی اور لاٹھی اور ید بیضا کے معجزے عطا ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ سے غلبے و نصرت کا وعدہ، فرعون کا انکار اور اس کا اور اس کی قوم کا انجام مذکور ہے۔

رکوع ۵: حضرت موسیٰ کو توریت کا ملنا، رسالت محمدیہ کا اثبات اور مشرکین مکہ کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے۔

رکوع ۶: مومنوں کے دہرے اجر اور ہدایت و توفیق کا بیان ہے۔ پھر تکبر کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۷: دنیا کے منافع، مشرکین کا انجام، اللہ کا اختیار و علم محیط اور اللہ کی نعمتوں کا بیان ہے۔ آخر میں مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے۔

رکوع ۸: قارون کا واقعہ، اہل مال و قوت کا انجام اور قارون کے ٹھاٹھ باٹھ پر دنیا داروں کا رشک مذکور ہے۔ آخر میں قارون کے عبرتناک انجام کا بیان ہے۔

رکوع ۹: آخرت کی نعمتوں کے مستحق لوگ۔ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

حروف مقطعات

۱۔ طٰسٓمٓ ۝ یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کی تفصیل پہلے گزر چکی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا اجمالی بیان

۲۔۳، تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں۔ ہم آپ کے سامنے ایمان دار لوگوں کے (فائدے کے) لئے موسیٰ اور فرعون کا صحیح حال بیان کرتے ہیں۔

تشریح: یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو واضح، جلی، صاف اور روشن ہے۔ حقائق و معارف کو ظاہر

کرنے والی ہے اور اس میں گزشتہ اور آئندہ کی خبریں ہیں ۔

اے نبی ﷺ ہم آپ کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا سچا واقعہ بیان کرتے ہیں ۔ یہ واقعہ ان لوگوں کی ہدایت و عبرت اور فائدے کے لئے ہے جو ایمان رکھتے ہیں ۔ اس واقعے کو سننے سے ایمانداروں کے ایمان میں پختگی پیدا ہوگی ۔ البتہ جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کو اس کے سننے میں کوئی فائدہ نہیں ۔ (ابن کثیر، ۳/۳۷۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا تفصیلی بیان

۴ ۔ ۶ ، اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝

یقیناً فرعون زمین پر سرکش ہوگیا تھا اور اس نے وہاں کے لوگوں کے کئی گروہ بنا رکھے تھے ۔ ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کر رکھا تھا کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا ۔ یقیناً وہ تھا ہی مفسدوں میں سے ۔ اور ہم یہ چاہتے تھے کہ ان پر احسان کریں جن کو ملک میں کمزور کیا گیا تھا اور ان کو سردار بنادیں اور ان کو (ملک کا) وارث (مالک) بنادیں اور ان کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھادیں جس کا ان کو خطرہ تھا ۔

عَلَا: اس نے چڑھائی کی ۔ اس نے سرکشی کی ۔ اس نے تکبر کیا ۔ عُلُوٌّ سے ماضی ۔

شِيَعًا: فرقے ۔ گروہ ۔ مددگار ۔ واحد شِيْعَةٌ ۔

طَائِفَةً: گروہ ۔ جماعت ۔ طَوْفٌ سے اسم فاعل ۔

يَسْتَحْيِي: وہ زندہ رکھتا ہے ۔ اِسْتِحْيَاءٌ سے مضارع ۔

نَمُنَّ: ہم احسان کریں گے ۔ مَنٌّ سے مضارع ۔

نُمَکِّن: ہم قدرت دیتے ہیں۔ہم جگہ دیتے ہیں۔ہم حکومت دیتے ہیں۔تَمْکِیْنٌ سے مضارع۔

یَحْذَرُوْنَ: وہ ڈرتے ہیں۔وہ بچتے ہیں۔حَذْرٌ سے مضارع۔

تشریح: گزشتہ آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا نہایت اجمالی ذکر تھا۔اب یہاں سے اس واقعے کا تفصیلی بیان ہے کہ فرعون ایک متکبر، سرکش اور بد دماغ انسان تھا۔اس نے وہاں کے باشندوں پر اپنا تسلط جما رکھا تھا اور ان میں تفریق پیدا کر کے ان کے مختلف گروہ بنا دئے تھے۔ان کے ایک گروہ بنی اسرائیل کو اس حد تک کمزور و بے بس کر رکھا تھا کہ وہ ان سے بے گار لیتا تھا اور ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا کہ ان سے خدمت لے۔واقعی وہ بد بخت بڑا مفسد تھا۔

غرض فرعون اسی فکر میں تھا کہ بنی اسرائیل کو فنا کر دے یہاں تک کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے۔ادھر ہمارا ارادہ یہ تھا کہ سرزمین مصر میں جن لوگوں کو کمزور سمجھا جا رہا تھا ہم ان پر اپنا فضل اور احسان کریں اور ان کو دین کا پیشوا بنائیں، دنیا میں ملک وسلطنت کا وارث بنائیں اور ان کو زمین میں قدرت واختیار دیدیں اور جس ایک بچے کی خاطر انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزاروں بے گناہ بچوں کا ناحق خون بہایا تھا اللہ تعالیٰ نے اس بچے کو اسی کی گود میں پروان چڑھایا اور اسی کے ہاتھوں اس کا اور اس کے لشکر کا اور اس کے ملک ومال کا خاتمہ کرا دیا۔ (ابن کثیر ۳۷۹، ۳/۳۸۰، مظہری ۱۴۲، ۷/۱۴۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا الہام

۷۔۹، وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۗ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۞ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ۗ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۞

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ تم اس (بچے) کو دودھ پلاتی رہو۔پھر جب تجھے اس کی نسبت کوئی اندیشہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دینا اور کچھ خوف وغم نہ کرنا۔یقیناً ہم اس کو تیری طرف لوٹانے والے ہیں۔اور اس کو رسولوں میں سے بنائیں گے۔پھر آل فرعون نے اس (بچے) کو (دریا سے) اٹھا لیا

تا کہ وہ ان لوگوں کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنے۔ بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے۔اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ لڑکا) میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو۔ شاید یہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں اور ان لوگوں کو کچھ خبر نہ تھی۔

اَرْضِعِيْهِ: تو اس کو دودھ پلا۔اِرْضَاعٌ سے امر

خِفْتِ: تجھے خوف ہے۔تو ڈری۔خَوْفٌ سے ماضی۔

الیَمّ: دریا۔سمندر۔گہرا پانی۔جمع یُمُوْم۔

اِلْتَقَطَهٗ: اس نے اس کو اٹھالیا۔اِلْتِقَاطٌ سے ماضی۔

تشریح: انہی دنوں جب حضرت موسیٰ کی ولادت ہوئی تو ان کی والدہ پر خوف طاری ہوگیا کہ اب فرعون کے لوگ اس بچے کو لے کر ذبح کر دیں گے۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی والدہ کے دل میں ڈال دیا کہ جب تک تم اس کو چھپا سکتی ہو اس وقت تک اس کو دودھ پلاتی رہو تا کہ وہ تیرے دودھ سے ایسا مانوس ہو جائے کہ پھر کسی اور کا دودھ قبول ہی نہ کرے۔ پھر جب اس کے بارے میں کسی قسم کا اندیشہ لاحق ہو تو اس کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دینا اور اس کو ڈوبنے یا ضائع ہونے کا خوف نہ کرنا اور نہ اس کی جدائی کا غم کرنا۔ یقیناً ہم اس کو تیرے پاس لوٹا دیں گے اور آگے چل کر ہم اس کو پیغمبر بنا دیں گے۔

پھر حضرت موسیٰ کی والدہ نے ان کو ایک صندوق میں بند کر کے اللہ کے نام پر دریائے نیل میں ڈال دیا۔صندوق پانی میں موجوں کے ساتھ بہتا بہتا فرعون کے محل کے پاس سے گزرا۔فرعون کے لوگوں نے صندوق کو اٹھالیا جب فرعون کی بیوی آسیہ کے سامنے صندق کھولا گیا تو اس میں ایک نہایت خوبصورت اور صحیح وسالم بچہ لیٹا ہوا تھا۔بچے کو دیکھتے ہی اس کی محبت آسیہ کے دل میں گھر کر گئی۔

فرعون حضرت موسیٰ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ تو عبرانی ہے، دشمنوں میں سے ہے۔ یہ کیسے بچ گیا۔اس وقت فرعون کی بیوی آسیہ نے کہا کہ یہ لڑکا تو ایک سال سے زیادہ کا ہے اور آپ کا حکم ایک سال کے لڑکوں کو قتل کرنے کا ہے اس لئے اس کو قتل نہ کیجئے، بہت ممکن ہے کہ یہ آپ کی اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو۔امید ہے یہ ہمارے کام آئے گا یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے۔فرعون نے کہا کہ یہ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا میری آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں ہے۔اگر وہ یہ کہہ دیتا کہ جس طرح

تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسی طرح میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا تو آسیہ کی طرح اس کو بھی ہدایت مل جاتی۔ بہرحال فرعون اور اس کے اہل خانہ نے اس بچہ کو پالنے کا ارداہ کرلیا اور ان کو اس بات کا احساس بھی نہ تھا کہ آگے چل کر فرعون اور اس کے آدمیوں کی ہلاکت و تباہی اسی کے ہاتھوں سے ہوگی۔ (مظہری ۱۴۳۔ ۱۴۷/ ۷، ابن کثیر ۳۸۰، ۳۸۱/ ۳)

والدہ کی بیقراری

۱۰۔۱۳، وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ٘ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور موسیٰ کی ماں کا دل بیقرار ہوگیا۔ قریب تھا کہ وہ اپنی بے قراری ظاہر کردیتی اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کئے رہتے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے رہے۔ اور اس نے اس (موسیٰ) کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا۔ پھر وہ اس کو دور ہی سے دیکھتی رہی اور ان (فرعونیوں) کو خبر بھی نہ تھی۔ اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کردیا تھا۔ سو اس کی بہن نے کہا کہ کیا میں ایسا گھرانہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس کی پرورش کرے اور وہ اس (بچے) کے خیر خواہ بھی ہوں۔ پھر ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کے پاس پہنچادیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو اور وہ جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے ہی نہیں۔

فُؤَادُ: دل۔ قلب۔ جمع اَفْئِدَۃٌ۔

فٰرِغًا: فارغ۔ خالی بے صبر۔ فَرَاغَۃٌ سے اسم فاعل۔

رَبَطْنَا: ہم نے مضبوط کردیا۔ ہم نے باندھ دیا۔ رَبْطٌ سے ماضی۔

قُصِّيۡهِ: تو اس کے پیچھے پیچھے جا۔تو اس کا سراغ لگا۔قَصٌّ سے امر۔

اَدُلُّكُمۡ: میں تمہیں پتا بتاؤں۔دَلَالَةٌ سے مضارع۔

يَكۡفُلُوۡنَ: وہ کفالت کریں گے۔وہ پرورش کریں گے۔ کَفَالَةٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت موسیٰ کی والدہ بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال تو آئیں مگر دل کا سکون جاتا رہا۔ رہ رہ کر حضرت موسیٰ کا خیال آتا تھا ان کی یاد کے سوا کوئی چیز دل میں باقی نہ رہی۔قریب تھا کہ بے قراری اور بے تابی کی وجہ سے راز فاش کر دیتیں مگر اللہ نے ان کی دل جمعی کر دی۔اور ان کے دل کو تسلی اور سکون دے دیا اور انہیں کامل یقین کرا دیا کہ اللہ نے بچے کو جو لوٹانے کا وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

حضرت موسیٰ کی والدہ نے اپنی لڑکی کو کہا کہ تم بھائی پر نظر رکھو اور دریا کے کنارے کنارے چلتی رہو اور دیکھو کہ کیا پیش آتا ہے۔ چنانچہ وہ گھر سے نکلی اور دور ہی دور سے بھائی کو دیکھتی رہی۔اسی طرح وہ فرعون کے محل تک پہنچ گئی اور کسی کو پتہ نہ چلا کہ وہ حضرت موسیٰ کی بہن ہے۔

ادھر جب فرعون کی بیوی نے بچے کو اپنی پرورش میں لے لیا تو دودھ پلانے کی فکر ہوئی اور دائیاں طلب کی گئیں۔ ہر ایک نے بڑی محبت اور پیار سے بچے کو دودھ پلانا چاہا مگر حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی کا بھی دودھ نہ پیا۔سخت تشویش تھی کہ دودھ پلانے والی کہاں سے لائی جائے حضرت موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہ پیتے تھے۔حضرت موسیٰ کی بہن یہ کیفیت دیکھتی رہی۔ پھر وہ کہنے لگی کہ میں تمہیں ایک دایا کا پتہ بتاتی ہوں ممکن ہے یہ بچہ ان کا دودھ پی لے۔ بہت شریف گھرانہ ہے۔ بادشاہ کے گھر سے انعام واکرام کی توقع میں وہ ضرور اس کی پرورش کریں گے اور اس کی خیر خواہی کریں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کی بہن اپنی والدہ کو بلا کر لے آئیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں پہنچتے ہی دودھ پینا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر فرعون کی بیوی آسیہ بہت خوش ہوئی اور بہت انعام واکرام کیا گیا اور حضرت موسیٰ کی والدہ سے کہا گیا کہ وہ محل میں ہی رہے۔انہوں نے عذر کیا کہ میرا گھر ہے، شوہر اور بچے ہیں۔میں دن رات یہاں نہیں رہ سکتی۔اگر آپ پسند کریں تو اپنے گھر رکھ کر اس کو دودھ پلا سکتی ہوں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ امن وسکون کے ساتھ اپنی ماں کی آغوش میں پہنچ گئے تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کو بیٹے کی جدائی کا غم نہ رہے اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے یعنی اللہ نے بچے کی واپسی کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا لیکن بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ کا وعدہ کس طرح پورا ہوتا ہے۔ (عثمانی ۲۶۳، ۲/۲۶۴، روح المعانی ۴۹۔۲۰/۵۱)

قبطی کا واقعہ

۱۴۔۱۷۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰي حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ڭ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَي الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ڭ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝

اور جب موسیٰ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچا اور پوری طرح توانا ہوگیا تو ہم نے اس کو حکمت اور علم عطا فرمادئے اور نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور موسیٰ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا جب وہاں کے لوگ بے خبر (پڑے سو رہے) تھے۔ پھر اس نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے پایا۔ ایک تو اس کے گروہ کا تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں میں سے تھا۔ سو جو اس کے گروہ کا تھا اس نے موسیٰ سے اس کے خلاف فریاد کی جو اس کے دشمنوں میں سے تھا۔ پھر موسیٰ نے اس (مخالف) کو مکا رمارا جس سے وہ مر گیا۔ موسیٰ کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہوگئی یقیناً شیطان گمراہ کرنے والا صریح دشمن ہے۔ موسیٰ نے دعا کی کہ اے میرے رب میں نے اپنے اوپر ظلم کیا سو تو مجھے معاف فرمادے، پس اللہ نے اس کو معاف فرمادیا۔ بیشک وہی بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ موسیٰ نے کہا اے میرے رب جیسا کہ تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے تو آئندہ میں کسی مجرم کی مدد نہ کروں گا۔

وَکَزَہٗ: اس نے اس کو گھونسہ مارا۔ اس نے اس کو مُکّا مارا۔ وَکْزٌ سے ماضی۔

مُضِلٌّ: گمراہ کرنے والا۔ بہکانے والا۔ اِضْلَالٌ سے اسم فاعل۔

ظَهِيْرًا: پشت پناہی کرنے والا۔ مددگار۔ ظَهْرٌ سے فاعل کے معنی میں صفت مشبہ۔

تشریح: جب حضرت موسیٰ پرورش پا کر اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ گئے اور پوری طرح توانا ہو گئے تو ہم نے ان کو خاص علم وحکمت عطا فرمایا اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اب اس واقعہ کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ کے مصر چھوڑنے کا سبب بنا۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ دوپہر کے وقت جو آرام کا وقت ہے یا رات کو جو سونے کا وقت ہے، شہر میں آئے، تو دو آدمیوں کو لڑائی جھگڑا کرتے ہوئے پایا۔ ان میں سے ایک آدمی تو حضرت موسیٰ کے گروہ یعنی بنی اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں یعنی قبطیوں میں سے تھا۔ جو شخص حضرت موسیٰ کے گروہ سے تھا اس نے حضرت موسیٰ سے اس شخص کے مقابلے میں مدد طلب کی جو قبطیوں میں سے تھا۔

پھر حضرت موسیٰ نے قبطی کو ایک مکہ مارا جس سے وہ مر گیا۔ حضرت موسیٰ کا ارادہ قبطی کو قتل کرنے کا نہ تھا، صرف قبطی کے ظلم کو دفع کرنا مقصود تھا اس لئے قبطی کی موت پر پشیمان ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی کام ہو گیا اور شیطان آدمی کو کھلم کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔ اس غفلت اور غیر اختیاری فعل پر حضرت موسیٰ نے استغفار کی اور کہا کہ اے میرے پرودگار! بیشک میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا سو تو مجھے معاف فرما دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی بھول چوک کو معاف فرما دیا۔ بلا شبہ وہی بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اے میرے رب چونکہ تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے تو میں بھی آئندہ کسی کی ایسی مدد نہ کروں گا جو گناہ کا سبب بن جائے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۰۳، ۵/۳۰۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر سے نکلنا

۱۸۔۲۱، فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۞ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖۗ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۞ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ؗ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۞ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۗ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۞

پھر خوف اور انتظار کی حالت میں اس (موسیٰ) نے شہر میں صبح کی ۔ پھر اچانک (دیکھا کہ) وہی شخص جس نے کل اس سے فریاد کی تھی وہ پھر اس (موسیٰ) کو پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اس سے کہا کہ بیشک تو تو صریح بے راہ ہے۔ پھر جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس کو پکڑے جو دونوں کا دشمن تھا تو وہ کہنے لگا اے موسیٰ کیا تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے جیسا کہ تو نے کل ایک آدمی کو قتل کیا تھا بس تو تو چاہتا ہے کہ ملک میں زبردستی کرتا پھرے اور تو نہیں چاہتا کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔ اور ایک شخص جو شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا اے موسیٰ بیشک اہل دربار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں سو تو یہاں سے نکل جا۔ البتہ میں تیرا خیر خواہ ہوں۔ پھر موسیٰ وہاں سے ڈرتا ہوا (اور) دیکھتا بھالتا ہوا نکل گیا۔ کہنے لگا اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے بچالے۔

یَتَرَقَّبُ: وہ راہ دیکھتا ہے۔ وہ دیکھتا بھالتا ہے۔ تَرَقُّبٌ سے مضارع۔

اَمسِ: گزشتہ کل۔ ظرف زمان ہے۔

یَستَصرِخُهٗ: وہ اس سے فریاد کرتا ہے۔ وہ اس کو چیخ کر بلاتا ہے اِستِصرا خٌ سے مضارع۔

یَبطِشَ: وہ سختی سے پکڑے گا۔ بَطشٌ سے مضارع۔

اَقصَا: بہت دور۔ قَصَاءٌ سے اسم تفضیل۔

یَسعٰی: وہ دوڑتا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے۔ سَعیٌ سے مضارع۔

یَاْتَمِرُوْنَ: وہ باہم مشورہ کرتے ہیں۔ اِیتِمَارٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گھونسے سے قبطی مرگیا تھا اس لئے ان کی طبیعت میں گھبراہٹ تھی شہر میں ڈرتے ڈرتے آئے کہ دیکھیں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ کہیں کل کے قتل کا راز کھل تو نہیں گیا پھر اچانک اس شخص پر نظر پڑی جس نے کل آپ سے مدد چاہی تھی آج وہ ایک اور قبطی سے لڑ رہا تھا۔ آپ کو دیکھتے ہی کل کی طرح فریاد کرنے لگا اور حضرت موسیٰ کو مدد کے لئے پکارنے لگا۔ حضرت موسیٰ نے کہا بیشک تو بڑا شریر اور کھلا گمراہ ہے اور کسی نہ کسی سے لڑتا رہتا ہے۔ یہ سن کر وہ گھبرا گیا۔

جب حضرت موسیٰ نے ہاتھ بڑھا کر اس ظالم قبطی کو پکڑنا چاہا جو دونوں کا دشمن تھا تو وہ

اسرائیلی یہ سمجھا کہ چونکہ حضرت موسیٰ نے ابھی اسے ڈانٹا ہے اس لئے وہ اسے مارنا چاہتے ہیں۔اس لئے اس نے اپنی جان بچانے کے لئے کہا کہ اے موسیٰ کیا تو آج میری جان لینا چاہتا ہے جیسے کل تو ایک آدمی کو قتل کر چکا ہے اور تو چاہتا ہے کہ ملک میں زبردستی کرتا پھرے اور تیرا ارادہ صلح کرانے کا نہیں ہے۔اسرائیلی کی زبان سے کل کے قتل کے بارے میں سنتے ہی قبطی فوراً دوڑا ہوا فرعون کے پاس پہنچا اور اس کو کل کے قتل کے بارے میں بتایا وہاں مشورے ہوئے اور پھر فوراً سپاہی دوڑائے گئے کہ حضرت موسیٰ کو گرفتار کر کے لائیں۔

فرعون کے پاس جو لوگ جمع تھے ان میں سے ایک شخص کے دل میں اللہ نے حضرت موسیٰ کی خیر خواہی ڈال دی۔وہ دوڑتا ہوا قریب کے راستے سے حضرت موسیٰ کے پاس پہنچا اور ان کو واقعے کی اطلاع دی اور کہا کہ فوراً شہر سے نکل جاؤ۔بلاشبہ میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں۔پھر حضرت موسیٰ خوف و دہشت کی حالت میں فوراً وہاں سے نکل گئے۔چونکہ راستہ معلوم نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے میرے پروردگار مجھے ظالموں کے گروہ سے نجات دے،سو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو مدین کی سیدھی سڑک پر ڈال دیا جہاں پہنچ کر ان کو امن و اطمینان نصیب ہوا، اور ظالموں سے نجات ملی۔　　(روح المعانی،۵۷۔۲۰/۵۸،ابن کثیر۳/۳۸۳)

مدین کی طرف روانگی

۲۲۔۲۴۔ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ڭ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٜوَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ۝ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ۝

اور جب موسیٰ نے مدین کا رخ کیا تو کہنے لگے۔امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ پر لے جائے گا۔اور جب مدین کے پانی پر پہنچا تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو (مویشیوں کو) پانی پلاتے ہوئے پایا اور ان سے الگ دو عورتوں کو پایا جو (اپنے جانوروں کو) روکے ہوئے (کھڑی) تھیں۔موسیٰ نے

کہا کہ تمہارا کیا کام ہے۔ان دونوں نے کہا کہ جب تک چرواہے ہٹ نہیں جاتے ہم پانی نہیں پلاتے اور ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے۔ پھر موسیٰ نے ان (کے جانوروں) کو پانی پلا دیا۔ پھر وہ سائے میں جا بیٹھے۔ پھر کہنے لگے اے میرے رب جو کچھ بھلائی تو میری طرف اتارے تو میں اس کا محتاج ہوں۔

تِلْقَاءَ: جانب۔طرف۔سمت

سَوَآءَ: برابر۔پورا ٹھیک۔اسم مصدر۔

تَذُوْدٰنِ: وہ دونوں ہانکتی ہیں۔وہ دونوں روکتی ہیں۔ذَوْدٌ سے مضارع۔

خَطْبُکُمَا: تم دونوں (عورتوں) کا معاملہ۔تمہارا حال۔

یُصْدِرَ: وہ لوٹائے گا۔وہ ہٹائے گا۔اِصْدَارٌ سے مضارع۔

اَلرِّعَآءُ: چرواہے واحد رَاعِیٌ۔

تشریح: حضرت موسیٰ مصر سے چپ چاپ نکل کر ایک طرف کو چل پڑے۔راستے سے واقف نہ تھے بس اللہ پر بھروسہ کر کے ایک سمت میں چل پڑے یہ راستہ سیدھا مدین جاتا تھا۔مدین ایک بستی کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے مدین کے نام پر آباد کی گئی تھی۔ یہ بستی مصر سے آٹھ منزل کے فاصلے پر تھی اور فرعون کی حکومت سے خارج تھی ادھر حضرت موسیٰ کے پاس نہ سواری تھی اور نہ کھانے پینے کا سامان تھا۔

حضرت موسیٰ چلتے چلتے مدین کے اس کنوئیں پر پہنچ گئے جو شہر کے ایک کنارے پر تھا۔ کنویں پر بہت سے لوگ جمع تھے جو اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے، ان لوگوں سے علیحدہ ایک طرف دو عورتیں اپنی بکریوں کو روکے ہوئے کھڑی تھیں کہ ان کی بکریاں دوسرے لوگوں کی بکریوں میں نہ مل جائیں۔ یہ دونوں حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیاں تھیں، شرم وحیا کی وجہ سے ایک طرف کھڑی تھیں۔ان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ مردوں کی مزاحمت کر سکیں۔حضرت موسیٰ کو ان کے حال پر رحم آیا تو انہوں نے ان لڑکیوں سے دریافت کیا کہ تم اپنے جانوروں کو اس پانی سے کیوں روک رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم پانی نہیں نکال سکتیں، جب یہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے تو بچا کھچا پانی ہم اپنی بکریوں کو پلا دیں گے۔ ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں وہ خود آ کر ان جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتے۔اس لئے مجبوراً ہمیں آنا پڑتا ہے۔

پھر حضرت موسیٰ نے کنوئیں سے پانی کھینچ کر ان کی بکریوں کو پلا دیا اور پشت پھیر کر ایک درخت کے سائے کی طرف چلے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر یہ دعا کی۔ اے میرے پروردگار! میں آپ کی نازل کردہ خیر و برکت اور رزق و نعمت کا محتاج ہوں۔

(مظہری ۱۵۴۔۱۵۶/ ۷، ابن کثیر ۳۸۳، ۳۸۴ /۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاہدہ

۲۵۔۲۸، فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ۝ قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ۝

پھر ان دونوں (لڑکیوں) میں ایک شرم و حیا سے چلتی ہوئی موسیٰ کے پاس آئی کہنے لگی میرے باپ نے تمہیں بلایا ہے تاکہ وہ تم کو (ہمارے جانوروں کو) پانی پلانے کی اجرت دے۔ پھر جب موسیٰ اس کے پاس آئے اور اس سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے کہ (اب) خوف مت کرو۔ تم نے ظالم لوگوں سے نجات پالی۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ اے باپ اس کو اجرت پر رکھ لو۔ بیشک جس کو آپ اجرت پر رکھیں ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔ اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا تمہارے ساتھ نکاح کر دوں، اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میری ملازمت کرو۔ پھر اگر تم دس (سال) پورے کر دو تو تمہاری طرف سے (احسان) ہے اور میں تجھ پر مشقت ڈالنا نہیں چاہتا۔ انشاء اللہ تم مجھے اچھے

لوگوں میں سے پاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا یہ میرے اور تیرے درمیان (عہد)
ہے ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی پوری کردوں تو (اس کے بعد) مجھ پر
کوئی زیادتی نہ ہو اور اللہ ہماری بات پر گواہ ہے۔

حِجَجٍ: کئی حج۔ کئی برس۔ واحد حِجَّةٌ.

اَتْمَمْتَ: تو نے تمام کیا۔ تو نے پورا کیا۔ اِتْمَامٌ سے ماضی۔

اَشُقَّ: میں تکلیف دوں۔ میں مشقت میں ڈالوں۔ مُشَقَّةٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیاں اپنی بکریوں کو پانی پلا کر وقت سے پہلے گھر پہنچ گئیں تو حضرت شعیب نے ان سے پوچھا کہ آج جلدی کیسے آگئیں۔ انہوں نے باپ کو سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت شعیب نے ان دونوں میں سے ایک لڑکی کو بھیجا کہ اسے میرے پاس بلا لاؤ۔ پس وہ لڑکی نہایت شرم و حیا سے اپنی چادر میں لپٹی ہوئی حضرت موسیٰ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے والد آپ کی مزدوری دینے کے لئے اور اس احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے آپ کو بلا رہے ہیں، جو آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلا کر ہمارے ساتھ کیا ہے۔

حضرت موسیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچ کر اپنا سارا حال بیان کر دیا تو حضرت شعیبؑ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا اب ڈرنے کی ضرورت نہیں تم نے ظالم قوم سے نجات پالی ہے۔ یہاں ان کی حکومت نہیں۔ پھر حضرت شعیب کی دو لڑکیوں میں سے ایک نے اپنے والد سے کہا کہ ان کو ملازم رکھ لیجئے۔ بیشک آپ کا اچھا ملازم وہی ہوگا جو طاقت ور اور امانت دار ہو۔ اور ان میں یہ دونوں اوصاف موجود ہیں کیونکہ اس شخص نے کنویں کے منہ سے وہ پتھر جو دس آدمی نہیں اٹھا سکتے تھے تنہا آسانی سے اٹھا کر رکھ دیا اور ان کی امانت کا حال یہ ہے کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میرے پیچھے پیچھے چلو اور زبان سے راستہ بتاتی رہنا۔

پھر حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک کو اس شرط پر تمہارے نکاح میں دیدوں کہ تم اس نکاح کے عوض آٹھ سال تک میری بکریاں چراؤ۔ اس کے بعد اگر تم دس سال پورے کر دو گے تو تمہاری طرف سے حسن سلوک ہوگا اور میں تم پر کوئی دشواری نہیں ڈالنا چاہتا کہ دس سال پورے کرنے پر مجبور کروں۔ ان شاء اللہ تم مجھے صالحین میں سے پاؤ گے۔

حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہے، جو حق آپ نے

مقرر کیا ہے وہ میں ادا کر دوں گا اور جو میرا حق مقرر کیا ہے وہ آپ ادا کریں ۔ ان دونوں مدتوں میں سے میں جو مدت بھی پوری کروں، اس کے بعد مجھ پر زیادتی نہیں ہونی چاہئے اور ہم باہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے ۔ (مظہری ۱۵۶۔۱۶۱/ ۷، عثمانی ۲۶۷، ۲/۲۶۸)

مدین سے مصر واپسی

۲۹۔۳۱۔ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِىَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِى الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّىْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۖ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾

پھر جب موسیٰ نے اپنی مدت پوری کر دی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے تو کوہ طور کی طرف آگ دیکھی ۔ موسیٰ نے گھر والوں سے کہا تم ٹھہرو یقیناً میں نے ایک روشنی دیکھی ہے شاید میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا آگ کا کوئی انگارہ لے آؤں تاکہ تم سینک لو ۔ پھر جب وہ (موسیٰ) اس (آگ) کے پاس آئے تو اس مقدس وادی کے دائیں جانب سے ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں ہی اللہ ہوں تمام جہانوں کا رب اور یہ کہ تم اپنے عصا کو ڈال دو ۔ پھر جب موسیٰ نے اس کو دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح لہرا رہا ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس ہو گئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (ہم نے کہا) اے موسیٰ آگے آ اور خوف نہ کھا ۔ یقیناً تو ہر طرح امن میں ہے ۔

اَجَلَ: وقت ۔ مدت ۔ موت ۔ مہلت ۔ جمع اٰجالٌ ۔

سَارَ: اس نے سیر کی ۔ وہ چلا ۔ سَیْرٌ سے ماضی ۔

اِمْکُثُوْا: تم ٹھہرے رہو ۔ مَکْثٌ سے امر ۔

جَذْوَةٍ: چنگاری۔انگار۔جمع جُذًی۔

تَصْطَلُوْن: تم سینکو۔تاپو۔اِصْطِلَاءٌ سے مضارع۔

شَاطِیٌ: جانب۔کنارہ سرا۔جمع شَوَاطِئٌ۔

الْبُقْعَةِ: مقام۔زمین کا ٹکڑا جمع بِقَاعٌ۔

تَهْتَزُّ: وہ بل کھاتی ہے۔وہ ہلتی ہے۔وہ لہراتی ہے۔اِهْتِزَازٌ سے مضارع۔

تشریح: جب حضرت موسیٰ نے مقررہ مدت پوری کردی تو حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے اپنی اہلیہ کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہو گئے جب کوہ طور کے پاس پہنچے تو رات کا وقت تھا، اندھیرا چھایا ہوا تھا۔سخت سردی تھی اور راستہ بھٹک گئے تھے، اپنی اہلیہ سے کہا کہ یہاں ٹھہرو مجھے آگ دکھائی دی ہے۔میں وہاں جاتا ہوں۔شاید میں وہاں راستہ کی کوئی خبر لے آؤں یا کوئی جلتی ہوئی لکڑی لے آؤں تاکہ تم گرمی حاصل کرو۔

جب حضرت موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو اس وادی کے دائیں جانب بابرکت جگہ میں لگے ہوئے درخت سے آواز آئی، اے موسیٰ! بلاشبہ میں ہی رب العالمین ہو۔میں تیرا پروردگار ہوں۔میں نے تجھے اپنے کلام سے عزت بخشی اور تجھے اپنا نبی اور رسول بنایا اور میں چاہتا ہوں کہ تجھے کچھ معجزے عطا کروں جو تیر نبوت اور رسالت کی دلیل بنیں۔سوا اے موسیٰ اب تم اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کیسا قادر مطلق ہے۔حضرت موسیٰؑ نے اللہ کا حکم سنتے ہی اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا۔اسی وقت وہ ایک پھن پھناتا ہوا سانپ بن گئی۔جب حضرت موسیٰ نے اپنی لاٹھی کو سانپ کی طرح تیزی سے ادھر ادھر دوڑتے ہوئی دیکھا تو خوفزدہ ہو گئے اور دہشت کے مارے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑکر بھی نہ دیکھا۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دی اے موسیٰ ادھر آؤ۔ڈرنے کی ضرورت نہیں بلاشبہ تو امن والوں میں سے ہے۔

ید بیضاء کا معجزہ

۳۲۔ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ۝

اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈالئے، وہ کسی عیب کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا اور خوف (دور کرنے) کے لئے اپنے بازو پہلو سے ملالیا کرو سو تیرے رب کے طرف سے یہ دو دلیلیں ہیں فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف (جانے کے لئے) یقیناً وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔

اُضْمُمْ: تو دبالے۔ تو ملالے۔ ضَمٌّ سے امر۔

جَنَاحَکَ: تیرا بازو۔ تیرا ہاتھ۔ تیرا پہلو۔ جمع اَجْنِحَةٌ۔

الرَّهْبِ: ڈر۔ خوف۔ اسم مصدر ہے۔

تشریح: لاٹھی کا سانپ بننے کے معجزے کے ساتھ حضرت موسیٰ کو ید بیضا کا معجزہ بھی دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا اے موسیٰ اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال کر نکالئے وہ کسی عیب اور بیماری کے بغیر نہایت سفید اور روشن ہو کر نکلے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے ایسا ہی کیا کہ اپنا ہاتھ بغل میں ڈال کر نکالا تو وہ نہایت دلکش اور منور تھا۔ پھر فرمایا کہ خوف دور کرنے کے لئے اپنا ہاتھ سمیٹ کر گریبان میں ڈال لو۔ ہاتھ دوبارہ اپنی پہلی اور اصلی صورت پر آجائے گا۔ اور کوئی خوف باقی نہ رہے گا۔ پس یہ دونوں معجزے تیرے رب کی طرف سے تیری نبوت و رسالت کی دو روشن دلیلیں ہیں جو تجھے عطا کی گئی ہیں۔ سو تم ان کو لے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف جاؤ کیونکہ وہ بڑے بدکار لوگ ہیں،

غلبے و نصرت کا وعدہ

۳۳، ۳۵۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۝ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ۝ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝

اے میرے رب! میں نے ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا سو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ (اس کے بدلے میں) مجھے قتل نہ کردیں اور میرا بھائی ہارون مجھ سے بہت زیادہ فصیح زبان والا ہے سو اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دے کہ وہ میری تصدیق کرے کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تکذیب کریں گے۔ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا ہم تیرے بھائی سے تیرا بازو قوی کر دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے پھر وہ تم دونوں تک پہنچ بھی نہ سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کے سبب تم دونوں اور تمہاری تابعداری کرنے والے ہی غالب رہیں گے۔

رِدْاً: مدد دینے والا۔تقویت پہنچانے والا۔ رِدْءٌ سے صفت مشبہ۔

سَنَشُدُّ: بہت جلد ہم مضبوط کریں گے۔ بہت جلد ہم قوی کریں گے۔ شَدٌّ سے مضارع۔

عَضُدَکَ: تیرا بازو۔تیری قوت۔جمع اَعْضَادٌ۔

تشریح: حضرت موسیٰ نے عرض کیا کے میرے پروردگار! میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا۔ اسی خوف سے بھاگ کر میں مدین آیا تھا۔ اب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ ایسی صورت میں آپ کا پیغام کیسے پہنچا سکوں گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میری زبان میں لکنت ہے شاید میں پیغام رسالت کو پوری طرح واضح نہ کرسکوں۔ میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح زبان ہے سو اس کو میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دے تاکہ وہ حسن تقریر سے میری تصدیق اور تائید کرے، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو بنا دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ عطا کریں گے سو فرعون والے تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ پس تم دونوں بےفکر ہو کر ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو حق کی دعوت دو۔ تم دونوں اور تمہاری اتباع کرنے والے ہی غالب رہیں گے۔

فرعون کا انکار

۳۶،۳۷۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر پہنچے تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو محض ایک بنایا ہوا جادو ہے اور ہم نے تو اس کو اپنے اگلے باپ دادا کے

وقت میں کبھی سنا بھی نہ تھا۔ اور موسیٰ نے کہا کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے پاس سے (پیغام) ہدایت لے کر آیا ہے اور کس کے لئے آخرت کا گھر ہوگا۔ یقیناً ظالم لوگ فلاح نہ پائیں گے۔

مُفتریٰ: افترا کرنے والا۔ بہتان تراشنے والا۔ اِفتراءٌ سے اسم فاعل۔

عَاقِبَۃُ: عاقبت۔ آخرت۔ انجام۔ سزا۔ مصدر ہے۔

الدَّار: گھر۔ عالم۔ جمع دِیارٌ۔

تشریح: پس جب حضرت موسیٰ ہماری کھلی نشانیاں لے کر فرعون کے پاس پہنچے اور اس کو توحید کی دعوت دی تو وہ کہنے لگا کہ یہ تو محض گھڑا گھڑایا جادو ہے۔ ایسی بات تو ہم نے کبھی اپنے باپ دادا سے بھی نہیں سنی کہ آسمان و زمین اور اس دنیا کا کوئی خالق بھی ہے جو اس جہان کو فنا کر دے گا اور پھر سب کو زندہ کر کے حساب لے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرا رب خوب جانتا ہے اس کو جو اس کے پاس سے ہدایت اور دین حق لے کر آیا ہے اور وہ اس کو بھی خوب جانتا ہے جس کا انجام اچھا ہوگا۔ بلاشبہ ظالم کامیاب نہیں ہوتے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلائے گا وہی ظالم ہوگا اور ذلیل و خوار ہوگا۔

فرعون اور اس کی قوم کا انجام

۳۸۔۴۲۔ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝

اور فرعون نے کہا کہ اے سردارو! میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور معبود ہے۔ سو اے ہامان تو میرے لئے مٹی کو آگ میں پکوا کر ایک بلند عمارت

تعمیر کراتا کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں اور میں تو اس (موسیٰ) کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں ۔ اور فرعون اور اس کے لشکروں نے ناحق ملک میں سر اٹھا رکھا تھا اور انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جائیں گے ۔ بالآخر ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور ان کو دریا میں پھینک دیا سو دیکھ لو کہ ظالموں کا کیسا انجام ہوا ۔ اور ہم نے ان کو (گمراہی میں) امام بنایا تھا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا ۔ اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگادی اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے ۔

اَوْقِدْ: تو آگ جلا ۔ تو روشن کر ۔ تو پکوا ۔ اِیْقَادٌ سے امر ۔

الطِّیْنِ: مٹی ۔ گارا ۔ خاک ۔ لیپنا ۔

صَرْحًا: محل ۔ بلند مکان ۔ برج ۔

نَبَذْنٰھُمْ: ہم نے ان کو پھینک دیا ۔ نَبْذٌ سے ماضی ۔

اَلْیَمّ: دریا ۔ سمندر ۔ گہرا پانی ۔ جمع یَمُوْمٌ ۔

مَقْبُوْحِیْنَ: بُرے بنے ہوئے ۔ بدحال لوگ ۔ قَبْحٌ وقَبَاحَۃٌ سے اسم مفعول ۔

تشریح: فرعون نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں اور میں ہی سب سے اعلیٰ اور بلند تر ہوں ۔ پھر وہ اپنے ایک خبیث وزیر ہامان سے تمسخر کے طور پر کہنے لگا کہ تو میرے لئے پختہ اینٹیں بنوا کر ان سے ایک پختہ اونچی عمارت بنوا، تاکہ میں اس پر چڑھ کر آسمان کے قریب ہو جاؤں اور دیکھوں کہ موسیٰ کا خدا کہاں ہے اور کیسا ہے ۔ زمین میں تو مجھے اپنے سوا کوئی خدا نظر نہیں آتا، شاید آسمان کی طرف جھانکنے سے موسیٰ کا خدا نظر آجائے اور میں تو موسیٰ کو اس دعوے میں جھوٹا سمجھتا ہوں کہ آسمان وزمین کا کوئی رب ہے جس نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے ۔

پھر فرمایا کہ فرعون اور اس کے لشکر انجام سے غافل ہو کر تکبر اور سرکشی میں حد سے بڑھ گئے اور ملک میں ناحق فساد کرنے لگے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ ان کو ہمارے پاس لوٹا کر نہیں لایا جائے گا ۔ آخر خداوند قہار نے اس کو لاؤ لشکر سمیت پکڑ کر بحر قلزم میں پھینک دیا اور سب غرق ہو گئے ۔ سو دیکھ لو ظالموں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا اور ہم نے ان کو گمراہوں کا پیشوا بنا دیا جو لوگوں کو کفر و معصیت کے

ذریعہ دوزخ کی طرف بلا رہے تھے قیامت کے روز وہ اتنے بے بس ہوں گے کہ ان کو کہیں سے مدد نہ ملے گی اور نہ کوئی ان کو عذاب سے بچا سکے گا۔ دنیا میں بھی یہ ملعون ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی، اس کے فرشتوں کی، اس کے نبیوں کی اور تمام نیک لوگوں کی ان پر لعنت ہے اور قیامت میں بھی وہ بدحال اور نہایت برے لوگوں میں سے ہوں گے۔ (روح المعانی ۸۰۔۸۳/۲۰، ابن کثیر ۳/۳۹۰)

نزولِ توریت

۴۳۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

اور اگلے زمانے والوں کو ہلاک کر دینے کے بعد ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) دی جو لوگوں کی آنکھیں کھولنے والی اور ہدایت اور رحمت والی تھی تاکہ وہ لوگ نصیحت پکڑیں۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ تک رسولوں کا انکار اور شرک پر اصرار کرنے والی جتنی بھی امتیں گزریں، مثلاً قوم نوح، قوم عاد، قوم لوط وغیرہ، سب کی ہلاکت اور فرعون کی غرقابی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا کی گئی، جو بنی اسرائیل کے لئے عقائد و احکام حق ظاہر کرنے والی اور باعث ہدایت و رحمت تھی تاکہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں اور راہِ راست پر آ جائیں۔

اس آیت میں ایک لطیف بات یہ بیان کی گئی ہے کہ فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد جو امتیں آئیں، وہ فرعونیوں اور ان سے پہلے والی قوموں کی طرح عام آسمانی یا زمینی عذاب سے ہلاک نہیں ہوئیں۔ سوائے اس بستی کے چند مجرموں کے، جنہوں نے اللہ کی حرمت کے خلاف ہفتے کے دن شکار کھیلا تھا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں سور اور بندر بنا دیا تھا۔

ایک مرفوع حدیث میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ نے کسی قوم کو عذابِ آسمانی یا زمینی سے ہلاک نہیں کیا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ .... يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

پس توریت نازل ہونے کے بعد جس امت نے بھی سرکشی کی اس کی سرکشی کا بدلہ اللہ تعالیٰ

نے اسی زمانے کے نیک لوگوں کے ہاتھوں اسے دلوادیا یعنی مومنین مشرکین سے جہاد کرتے رہے۔
(روح المعانی ۸۴،۸۵/۲۰، ابن کثیر ۳۹۰/۳)

رسالتِ محمدیہ کا اثبات

۴۴۔۴۷، وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَلَٰكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۙ وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِنْ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ وَلَوْلَا أَنْ تُصِيبَهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

اور (اے رسول ﷺ) آپ (کوہ طور کے) مغربی جانب میں موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو احکام بھیجے تھے اور نہ آپ ان کو دیکھ رہے تھے اور لیکن ہم نے (موسیٰ کے بعد) بہت سے نسلیں پیدا کیں،۔ پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا اور نہ آپ مدین کے لوگوں میں رہتے تھے کہ ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتے، اور لیکن ہم ہی رسول بھیجنے والے ہیں اور نہ آپ اس وقت کوہِ طور کے کنارے موجود تھے، جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی لیکن یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا) تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کرلیں۔ اور (ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا کہ) ایسا نہ ہو کہ اگر ان پر ان کے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے (اعمال) کی وجہ سے کوئی مصیبت آپڑے، تو یہ کہنے لگیں کہ ہمارے رب نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی اتباع کرتے اور مومنوں میں سے ہو جاتے۔

قَضَیْنَا: ہم نے حکم دیا۔ ہم نے فیصلہ کیا، قَضَا سے ماضی۔

اَنْشَأْنَا: ہم نے پیدا کیا۔ ہم نے پرورش کی۔ اِنْشَاءٌ سے ماضی۔

ثَاوِیًا: رہنے والا۔ باشندہ۔ مقیم۔ ثَوَاءٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اے نبی ﷺ! جب ہم نے حضرت موسیٰ کو احکام بھیجے اور توریت عطا کی تو آپ اس وقت کوہِ طور کے مغربی جانب موجود نہ تھے جس سے یہ خیال کیا جا سکے کہ آپ اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ کے بعد بہت سی امتیں اور نسلیں پیدا کیں۔ پھر ان امتوں اور نسلوں پر زمانہ گزر گیا اور ان کے بارے میں جاننے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا تب ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا اور وحی کے ذریعے آپ کو ان حالات واقعات سے آگاہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ اہل مدین میں بھی قیام پذیر نہیں رہے کہ وہاں کے حالات اور ان کی خبریں پڑھ کر اہل مکہ کو سنا رہے ہوں بلکہ ہم ہی آپ کو معجزات اور غیب کی خبریں دے کر بھیجنے والے ہیں۔ اسی طرح جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی اور ان سے کلام کیا تو آپ اس وقت کوہِ طور کے پاس موجود نہ تھے، بلکہ یہ آپ کے رب کی مہربانی ہے کہ اس نے آپ کو ان چیزوں کا علم دیا تاکہ ان آیات کے ذریعے آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے اللہ کی طرف سے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ شاید وہ نصیحت پکڑیں۔

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کو جب ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو یہ کہہ دیتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہیں بھیجا تھا کہ ہم بھی تیرے احکام کی پیروی کرتے اور مومنوں میں سے ہو جاتے، تو ہم ان کے پاس پیغمبر نہ بھیجتے۔

(مظہری ۱۶۹۔۱۷۱/ ۷ معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ ۳۲۰، ۳۲۱/ ۵)

مشرکینِ مکہ کی ہٹ دھرمی

۴۸۔۵۰۔ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی ؕ اَوَلَمْ یَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۟ وَقَالُوْۤا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰی مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ

اَنَّمَا يَتَّبِعُونَ اَهۡوَآءَهُمۡ ؕ وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰٮهُ بِغَيۡرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝

پھر ان کے پاس ہماری طرف سے (دین) حق آ گیا تو کہنے لگے کہ (اس رسول کو) ویسا (معجزہ) کیوں نہ دیا گیا جیسا موسیٰ کو دیا گیا تھا۔ کیا وہ اس کا انکار نہیں کر چکے ہیں جو اس سے پہلے موسیٰ کو ملا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور وہ کہتے تھے کہ ہم کسی کو بھی نہیں مانتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اللہ کے پاس سے ایسی کتاب لاؤ جو ان دونوں (توریت وقرآن) سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو میں اس کی پیروی کروں گا۔ پھر اگر یہ لوگ آپ کا مطالبہ پورا نہ کریں تو آپ سمجھ لیجئے کہ وہ محض اپنی خواہشوں کے تابع ہیں اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشوں پر چلتا ہو۔ بیشک اللہ (ایسے) ظالموں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔

تشریح: گزشتہ آیت میں بیان تھا کہ اگر نبیوں کے بھیجنے سے پہلے ہی ہم ان پر عذاب بھیج دیتے تو ان کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ اگر ہمارے پاس رسول آتے تو ہم ضرور ان کی بات مانتے، اسی لئے رسول بھیجے اور سب سے آخر میں آنحضرت ﷺ کو بھیجا لیکن مشرکین مکہ آپ پر ایمان لانے کی بجائے ضد اور ہٹ دھرمی سے کہنے لگے کہ جیسے معجزے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے، مثلاً لاٹھی اور ید بیضا کے معجزے، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون کے معجزے، ویسے ہی معجزے محمد ﷺ کو کیوں نہیں دیئے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ حضرت موسیٰ کو جو معجزے دیئے گئے تھے کیا انہوں نے ان کا انکار نہیں کیا تھا۔ کیا انہوں نے نہیں کہا تھا کہ یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں، جو ایک دوسرے کے مددگار ہو گئے ہیں، ہم ہرگز ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اے محمد ﷺ آپ مشرکین سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ یہ قرآن اور توریت دونوں ہی جادو ہیں تو تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب پیش کرو جو ہدایت میں ان دونوں سے بڑھ کر ہو، تاکہ میں اس پر چلوں اور اس کی پیروی

کروں ۔ پس اگر یہ لوگ توریت اور قرآن سے بہتر کوئی کتاب نہ لا سکیں اور نہ توریت و قرآن کو مانیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ ہٹ دھرم، ضدی اور خواہش پرست ہیں ۔ اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہش پر چلے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ۔

(ابن کثیر ۳۹۲ ۔ ۳۹۳ / ۳، مظہری ۱۷۱ ۔ ۱۷۲ / ۷)

مومنین کے لئے دوہرا اجر

۵۱ ۔ ۵۵، وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ ۝

اور ہم لوگوں کے لئے اپنا کلام پے در پے بھیجتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ۔ جن لوگوں کو ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب دی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں ۔ اور جب یہ (قرآن) ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے ۔ بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے (بالکل) حق ہے ہم تو اس سے پہلے بھی فرماں بردار تھے ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو دگنا بدلہ ملے گا، ان کے صبر کی وجہ سے اور وہ نیکی سے بدی کو دور کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ۔ اور جب وہ بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، تم پر سلام ہو ۔ ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے ۔

وَصَّلْنَا: ہم نے ملایا ۔ ہم نے پے در پے بھیجا ۔ تَوْصِیْلٌ سے ماضی ۔

یَدْرَءُوْنَ: وہ دفع کرتے ہیں ۔ وہ ٹالتے ہیں ۔ دَرْءٌ سے مضارع ۔

تشریح: ہماری وحی کا سلسلہ پہلے سے چلا آتا ہے۔ہم ایک وحی کی تصدیق وتائید میں دوسری وحی برابر بھیجتے رہے اور قرآن کو بھی ہم نے بتدریج اور مسلسل نازل کیا ہے۔ایک آیت کے پیچھے دوسری آیت نازل ہوتی رہی ،تاکہ لوگوں کو سمجھنے اور غور کرنے کا خوب موقع ملے اور یاد رکھنے میں سہولت ہو۔

جاہل مشرکین کا حال تو یہ ہے کہ نہ اگلی کتابوں کو مانتے ہیں نہ پچھلی کو۔ان کے برعکس انصاف پسند اہل کتاب ہیں، جو دونوں کتابوں کو تسلیم کرتے ہیں پہلے توریت وانجیل پر ایمان رکھتے تھے۔پھر جب قرآن آیا تو بول اٹھے کہ بلاشبہ یہ کتاب برحق ہے، ہمارے رب کی اتاری ہوئی ہے۔ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں۔ہم پہلے بھی اللہ کی باتوں کو مانتے تھے اور آج بھی قبول کرتے ہیں۔حقیقت میں ہم پہلے سے مسلمان ہیں کیونکہ سابقہ کتب پر ہمارا ایمان تھا جن میں پیغمبر آخرالزماں اور قرآن کریم کے متعلق صاف صاف بشارتیں تھیں۔یہی وہ لوگ ہیں جن کو دوہرا اجر دیا جائے گا۔

شیخ اکبر نے فتوحات میں لکھا ہے کہ ان اہل کتاب کا ایمان اپنے پیغمبر پر دو مرتبہ ہوا۔اول بالاستقلال، دوبارہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کے ضمن میں کیونکہ آپ ﷺ سابقہ انبیا کے تصدیق کرنے والے ہیں اور ان پر ایمان رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں۔نبی کریم ﷺ پر بھی ان کا ایمان دو مرتبہ ہوا۔ایک اب بالذات اور بالاستقلال دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں، کیونکہ ہر پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیتے اور پیشگی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں اس لئے ان لوگوں کو اجر بھی دو مرتبہ ملے گا۔

یہ لوگ برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں۔اگر کوئی شخص ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو وہ اس کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔اسی طرح جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا ہے وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔یہ لوگ جب کافروں اور مشرکوں سے کوئی لغو اور بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ بس ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔تم کو سلام، ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔(عثمانی ۲/۲۷۴،روح المعانی ۹۴،۹۵/۲۰)

ہدایت وتوفیق

۵۶،۵۷۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ

مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(اے رسول ﷺ) آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے اور (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ (اس دین کی ہدایت پر چلنے لگیں تو اپنے ملک سے نکال باہر کئے جائیں گے۔ کیا ہم نے ان کو حرم میں امن سے جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں جو ہماری طرف سے روزی ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نُتَخَطَّفُ: اچک لئے جائیں گے۔ ہم نکال باہر کئے جائیں گے۔ تَخَطُّفٌ سے مضارع مجہول۔

یُجْبٰی: وہ کھینچا جاتا ہے۔ جبیٌ سے مضارع مجہول۔

شانِ نزول: ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ قریش کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ اگر ہم آپ کی پیروی کریں گے تو لوگ ہمیں اچک لیں گے اس اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت قَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى ...... نازل فرمائی۔

مسلم وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا آپ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجئے تاکہ قیامت کے دن میں آپ کے لئے شہادت دے سکوں۔ ابو طالب نے کہا کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں عار دلائیں گی اور کہیں گی کہ ابو طالب نے (موت کے) خوف سے کلمہ پڑھ لیا، تو میں یہ کلمہ پڑھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۱۷۶/۷)

تشریح: اے نبی ﷺ! ہدایت و توفیق آپ کی قدرت میں نہیں کہ آپ جس کو چاہیں ہدایت دے دیں۔ آپ کا کام تو لوگوں کو پیغامِ الٰہی پہنچا دینا ہے۔ اور ہدایت پانے والوں کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔

پھر فرمایا کہ مشرکینِ مکہ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہمیں اندیشہ ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں سرزمینِ عرب سے نکال دیں گے۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ ہم نے ان

کو حرم میں آباد کیا ہے جو امن و امان کی جگہ ہے جہاں کوئی لڑائی کا نام بھی نہیں لیتا اور ان کو ایسی جگہ بسایا ہے جہاں ہماری طرف سے ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تکبر کا انجام

۵۸۔۵۹۔ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ۝

اور ہم نے بہت سی ایسی بستیاں تباہ کر دیں جن کے رہنے والے اپنی خوشحالی پر اتراتے تھے۔ سو یہ ان کے (اجڑے ہوئے) گھر ہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد ہوئے اور (آخر) ہم ہی (سب کچھ) لینے والے بنے۔ اور آپ کا رب کسی بستی کو بھی اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں اپنا کوئی رسول نہ بھیج دے، جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم تو بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب وہاں کے لوگ نافرمان ہو جائیں۔

بَطِرَتْ: وہ اترائی۔ وہ اکڑنے لگی۔ بَطَرٌ سے ماضی۔

يَبْعَثُ: وہ بھیجے گا۔ وہ اٹھائے گا۔ بَعْثٌ سے مضارع۔

تشریح: یہ مشرکینِ مکہ جو دنیاوی فوائد کے خیال سے ہدایت کی اتباع نہیں کرتے کیا یہ نہیں جانتے کہ ہم نے ہدایت کی اتباع نہ کرنے کے جرم میں کتنی ہی بستیاں ہلاک کر ڈالیں جو اپنے اسباب عیش پر اتراتے تھے۔ سو دیکھ لو یہ ان باغیوں کے گھر اور مسکن ہیں جو تمہاری نظروں کے سامنے خالی اور ویران پڑے ہیں۔ یہ بستیاں ایسی اجڑیں کہ کوئی ان کا نام لینے والا نہیں رہا۔ آخر ہم ہی ان کے مالک ہوئے۔ اے مشرکینِ مکہ تم بزعم خود کفر و ضلالت پر اصرار اور اسلام کا انکار کر کے اپنے ذرائع معاش اور وسائل و دولت کی حفاظت کر رہے ہو، حالانکہ یہی باتیں تمہاری ہلاکت کا موجب ہیں۔

اے محمد ﷺ آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک و غارت نہیں کرتا جب تک کہ ان کے صدر مقام میں کوئی خبردار کرنے والا پیغمبر نہ بھیج دے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے۔ ہم

ان بستیوں کو پھر بھی ہلاک نہیں کرتے یہاں تک کے وہاں کا باشندے کھلم کھلا ظلم وستم کرنے لگیں اور علانیہ طور پر حق سے انکار کرنے لگیں۔ مظہری ۱۷۷/۷، ۱۷۸، عثمانی ۲/۲۷۶)

دنیا کے منافع

۶۰، ۶۱۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝

اور تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ صرف دنیا کی زندگی کا سامان اور آرائش ہے اور جو (نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ ان سے بہتر اور باقی رہنے والی ہیں۔ کیا تمہیں (اتنی بھی) عقل نہیں۔ کیا وہ شخص جس سے ہم نے (جنت کا) وعدہ کیا ہے پھر وہ اسے (یقیناً) پانے والا بھی ہے، اس کی مانند ہوسکتا ہے جس کو ہم نے دنیا کی زندگی کا (تھوڑا سا) فائدہ دے رکھا ہے، پھر قیامت کے دن وہ پکڑا ہوا آئے۔

تشریح: اے مشرکین مکہ جو کچھ مال واسباب تمہیں دیا گیا ہے اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ وہ دنیا کی چندروزہ زندگی کا تھوڑا سا سامان اور زینت ہے۔ تم اس مال ومتاع کی خاطر جو محض چندروزہ زندگی کا سامان ہے اور فنا ہونے والا ہے، دین اسلام قبول نہیں کرتے۔ ایمان وہدایت قبول کرنے والوں کے لئے جو اجر وثواب اللہ کے ہاں ہے وہ اس دنیاوی سامان اور زینت سے بہت بہتر ہے اور لازوال ہے۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ان دونوں میں سے کون اچھا رہا۔

پھر فرمایا کہ مومن اور کافر دونوں انجام کے اعتبار سے کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک کے لئے دائمی عیش کا وعدہ ہے۔ جو یقیناً پورا ہوکر رہے گا اور دوسرے کے لئے چندروزہ دنیوی عیش کے بعد دائمی عذاب ہے۔

مشرکین کا انجام

۶۲۔ ۶۷، وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ۝

جس دن وہ (اللہ) ان کو پکار کر کہے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے۔ جن پر الزام ثابت ہو چکا ہوگا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکا رکھا تھا۔ ہم نے ان کو اسی طرح بہکایا جس طرح ہم بہکے تھے۔ ہم تیرے سامنے ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اور (مشرکوں سے) کہا جائے گا کہ تم (مدد کے لئے) اپنے شرکا کو بلاؤ سو وہ ان کو پکاریں گے تو وہ ان کو جواب بھی نہ دیں گے اور وہ عذاب کو دیکھیں گے (تو تمنا کریں گے کہ) کاش وہ راہِ راست پر ہوتے۔ اور اس دن (اللہ) ان کو پکار کر پوچھے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا، سو اس روز انہیں کوئی بات نہ سوجھے گی اور وہ ایک دوسرے سے سوال تک نہ کرسکیں گے۔ پھر جس نے (دنیا میں) توبہ کی ہوگی اور وہ ایمان بھی لایا ہوگا اور نیک کام کئے ہوں گے تو امید ہے کہ وہ فلاح پانے والوں میں سے ہوگا۔

اَغْوَيْنَا: ہم نے بے راہ کر دیا۔ ہم نے گمراہ کیا۔ اِغْوَاءٌ سے ماضی۔

تَبَرَّأْنَا: ہم الگ ہوئے۔ ہم بیزار ہوئے۔ تَبرُّءٌ سے ماضی۔

عَمِيَتْ: وہ (دماغ سے) نکل گئی۔ وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ عَمیٰ سے ماضی۔

تشریح: وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب مجرموں کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ پکار کر فرمائے گا کہ تم مجھے چھوڑ کر دنیا میں جن بتوں کو پوجتے تھے وہ کہاں ہیں۔ تم انہیں پکارو اور دیکھو کہ وہ تمہاری کیا کچھ مدد کرتے ہیں یا اپنی ہی کوئی مدد کر سکتے ہیں۔ اس وقت مجرمین کی بجائے گمراہی کے سردار اور کفر کے امام جن پر دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے عذاب کا حکم ثابت ہو چکا ہوگا، عذر کے طور پر کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے دنیا میں راہ حق سے بہکایا تھا۔ جس طرح ہم خود اپنے اختیار سے بہک گئے تھے اور گمراہ ہو گئے تھے اور ہم پر کسی نے جبر نہیں کیا تھا،

اسی طرح یہ لوگ اپنے اختیار سے بہکے تھے ۔ ہم نے ان پر زبردستی نہیں کی تھی اور نہ ہمیں زبردستی کا اختیار تھا ۔ اپنی گمراہی کا الزام ہمارے سر لگانا ٹھیک نہیں ۔ اگر ہم نے ان کو گمراہی کی طرف بلایا تھا تو تیرے پیغمبروں نے بھی تو ان کو ہدایت کی طرف بلایا تھا ۔ یہ چاہتے تو ہدایت کو اختیار کر لیتے لیکن انہوں اپنی مرضی سے گمراہی اختیار کی اور اب الزام ہمیں دیتے ہیں ۔ پس ہم تیرے سامنے ان سے دستبردار ہوتے ہیں ۔ حقیقت میں یہ لوگ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی خواہشوں کی پرستش کرتے تھے ۔

پھر ان کافروں سے کہا جائے گا کہ تم دنیا میں جن کو ہمارا شریک قرار دیتے تھے ان کو بلاؤ کہ وہ آکر تمہیں عذاب سے بچائیں ۔ سو یہ لوگ اپنے شرکا کو پکاریں گے لیکن ان کو کوئی جواب نہیں ملے گا ۔ اب وہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور تمنا کریں گے کاش ہم دنیا میں ہدایت قبول کرنے والوں میں سے ہوتے تو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا ۔

قیامت کے روز مشرکین کو پکار کر ان سے یہ بھی پوچھا جائے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا جب انہوں نے تمہیں حق کی طرف بلایا تھا ۔ سو اس دن ان کے ذہن سے ساری باتیں گم ہو جائیں گی ۔ پھر وہ دہشت کی وجہ سے ایسے بدحواس ہو جائیں گے کہ نہ تو وہ خود کوئی جواب دے سکیں گے اور نہ ایک دوسرے سے پوچھ سکیں گے کہ کیا جواب دیں ۔ البتہ وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں کفر و شرک سے توبہ کی ، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو امید ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے ۔ (مظہری ۱۷۹۔۱۸۰، مظہری ۱۷۹۔۱۸۰/ ۷، مواہب الرحمٰن ۸۱۔۸۳/ ۲۹)

اللہ کا اختیار و علمِ محیط

۶۸۔۷۰، وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

اور (اے رسول ﷺ) آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے ۔ ان میں سے کسی کو (اس میں) کوئی اختیار نہیں ۔ اللہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک کرنے سے ۔ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ ان

کے سینوں میں مخفی ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں، اور اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تمام تعریف اسی کے لئے ہے اور اسی کے لئے حکومت ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تشریح: ساری مخلوق کا خالق اور تمام اختیارات کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے پسند کرتا اور برگزیدہ بناتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ تمام امور اور خیر وشر اسی کے اختیار میں ہیں۔ مخلوق میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک اور بلند وبرتر ہے ہر اس چیز سے جس کو مشرکین اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ تیرے رب کے علم کی شان یہ ہے کہ ان کے سینوں میں جو باطل عقائد اور رسول اللہ ﷺ کی عداوت پوشیدہ ہے وہ ان کو خوب جانتا ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ طعن و تشنیع علانیہ طور پر کرتے ہیں، وہ اس کو بھی خوب جانتا ہے۔ وہی اللہ واحد ویکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی طرف مخلوق اپنی حاجتیں لے جائے اور جس سے مخلوق عاجزی کرے۔ وہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ دنیا اور آخرت میں حمد وثنا اسی کے لئے ہے کیونکہ وہی منعم حقیقی اور محسن حقیقی ہے اور وہی حاکم حقیقی ہے۔ قیامت کے روز تم سب اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (ابن کثیر ۳/۳۹۸،۳۹۷، روح المعانی ۱۰۳۔۲۰/۱۰۶)

اللہ کی نعمتیں

۷۱۔۷۳۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر قیامت تک ہمیشہ کے لئے رات کو

دراز کردے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں روشنی میں لائے ۔ کیا تم سنتے بھی نہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر قیامت تک ہمیشہ کے لئے دن کو دراز کردے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں رات لادے جس میں تم آرام پاؤ ۔ کیا تم (اس نعمت کو) دیکھتے بھی نہیں ۔ اور اس نے اپنی رحمت ہی سے تمہارے لئے رات اور دن بنائے تا کہ تم اس میں آرام پاؤ اور (دن کو) اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم اس کا شکر کرو ۔

سَرْمَدًا: ہمیشہ ۔ دائم

النَّھَارَ: دن ۔ سورج طلوع ہونے سے غروب ہونے تک کا وقت ۔ اسم جنس ہے ۔

تشریح: اے محمد ﷺ آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات کو روز قیامت تک دارز کردے کہ قیامت تک رات ہی رات رہے اور سورج بالکل نہ نکلے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کونسا معبود ہے جو رات کو ختم کر کے دن کو لے آئے تا کہ روشنی ہو جائے اور تم طلب معاش کر سکو ۔ کیا تم اس روشن دلیل کو ہوش کے کانوں سے نہیں سنتے ۔

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر دن کو روز قیامت تک دراز کردے کہ قیامت تک دن ہی دن رہے اور سورج کبھی غروب نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو دن کو ختم کر کے رات کو لے آئے تا کہ تم اس میں آرام و سکون حاصل کرو ۔ کیا تم چشم بصیرت سے نہیں دیکھتے ۔

پس اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن بنائے تا کہ تم رات میں آرام و سکون حاصل کرو اور دن میں روزی تلاش کرو اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو ۔ ذرا غور تو کرو کہ یہ رات اور دن اللہ کی کتنی بڑی نعمتیں ہیں اور کیسی زبردست قدرت کی نشانیاں ہیں ۔ انسان کو کام کی بھی ضرورت ہے اور کام کے بعد آرام کی بھی ضرورت ہے ۔ یہ دونوں ضرورتیں دن اور رات سے پوری ہوتی ہیں ۔ تمہارے فرضی خداؤں میں یہ قدرت نہیں کہ وہ دن اور رات میں ذرہ برابر بھی تغیر و تبدل کر سکیں ۔ (مظہری ۱۸۲،۱۸۱/ ۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/ ۳۳۵)

مشرکین کو تنبیہ

۷۵،۷۴۔ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۷۵﴾

اور جس دن وہ ان سے پکار کر پوچھے گا کہ جن کو تم میرا شریک خیال کرتے تھے، وہ کہاں ہیں۔ اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ الگ کرلیں گے پھر ہم کہیں گے تم اپنی دلیل لاؤ تب ان کو معلوم ہوجائے گا کہ حق (بات) اللہ ہی کے لئے ہے اور جو کچھ وہ گھڑا کرتے تھے وہ سب ان سے جاتا رہے گا۔

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ بت پرستوں کو وہ دن یاد دلایئے جب اللہ تعالیٰ ان کافروں کو ندا دے گا اور فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کو تم اپنے سفارشی اور عذاب خدا سے بچانے والے خیال کرتے تھے۔ ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو نکال کر لائیں گے جو ان منکرین کے قول وفعل پر گواہی دیں گے اور ہم ان کافروں سے کہیں گے کہ تم اپنی کوئی دلیل پیش کرو۔ تم نے کس دلیل سے میرے لئے شرکا ٹھہرائے اور کس بنا پر تم نے میرے پیغمبروں کی تکذیب کی۔

پس اس وقت وہ جان لیں گے کہ سچی بات اللہ تعالیٰ ہی کی تھی اور دنیا میں جو وہ جھوٹی باتیں بناتے تھے اور اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے تھے اس دن وہ سب کچھ غائب ہوجائے گا۔ یعنی قیامت کے روز حق ظاہر ہوجائے گا اور باطل گم ہوجائے گا اور سب جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

قارون کا واقعہ

۷۶، ۷۷۔ إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۷۷﴾

بیشک قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا، پھر وہ ان پر سرکشی کرنے لگا اور ہم نے

اس کو اس قدر خزانے دئے تھے کہ اس کی کنجیاں کئی طاقتور آدمی مشکل سے اٹھاتے تھے۔ جب اس کی قوم نے اس سے کہا کہ تو (اس مال پر) اترا مت۔ اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے تو اس سے آخرت کا گھر حاصل کر اور دنیا سے اپنی حصہ فراموش نہ کر اور احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ بن۔ یقیناً اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔

مَفَاتِحَه: اس کی کنجیاں۔ اس کے خزانے۔ واحد مِفْتَاحٌ۔

تَنُوْأُ: وہ بھاری پڑتی ہے۔ وہ تھکا دیتی ہے۔ نَوْءٌ سے مضارع۔

الْعُصْبَة: جماعت (دس سے چالیس تک) گروہ۔ جمع عُصَبٌ۔

تَفْرَحْ: تو فرحت پائے۔ تو اترائے۔ تو خوش ہو جائے، یہاں اترانا مراد ہے۔

تَبْغِ: تو چاہے۔ تو تلاش کرے۔ تو خواہش کرے۔ بَغْیٌ سے مضارع۔

تشریح: بلاشبہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا، اکثر مفسرین کے نزدیک قارون حضرت موسیٰ کا چچازاد بھائی تھا یہ بہت خوش آواز تھا اور توریت نہایت خوش الحانی سے پڑھتا تھا لیکن سامری کی طرح یہ بھی منافق ہو گیا تھا۔

پھر وہ کثرت مال کی وجہ سے بنی اسرائیل پر غرور و تکبر کرنے لگا۔ جو مال و دولت ہم نے اس کو عطا کیا تھا اس کا حال یہ تھا کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت کو اٹھانا بھاری پڑتی تھیں۔ قوم کے نیک و صالح لوگوں نے جب اس کا غرور و تکبر حد سے بڑھتے دیکھا تو اس کو نصیحت کی کہ اتنا نہ اترا اور اس قدر غرور نہ کر ورنہ اللہ کی محبت سے دور ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جو مال اور نعمتیں تجھے دے رکھی ہیں۔ اس میں سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں بھی خرچ کر، اچھا کھا، اچھا پی، اچھا پہن، اچھا اوڑھ، حلال چیزیں استعمال کر، اس کے ساتھ ہی مسکینوں کا بھی خیال رکھ۔ جہاں تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے، تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے بال بچوں کا بھی تجھ پر حق ہے، مسکین غریب کا بھی تیرے مال میں حصہ ہے۔ ہر حقدار کا حق ادا کر، جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اوروں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کر۔ اپنے مفسدانہ رویہ کو تبدیل کر کے مخلوق خدا کی ایذا رسانی سے باز آجا۔ بیشک اللہ تعالیٰ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔ (ابن کثیر ۳۹۸، ۳/۳۹۹)

اہلِ مال وقوت کا انجام

۷۸۔ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

وہ (قارون) کہنے لگا کہ مجھے تو یہ (مال) ایک ہنر سے ملا ہے جو میرے پاس ہے۔کیا اسے معلوم نہیں کہ اس سے پہلے اللہ کتنی ہی جماعتوں کو ہلاک کر چکا ہے۔جو قوت میں بھی اس سے بڑھ کر تھیں اور جمع پونجی میں بھی۔اور مجرموں سے ان کے گناہ نہیں پوچھے جاتے۔

تشریح: قارون نیک وصالح لوگوں کی گفتگوسن کر کہنے لگا کہ مجھے جو کچھ مال و دولت ملا ہے وہ میری فہم وفراست اور علمی قابلیت کا نتیجہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ کوئی احسان نہیں کیا، نہ اس کی کوئی مہربانی ہے جس کا شکرادا کرنا مجھ پر لازم ہو۔جو کچھ مجھے دیا گیا ہے اس کا مجھے استحقاق تھا۔

قارون کے جواب کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کیا اس نادان کو معلوم نہیں کہ میں اس سے پہلے بہت سی سابقہ امتوں کو غارت کر چکا ہوں، جو قوت وطاقت اور مال جمع کرنے میں اس سے کہیں زیادہ تھیں۔ان کی قوت اور مال ودولت ان کو ہلاکت سے نہ بچا سکیں۔جو لوگ میرا شکرادا نہیں کرتے اور اپنے کفر پر جمے رہتے ہیں، ان کو انجام بد ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ تحقیق کی غرض سے مجرموں سے ان کے قصوروں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے ان کے جرائم معلوم ہوں گے۔اس کو پوچھنے اور دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔

دنیاداروں کا رشک

۷۹۔۸۰۔ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝

پھر (ایک دن) وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی پوری آن بان سے نکلا تو حیاتِ دنیا

کے طالب کہنے لگے کاش ہمارے لئے بھی ویسا ہی ہوتا جیسا قارون کو دیا گیا ہے۔ بیشک وہ بڑے نصیب والا ہے۔ اور جن کو علم (دین) دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس! (جان لو کہ) جو ایمان لایا اور اس نے نیک اعمال کئے تو اس کے لئے اللہ کے ہاں کہیں بہتر اجر ہے اور یہ (انعام) صبر والوں ہی کو ملتا ہے۔

یٰلَیْتَ: اے کاش ۔ حرف تمنا ہے۔

حَظٍّ: حصہ ۔ نصیب ۔ جمع حُظُوْظٌ ۔

تشریح: ایک دن قارون نہایت قیمتی پوشاک پہن کر، بن سنور کر اور نہایت زرق برق ہو کر اپنی قوم کے پاس آیا تا کہ لوگوں کے سامنے اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کرے۔ اس کی قوم میں سے جو لوگ صرف دنیوی زندگی کا طلب گار تھے وہ اس کی شان و شوکت کو دیکھ کر کہنے لگے کاش ہمیں بھی ایسی دولت و راحت ملتی جو قارون کو دی گئی ہے۔ یقیناً قارون بڑا خوش نصیب ہے۔ جن لوگوں کو دین کا علم عطا کیا گیا تھا اور صبر و قناعت اور توکل کی حقیقت کو جانتے تھے انہوں نے ان جاہل اور دنیوی شان و شوکت کی تمنا کرنے والوں سے کہا کہ افسوس تم پر، تم اس فانی دنیا کی فانی زیب و زینت پر للچائے ہوئے ہو۔ اللہ کے یہاں جو اجر و ثواب ہے وہ اس دنیوی شان و شوکت سے کہیں بہتر اور باقی رہنے والا ہے، یہ اجر و ثواب ان کو ملے گا جو ایمان کی حالت میں اعمال صالحہ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حرص و طمع سے روکتے ہیں۔ (روح المعانی ۱۲۱۔۱۲۲/۲۰)

قارون کا عبرتناک انجام

۸۱۔۸۲، فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

پھر ہم نے قارون اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، سو اس کے حامیوں کا کوئی گروہ نہ تھا جو اللہ (کے عذاب) کے مقابلے میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ

خود بچ سکا۔ اور وہ لوگ جو کل اس کے مرتبے (کے حصول) کی تمنا کرتے
تھے کہنے لگے۔ افسوس ہے (ہم بھول گئے تھے) اللہ ہی اپنے بندوں میں
سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا
ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو وہ ہمیں بھی زمین
میں دھنسا دیتا افسوس کافر فلاح نہیں پاتے۔

خَسَفْنَا: ہم نے دھنسایا۔ خَسْفٌ سے ماضی۔

فِئَةٍ: گروہ۔ چھوٹی جماعت۔

يَبْسُطُ: وہ کشادہ کرتا ہے۔ وہ پھیلاتا ہے۔ بَسْطٌ سے مضارع۔

تشریح: جب قارون اپنی شان و شوکت اور زینت پر اترایا اور سرکشی میں حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ اس کی ساری شان و شوکت اور سرکشی و اتراہٹ ایک دم خاک میں مل گئی۔ پس جب قارون اس ذلت و خواری کے ساتھ زمین میں دھنسا تو اللہ کے سوا کوئی جماعت ایسی نہ تھی جو اس کی مدد کرتی اور اس کو عذاب الٰہی سے بچاتی اور نہ وہ خود اپنے آپ کو بچا سکا۔

کل جو لوگ قارون جیسے مال دار ہونے کی تمنا کر رہے تھے آج قارون کا انجام دیکھتے ہی ان کی آنکھیں کھل گئیں اور آپس میں کہنے لگے کہ ہائے افسوس ہم نے جو سمجھا تھا وہ غلط تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ کرتا تو قارون کی طرح ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے قارون جیسی شان و شوکت اور مرتبہ حاصل کرنے کی ہماری تمنا پوری نہیں کی اور ہمیں قارون جیسا نہیں بنایا۔ اس طرح اس نے ہمیں مال و دولت کے فتنے سے بچا لیا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۴۲۔۳۴۴/ ۵، روح المعانی ۱۲۲۔۱۲۵/ ۲۰)

آخرت کی نعمتوں کے مستحق

۸۳، ۸۴۔ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

آخرت کا یہ گھر ہم انہی لوگوں کو دیں گے جو دنیا میں نہ اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد اور انجام تو پرہیزگاروں ہی کا (اچھا) ہے۔ جو شخص نیکی لے کر آئے گا اسے اس سے بہتر بدلہ ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا تو برائی کرنے والوں کو اسی قدر سزا دی جائے گی جس قدر (برائی) وہ کرتے تھے۔

تشریح: آخرت کا گھر مخلوق کی نظر سے پوشیدہ ہے۔ اس گھر کی نعمتوں کو کوئی نہیں جانتا بلکہ اس کی نعمتوں کا کسی کے دل میں خیال تک نہیں گزرا۔ یہ گھر اور اس کی نعمتیں صرف ان لوگوں کو ملیں گی جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوگا اور وہ دنیا کی زندگی میں تواضع، عاجزی اور انکساری کے ساتھ رہیں گے۔ نہ کسی پر اپنی بڑائی جتائیں، نہ ادھر ادھر فساد پھیلائیں۔ نہ کسی کی برائی کریں اور نہ کسی کا مال ناحق لیں اور عاقبت تو پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔ قیامت کے دن جو شخص ہمارے پاس نیکی لے کر آئے گا، اسکو بہت سی نیکیوں کا ثواب ملے گا یعنی دس گنا سے سات سو گنا تک اور اس سے بھی زیادہ جتنا اللہ چاہے۔ اور جو کوئی برائی لے کر آئے گا اس کو صرف برائی کے مطابق سزا ملے گی۔ (ابن کثیر ۳/۴۰۲)

تبلیغِ دین کی تاکید

۸۸،۸۵۔ اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَنۡ جَآءَ بِالۡهُدٰی وَ مَنۡ هُوَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۸۵﴾ وَ مَا کُنۡتَ تَرۡجُوۡۤا اَنۡ یُّلۡقٰۤی اِلَیۡکَ الۡکِتٰبُ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ ظَهِیۡرًا لِّلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۫۸۶﴾ وَ لَا یَصُدُّنَّکَ عَنۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعۡدَ اِذۡ اُنۡزِلَتۡ اِلَیۡکَ وَ ادۡعُ اِلٰی رَبِّکَ وَ لَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿ۚ۸۷﴾ وَ لَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ کُلُّ شَیۡءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ ؕ لَهُ الۡحُکۡمُ وَ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۸﴾

(اے نبی ﷺ) بیشک جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹا لے جائے گا پہلی جگہ۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون دین حق لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ اور آپ کو اس کا خیال بھی نہ تھا کہ آپ پر کتاب اتاری جائے گی مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے (اس کا نزول ہوا) سو آپ کافروں کی ذرا بھی طرف داری نہ کریں اور ایسا نہ

ہو کہ اللہ کی آیتیں نازل ہونے کے بعد لوگ آپ کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ)
سے روک دیں اور آپ لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہئے اور ان
مشرکوں میں ہرگز شامل نہ ہونا۔ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ پکارنا۔ اس
کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اسی
کے لئے حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔

رَآدُّکَ: تجھ کو ہٹانے والا۔ تجھ کو پھیرنے والا۔

مَعَادِ: لوٹ کر آنے کی جگہ۔ عالم آخرت۔ عَوْدٌ سے اسم ظرف۔

ظَهِيْرًا: پشت پناہی کرنے والا۔ مددگار۔ ظَهْرٌ سے فاعل کے معنی میں صفت مشبہ۔

يَصُدُّنَّکَ: وہ آپ کو روکیں گے۔ وہ آپ کو باز رکھیں گے۔ صَدٌّ سے مضارع۔

تشریح: تحقیق جس ذات نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا وہ آپ کو پھر پہلی جگہ یعنی ہجرت کے بعد مکہ واپس لے آئے گی، اس وقت دین حق بلند ہوگا اور مکہ دارالاسلام ہو جائے گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار اس بندے کو خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا ہے اور اس کو بھی وہ خوب جانتا ہے جو کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

آپ کو جو کتاب دی گئی ہے وہ آپ پر اللہ کا خاص فضل اور خاص رحمت ہے۔ آپ کو تو کوئی امید بھی نہ تھی کہ آپ کو قرآن دیا جائے گا اور آپ کے پاس وحی آئے گی مگر محض آپ کے رب کی رحمت اور عنایت سے آپ پر یہ کتاب نازل کی گئی تاکہ لوگوں کو آخرت کا راستہ معلوم ہو سو آپ کافروں کے مددگار نہ بنئے جو لوگوں کو اللہ کے راستے سے ہٹانے پر کمربستہ ہیں۔

کافروں کی مخالفت سے آپ ان احکام کی تبلیغ میں سست نہ پڑیئے جو آپ پر نازل ہو چکے ہیں۔ آپ اسی طرح تندہی سے تبلیغ دین میں لگے رہئے جس طرح آپ اب تک لگے رہے۔ کافروں کی مدد و پشت پناہی کر کے آپ ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہو جایئے اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکاریئے کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اسی کا حکم مخلوق میں جاری ہے۔ آخرت میں تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جہاں وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔ (مظہری ۱۹۱، ۱۹۲/ ۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۳۵۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ العنکبوت

وجہ تسمیہ: اس کو سورۃ العنکبوت اس لئے کہتے ہیں کہ ابطالِ شرک کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں عنکبوت (مکڑی) کی مثال ذکر فرمائی ہے۔

تعارف: اس میں سات رکوع، ۶۹ آیتیں، ۹۸۱ کلمات اور ۴۵۹۵ حروف ہیں۔

ابن عباس، عبداللہ بن الزبیر، حسن، عکرمہ، عطا اور جابر بن زید کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے، یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہ آخری سورت ہے جو مکہ میں نازل ہوئی۔ شعبی کا قول یہ ہے کہ اس کی ابتدائی دس آیتیں مدنی ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۲۰/۱۰۱، روح المعانی ۲۰/۱۳۲، مظہری ۷/۱۹۴)

گزشتہ سورت میں فرعون کے فتنہ وفساد کا ذکر تھا۔ اس سورت میں قریش کی طرف سے فتنہ اور ابتلا کا ذکر ہے، جس کا مقصد اہل ایمان کو تسلی دینا ہے۔ اس سورت کا تمام مضمون امتحان وابتلا کے بیان میں ہے۔

دارقطنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ چاند گہن اور سورج گہن کے وقت آنحضرت ﷺ دو رکعت اس طرح پڑھتے کہ ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے ہوتے۔ پہلی رکعت میں سورۂ عنکبوت یا سورۂ روم پڑھتے اور دوسری رکعت میں سورۂ یٰسٓ پڑھتے۔ (مواہب الرحمٰن ۲۰/۱۰۱ معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۵/۳۵۰)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: ایمان کی کسوٹی اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید رکھنے والوں کا ذکر ہے۔ پھر

والدین سے حسن سلوک اور ضعیف الایمان لوگوں کا حال بیان کیا گیا۔ آخر میں مسلمانوں کو کافروں کی ایک احمقانہ پیش کش مذکور ہے۔

رکوع ۲: شروع میں قومِ نوح کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے۔

رکوع ۳: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کا جواب اور حضرت لوط کی قوم کا حال بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۴: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا عذاب سے ہلاک ہونا، پھر قومِ شعیب، عاد وثمود اور قارون وفرعون کا حال مذکور ہے۔ آخر میں شرک کا ابطال ہے۔

رکوع ۵: آنحضرت ﷺ کو تلاوت قرآن اور اہل کتاب سے مباحثے میں نرمی کا حکم ہے۔ پھر قرآن کی صداقت کی دلیل بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۶: کافروں کا عذاب الٰہی کے لئے جلدی کرنا اور مومنوں کے لئے آخرت کی نعمتیں مذکور ہیں۔

رکوع ۷: پہلے کفار کی ناشکری کا بیان ہے پھر اہل مکہ پر اللہ کا انعام مذکور ہے

حروف مقطعات

۱۔ الٓمّٓ ۚ یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ایمان کی کسوٹی

۲۔۴. اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ (محض) آمنّا (ہم ایمان لائے) کہہ کر چھوٹ جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔ اور بیشک ہم ان سے پہلے والوں کو بھی آزما چکے ہیں، سو اللہ ضرور معلوم کرے گا کہ کون سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو بھی ضرور جان لے گا۔ کیا لوگوں نے جو برے کام کرتے ہیں، یہ سمجھ

رکھا ہے کہ وہ نکل بھاگیں گے۔ یہ لوگ نہایت بیہودہ بات طے کرتے ہیں۔

حَسِبَ: اس نے گمان کیا، اس نے خیال کیا، حِسْبَانٌ سے ماضی۔

يُفْتَنُوْنَ: ان کو فتنے میں ڈالا جائے گا، وہ مصیبت میں مبتلا کئے جائیں گے۔ فَتْنٌ سے مضارع مجہول۔

يَسْبِقُوْنَا: وہ ہم پر سبقت کرتے ہیں۔ وہ ہم سے آگے بڑھتے ہیں۔

سَاءَ: وہ برا ہے۔ سَوْءٌ سے ماضی۔ فعل ذم ہے۔

يَحْكُمُوْنَ: وہ فیصلہ کرتے ہیں۔ وہ تجویز کرتے ہیں، حُكْمٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے شعبی کا بیان نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مکے میں رہ گئے تھے۔ جب ہجرت کی آیت نازل ہوئی تو مدینے سے صحابہ نے مکہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کو لکھا کہ جب تک تم ہجرت نہ کرو گے تمہارا اقرارِ اسلام قبول نہ ہوگا۔ پس مکے سے مسلمان مدینے کے ارادے سے نکل پڑے۔ کافروں نے ان کا تعاقب کیا اور ان کو لوٹا کر (زبردستی) مکے لے گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۳۴/ ۲۰، مظہری ۱۹۴۔ ۱۹۵/ ۷)۔

تشریح: لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ مصیبتوں اور آفتوں کے ذریعے ان کی آزمائش نہ ہوگی بلکہ محض زبان سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ وہ ایمان لے آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر مومن کو امتحان اور ابتلا کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ یہی ایمان پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ اسی سے ایمان کی حقیقت کھلتی اور دلوں کا نفاق اور اخلاص ظاہر ہوتا ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ سخت امتحان انبیا کا ہوتا ہے، پھر نیک و صالح لوگوں کا، پھر ان سے کم درجے والے، پھر ان سے کم درجے والے۔

پس ہر آدمی کا امتحان اس کی دینی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔ جو شخص جس قدر دین میں مضبوط اور سخت ہوگا اس کے ساتھ امتحان میں اسی قدر سختی کی جائے گی۔

پھر فرمایا کہ ہم نے اس سے پہلے انبیا کے متبعین کو بھی بڑے بڑے امتحانوں میں ڈالا تھا، تاکہ جو لوگ اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہیں، ان میں اور جو صرف زبانی دعوے کرتے ہیں ان میں تمیز ہو جائے۔ اگر لوگوں کو آزمائش اور امتحان میں نہ ڈالا جائے تو جھوٹے اور سچے سب برابر ہو

جائیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝۔

(سورۂ بقرہ آیت ۲۱۴)

کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تم یونہی جنت میں چلے جاؤ گے اور تم پر اگلے لوگوں جیسے امتحان نہیں آئیں گے۔ ان پر ایسی سختیاں اور مصیبتیں پڑی تھیں کہ وہ ہلا دئے گئے تھے یہاں تک کہ خود رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے پکار اٹھے کہ خدا کی مدد کب آئے گی۔ آگاہ ہو جاؤ! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی مدد بہت ہی قریب ہے۔

بخاری، ابوداؤد اور نسائی میں خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے کافروں کے ظلم وستم کی شکایت کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے مدد طلب کیجئے اور دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم سے پہلے ایک (زندہ) آدمی کو زمین کھود کر گاڑ دیا جاتا تھا۔ پھر اس کے سر پر آرا چلا کر بیچ سے دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔ بعضوں کے بدن میں لوہے کی کنگھیاں پھرا کر چمڑا اور گوشت ادھیڑ دیا جاتا تھا۔ مگر یہ سختیاں ان کو دین سے نہ ہٹا سکیں۔۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ برائی یعنی کفر و معاصی کرنے والے ہیں وہ بھی یہ گمان نہ کریں کہ وہ ہماری گرفت سے نکل جائیں گے اور ہمارے قابو میں نہیں آئیں گے بڑے بڑے عذاب اور سخت سزائیں ان کی تاک میں ہیں، یہ ہمارے ہاتھ سے نہیں نکل سکتے۔ ان کے یہ گمان بہت برے ہیں کہ وہ ہمارے عذاب سے بچ جائیں گے اور ہم ان سے انتقام نہ لے سکیں گے۔ وہ اپنے گمان کا برا نتیجہ عنقریب دیکھ لیں گے، (ابن کثیر ۳/۴۰۴، روح المعانی ۲۰/۱۳۵ عثمانی ۲۸۶، ۲/۲۸۷)

قیامت کا یقین رکھنے کا صلہ

۵۔۷، مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ

الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

جس کو اللہ سے ملنے کی توقع ہو تو اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے اور وہی سب کچھ سنتا (اور) سب کچھ جانتا ہے۔ اور جو شخص کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے ہی لئے کوشش کرتا ہے، بیشک اللہ تو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے تو ہم ان سے ان کی برائیاں ضرور مٹا ڈالیں گے اور ہم ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دیں گے۔

تشریح: جس شخص کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ملنے کا اشتیاق اور امید ہو یا اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کا خوف ہو تو اس کو دشمنوں کی ایذا رسانی سے رنجیدہ اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اسے یقین رکھنا چاہے کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت ٹلتا نہیں، وہ ضرور آ کر رہے گا اور اس کی توقعات اور امیدیں پوری ہو کر رہیں گی اور اللہ کی راہ میں تکلیفیں اور سختیاں اٹھانے کا صلہ اس کو ضرور ملے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کی باتیں سنتا اور جانتا ہے وہ کسی کی محنت رائیگاں نہیں کرتا۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے کام میں محنت و مشقت اٹھاتا ہے تو اس کا پھل، دنیا و آخرت میں، اس کو ملے گا۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے وہ مخلوق میں سے کسی کی اطاعت کا محتاج نہیں اور نہ ان کی نیکیاں اس کے کچھ کام آتی ہیں پھر بھی اس کی یہ مہربانی ہے کہ وہ ان کو نیکیوں پر بدلہ دیتا ہے اور برائیوں پر معاف فرما دیتا ہے۔ وہ بندے کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی قدر کرتا ہے اور اس پر بڑے سے بڑا اجر دیتا ہے۔ ایک ایک نیکی کا سات سات سو گنا تک بدلہ دیتا ہے اور بدی کو یا تو بالکل معاف فرما دیتا ہے یا اسی کے برابر سزا دیتا ہے۔

والدین سے حسن سلوک

۸۔۹۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝

اورہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی نصیحت کی
ہے اور اگر وہ کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک کرلے جس کا تجھے
علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ تم سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہے پھر میں تم کو
بتادوں گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے
نیک عمل بھی کئے تو ان کو ہم ضرور نیک لوگوں میں داخل کریں گے۔

شانِ نزول: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ماں اپنی اولاد میں سے ان کو سب سے زیادہ چاہتی تھی۔ جب حضرت سعد اسلام لائے تو ان کی والدہ رحمنہ بنت ابی سفیان بن امیہ بن عبد شمس نے حضرت سعد سے کہا کہ اے سعد مجھے خبر ملی ہے کہ تو صابی ہو گیا ہے خدا کی قسم جب تک تو محمد ﷺ کا انکار نہ کرے گا اس وقت تک میں چھت کے نیچے سایہ میں نہیں بیٹھوں گی اور نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی۔ حضرت سعد نے ماں کی بات ماننے سے انکار کردیا۔ تین دن اس طرح گزر گئے پھر حضرت سعد نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حال عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔
(روح المعانی ۲۰/۱۳۹، مظہری ۷/۱۹۷)

تشریح: ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے، اگرچہ والدین کافر اور مشرک ہی ہوں۔ جب تک کہ وہ کفر و شرک اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں اس وقت تک ان کی بات مانتے رہنا چاہئے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتے رہنا چاہئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًاط اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُ ھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْ ھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا ٥ وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ٥

(الاسراء آیات ۲۳، ۲۴)

اور آپ کا رب فیصلہ کر چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور
ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تیرے سامنے ان (والدین) میں

سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب سے بات کرنا اور ان کے آگے مہربانی سے جھکے رہنا اور ان کے لئے دعا کرتے رہنا کہ اے میرے رب! جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے اس طرح تو بھی ان پر رحم کر۔

اگر وہ تمہیں مجبور کریں کہ تم ان چیزوں کو میرے ساتھ شریک قرار دو جن کی الوہیت کا تمہیں ذرا بھی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا کیونکہ خالق کے مقابلے میں مخلوق کی اطاعت نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ ایک دن تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، اس وقت میں تمہیں وہ سب کچھ بتادوں گا جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے، جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کئے اور اللہ کے مقابلے میں کسی کی اطاعت نہیں کی اور مرتے دم تک وہ اس پر قائم رہے تو میں ان کو صالحین میں شامل کردوں گا اور ایمان وعمل صالح کی برکت سے ان کے گناہ معاف کردوں گا۔ (ابن کثیر ۳/۴۰۵، مظہری ۷/۱۹۸،۱۹۷)

ضعیف الایمان لوگوں کا حال

۱۰، ۱۱۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو (زبان سے) کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ پھر جب اللہ کی راہ میں ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لوگوں کی ایذا رسانی کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھنے لگتے ہیں اور اگر آپ کے رب کی طرف سے کوئی مدد آجائے تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ تھے۔ کیا اللہ کو دنیا جہاں والوں کے دلوں کا حال معلوم نہیں اور البتہ اللہ تو مومنوں کو جان کر رہے گا اور وہ منافقوں کو بھی جان کر ہی رہے گا۔

اُوْذِيَ: ان کو ایذا دی گئی۔ ان کو تکلیف دی گئی۔ اِیْذَاءٌ سے ماضی مجہول۔

جَعَلَ: اس نے بنایا۔ اس نے کیا جَعْلٌ سے ماضی۔

فِتۡنَۃَ: فتنہ۔ فساد۔ مصدر ہے۔

لَیۡسَ: نہیں ہے۔ فعل ناقص ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں منافقوں کی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ زبان سے تو اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں مگر ان کے دلوں میں ایمان پختہ نہیں ہوا ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب ان کو اللہ کے راستے میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا ایمان لانے کی وجہ سے کافر ان کو ستاتے ہیں تو اس آزمائش پر وہ صبر نہیں کرتے بلکہ اس کو اللہ کا عذاب سمجھنے لگتے ہیں اور بیتاب ہو کر کافروں کی بات مان لیتے ہیں اور اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اے نبی ﷺ! جب آپ کو جہاد میں اللہ کی طرف سے فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے اور مال غنیمت ملتا ہے تو اس وقت یہ لوگ مسلمانوں سے کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ تھے، ہم بھی کلمہ گو ہیں اس لئے ہمیں بھی مال غنیمت میں شریک کرو۔ کیا اللہ تعالیٰ لوگوں کے سینوں میں چھپے ہوئے اخلاص اور نفاق سے واقف نہیں ہے۔ اس قسم کی آزمائش کے ذریعے وہ مومنوں کے اخلاص اور منافقوں کے نفاق کو ظاہر کرتا رہتا ہے تاکہ دنیا والوں کو بھی مومنوں اور منافقوں میں فرق اور امتیاز کا علم ہو جائے۔

کافروں کی احمقانہ پیشکش

۱۲، ۱۳۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔــلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

اور کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ تم ہماری راہ پر چلو اور ہم تمہارے گناہ اٹھا لیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں۔ وہ بالکل جھوٹے ہیں اور البتہ وہ اپنے (گناہوں کا) بار اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے اور قیامت کے روز ان کی افترا پردازیوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔

تشریح: مشرکینِ مکہ مسلمانوں کو راہِ حق سے ہٹانے کے لئے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ کہتے تھے کہ تم ہمارے اور ہمارے باپ دادا کے طریقے پر چلو۔ آخرت کی فکر نہ کرو۔ جنت و دوزخ کچھ نہیں۔ اگر

بالفرض قیامت ہوئی بھی تو ہم تمہارے گناہ اپنے اوپر اٹھالیں گے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ قیامت کے روز یہ کسی کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائیں گے۔ البتہ یہ لوگ اپنے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ اور جن لوگوں کو انہوں نے دنیا میں گمراہ کیا ہوگا ان کو گمراہ کرنے کا گناہ بھی ان پر ہوگا، مگر گمراہ ہونے والے لوگوں کے بوجھ میں کمی نہیں آئے گی وہ بدستور اپنے تمام گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَ هُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (النحل آیت ۲۵)

قیامت کے روز وہ اپنے کامل بوجھ اٹھائیں گے۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کافروں سے ان کی افترا پردازیوں کی باز پرس ضرور کرے گا اور ان کو جرم کے مطابق ضرور سزا دے گا۔

صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے تو قیامت تک جو لوگ اس ہدایت پر چلیں گے ان سب کو جتنا ثواب ملے گا اتنا ہی ثواب اس اکیلے کو ملے گا مگر ان کے ثوابوں میں کمی نہیں ہوگی۔ اسی طرح جس نے برائی پھیلائی، جو بھی اس پر عمل کرے گا ان سب کو جتنا گناہ ملے گا اتنا ہی گناہ اس اکیلے کو ہوگا لیکن ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (مواہب الرحمٰن ۱۱۲، ۱۱۳/ ۲۰)

قومِ نوح علیہ السلام کا انجام

۱۴، ۱۵۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۭ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

اور البتہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ پھر وہ نو سو پچاس برس ان میں رہے پھر ان لوگوں کو طوفان نے آلیا (کیونکہ) وہ ظالم تھے۔ پھر ہم نے اس (نوح) اور کشتی والوں کو نجات دی، اور ہم نے اس واقعے کو تمام جہان والوں کے لئے نشانِ عبرت بنا دیا۔

لَبِثَ: وہ رہا۔ وہ ٹھہرا۔ لَبْثٌ سے ماضی۔

اَلْفَ: ایک ہزار۔ جمع الُوْف۔

عَامًا: سال۔ برس جمع اَعْوَامٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ اور مومنوں کی تسلی کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کو مختصراً بیان کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ۹۵۰ سال تک تبلیغ دین کرتے رہے۔ وہ دن رات ان کو وعظ و نصیحت کے ذریعے توحید کی طرف بلاتے رہے اور کفر و شرک سے منع کرتے رہے، مگر سوائے چند آدمیوں کے جو ایمان لے آئے تھے ان کی قوم کے لوگ اپنی سرکشی اور گمراہی میں بڑھتے ہی گئے۔ وہ حضرت نوح اور ان کے ساتھ جو مومن تھے، ان کو ایسی ایسی تکلیفیں دیتے تھے کہ بیان سے باہر ہیں۔ بالآخر ان ظالموں پر طوفان کی شکل میں اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ تہس نہس ہو گئے۔

پھر ہم نے حضرت نوح کو اور ان کے ساتھ جو مومن کشتی میں سوار تھے ان کو اس عذاب سے بچا لیا اور ہم نے اس واقعے کو دنیا کے لئے نشان عبرت بنا دیا تا کہ دنیا والے حق کی مخالفت کرنے والوں کا انجام دیکھ لیں اور اس سے عبرت پکڑیں اور سرکشی سے باز آ جائیں۔ واقعے کی تفصیل سوۂ ہود اور سوۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔

اے نبی ﷺ! آپ اپنی قوم کی تکذیب کا خیال نہ کریں۔ آپ کو رنجیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہدایت و گمراہی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جن لوگوں کے لئے جہنم طے ہو چکی ہے انہیں کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا۔ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات ملی اور ان کی قوم کو غرق کر دیا گیا اسی طرح آخر میں غلبہ آپ ہی کو ہوگا اور یہ کفار و مشرکین مغلوب ہو کر رہیں گے۔ (حقانی ۵۱۶، ۲/۱۵۷، عثمانی ۲/۲۹۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

۱۶۔۱۸، وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَي الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

اور ابراہیم کو (ہم نے بھیجا) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت

کرو اور اس سے ڈرتے رہو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ یقیناً تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو اور جھوٹی باتیں گھڑتے ہو۔ بیشک تم اللہ کو چھوڑ کر جن کو پوجتے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں سو تم رزق بھی اللہ ہی سے مانگو اور عبادت بھی اسی کی کرو اور اسی کا شکر ادا کرتے رہو۔ اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے اور اگر تم جھٹلاؤ تو تم سے پہلی امتوں نے بھی جھٹلایا ہے اور رسول کے ذمے تو صرف صاف صاف (پیغام) پہنچا دینا ہے۔

اَوْثَاناً : بت۔ اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کی جانیوالی ہر چیز مثلاً پتھر۔ قبر جھنڈا وغیرہ۔ واحد وَثَنٌ۔

اِفْکًا : صریح جھوٹ۔ بہتان۔

اِبْتَغُوْا : تم تلاش کرو۔ اِبْتِغَاءٌ سے امر۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد تک سیکڑوں برس کا فاصلہ ہے اس عرصے میں لوگوں میں بت پرستی بہت بڑھ گئی تھی یہ لوگ صابی مذہب کے تھے۔ عناصر۔ کواکب اور دیگر روحانیات کی مورتیں بنا کر پوجتے تھے اور ان کو اپنے رزق اور دنیا کی راحت کا مالک جانتے تھے۔ یہ لوگ آخرت کے منکر تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس قوم کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ انہوں نے قوم کو وعظ و نصیحت کی کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے قہر و عذاب سے ڈرو اگر تم کچھ علم و فہم رکھتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن بتوں کو پوجتے ہو ان کو تمہاری روزی کا ذرا بھی اختیار نہیں۔ یہ سب جھوٹے خیالات ہیں کہ وہ تمہیں روزی دیتے ہیں۔ جو خود کسی چیز کا مالک نہ ہو وہ دوسرے کو کیا دے گا۔ سو تم اللہ تعالیٰ ہی سے رزق مانگو جو زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک ہے۔ تم اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو۔ جس نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کیں۔ آخر کار تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے جہاں اس کی عبادت اور شکر کا صلہ ملے گا اور کفر و شرک کی سزا ملے گی۔ حضرت ابراہیم نے قوم سے کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تمہیں اس کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔ اگر تم مجھ پر ایمان لاؤ گے اور میری تصدیق کرو گے تو تمہیں دنیا و آخرت کی فلاح حاصل ہوگی اور اگر تم میری تکذیب کرو گے تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ تم سے پہلے بھی بہت سے گروہ اور فرقے سابقہ انبیا کو جھٹلا چکے ہیں۔ حضرت نوح اور شیث اور ادریس علیہم السلام کو بھی ان کے لوگوں نے جھٹلایا تھا۔ رسول کا کام تو صاف صاف حکم پہنچا دینا ہے۔ سو وہ میں نے پہنچا دیا۔ اب تم مانو نہ مانو۔ (حقانی ۳/۵۱۸)

قدرتِ کاملہ کی نشانیاں

۱۹۔۲۳، اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ۝ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تخلیق کس طرح شروع کی۔ پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ بیشک یہ کام اللہ پر آسان ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے کسی طرح ابتدا میں پیدا کیا۔ پھر وہ اس کو دوسری بار (قیامت کے دن) پیدا کرے گا۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے وہ جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور تم اللہ کو نہ تو زمین میں عاجز کر سکتے ہو اور نہ آسمان میں (اڑ کر) اور نہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار اور جو لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں وہی مری رحمت سے ناامید ہوں گے اور انہیں کے لئے عذابِ الیم ہے۔

يُنْشِئُ: وہ اٹھائے گا۔ وہ پیدا کرے گا۔ اِنْشَاءٌ سے مضارع۔

تُقْلَبُوْنَ: تم پھیرے جاؤ گے۔ قَلْبٌ سے مضارع مجہول۔

لِقَآئِهٖ: اس کی ملاقات۔

يَئِسُوْا: وہ مایوس ہو گئے۔ وہ ناامید ہو گئے۔ يَاْسٌ سے ماضی۔

تشریح: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے اور حشر و نشر کے منکر ہیں کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے۔ جو خدا مخلوق کو پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے وہی

اس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے۔

اے ابراہیم! آپ اپنی قوم سے کہہ دیجئے کہ اگر دوبارہ زندہ کرنے میں تمہیں کچھ تردد ہے تو تم زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں قسم قسم کی مخلوق کو کس طرح پہلی بار پیدا کیا ہے۔ تم دن رات مشاہدہ کرتے ہو کہ مختلف قسم کے درخت فنا ہو جاتے ہیں اور پھر دوسری بار پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی سے سمجھ لو کہ مرنے کے بعد وہ تمہیں بھی دوبارہ پیدا کرے گا۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی قدرت کاملہ کے اعتبار سے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار پیدا کرنا سب برابر ہے پھر دوبارہ زندہ کرنے کے بعد وہ جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا مہربانی کرے گا۔ چونکہ وہ مالک و مختار ہے اس لئے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا۔ کوئی اس کے ارادے کو بدل نہیں سکتا۔ کسی کو اس سے پوچھنے کی مجال نہیں۔ وہ سب پر غالب ہے۔ تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ تمہاری عاجزی اور بے بسی کا یہ حال ہے کہ تم خواہ زمین پر ہو یا آسمان میں، تم اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔ تمام مخلوق اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور قیامت کے دن کی پیشی کو نہیں مانتے تو ایسے لوگ ہی اللہ کی رحمت سے محروم ہیں۔ انہیں کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

(معارف القرآن از مولا محمد ادریس کاندھلوی ۳۶۱، ۵/۳۶۲)

قوم کا جواب

۲۴۔۲۵، فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

پھر اس قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ کہنے لگے کہ اسے قتل کر دو یا اسے جلا دو۔ پھر اللہ نے اس (ابراہیم) کو آگ سے بچا لیا۔ بیشک اس میں بھی ایمان لانے والی قوم کے لئے البتہ نشانیاں ہیں۔ اور اس نے

اپنی قوم سے کہا کہ تم نے اللہ کے سوا جو بت بنا رکھے ہیں تم نے انہیں دنیا کی زندگی میں آپس کی دوستی کی بنا پر بنایا ہے۔ پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوستی) کا انکار کرو گے۔ اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور (اس وقت) تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

حَرِّقُوْهُ: اس کو جلاؤ۔ تَحْرِیْقٌ سے امر۔

مَوَدَّةَ: محبت۔ دوستی۔

مَاْوٰىكُمْ: تمہارے رہنے کی جگہ۔ تمہارا ٹھکانا۔ اُوِیٌّ سے اسم ظرف۔

تشریح: حضرت ابراہیم کی قوم کے پاس ان کی نصیحت کا کوئی جواب نہ تھا اس لئے وہ اپنی قوت سے حق کو دبانے لگے اور کہنے لگے کہ ابراہیم کو قتل کر دو یا آگ میں جلا دو اور دیکھو کہ اس کا معبود اس کو جلانے سے ہمیں کیسے روکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک عظیم آگ تیار کی اور منجنیق کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو آگ سے نجات دی اور ان کو آگ کے ضرر سے محفوظ رکھا کہ آگ ان کے حق میں ٹھنڈی سلامتی والی اور باغ و بہار ہوگئی۔ بیشک مومنوں کے لئے اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں میں سے ایک نشانی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا قادر ہے کہ اپنے بندے کو آگ میں سے بھی صحیح سلامت نکال لیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے صحیح سلامت نکلنے کے بعد قوم کو پھر نصیحت فرمائی کہ اے قوم کے لوگو! تم نے آپس کے دنیوی تعلقات کی وجہ سے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ تمہاری یہ باہمی محبت دنیوی زندگی تک ہی محدود ہے۔ پھر قیامت کے روز تمہاری محبت عداوت میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور تم ایک دوسرے کے مخالف ہو جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے اور تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہوگا یعنی بتوں کا بھی اور بت پرستوں کا بھی۔ وہاں تمہارا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا جو تمہیں دوزخ سے رہائی دلا سکے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۶۲، ۳۶۳/ ۵، مظہری ۲۰۴، ۲۰۵/ ۷)

حضرت لوط علیہ السلام کا ایمان

۲۶، ۲۷۔ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ

الْحَكِيمُ ﴿٢٦﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾

پھر لوط اس (ابراہیم) پر ایمان لائے اور (ابراہیم نے) کہا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ بے شک وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور اس کی نسل میں نبوت اور کتاب (کا سلسلہ) قائم رکھا۔ اور ہم نے دنیا میں بھی اس کو اس کا بدلہ دیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے نکلنے کے بعد پھر قوم کو وعظ ونصیحت کی تو ان کی قوم میں سے صرف حضرت لوط علیہ السلام ایمان لائے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اب میں تمہارے ساتھ نہ رہوں گا، بلکہ ہجرت کر کے اپنے رب کی بتائی ہوئی جگہ کی طرف چلا جاؤں گا بیشک میرا رب عزت وحکمت والا ہے۔ وہی ہجرت کے بعد مجھے عزت دے گا اور دشمنوں سے میری حفاظت فرمائے گا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے شام کی طرف چلے گئے آپ کی بیوی سارہ اور حضرت لوط علیہ السلام دونوں آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے اللہ کی راہ میں ترک وطن کیا۔ پھر حضرت ابرہیم نے فلسطین میں اور حضرت لوط نے سدوم میں قیام اختیار کیا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ ہجرت کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر پچھتر سال تھی۔

ابویعلیٰ، ابن مردویہ، ابن عساکر، طبرانی اور حاکم وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمانوں میں سے جس شخص نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ پس آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اس کے ساتھ ہو کہ لوط (علیہ السلام) کے بعد یہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ کی جانب ہجرت کی۔

جب ابراہیم علیہ السلام نے کفر وشرک کی وجہ سے اپنی قوم کو اور عزیز واقارب کو چھوڑ کر ہجرت کرلی تو اس کے صلے میں ہم نے حضرت ابراہیم کو بڑھاپے کی حالت میں جبکہ وہ اولاد سے ناامید ہو چکے

تھے اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا کیا تا کہ اولادِ صالح سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ نیز ہم نے ابراہیم کی نسل میں نبوت اور آسمانی کتاب کا سلسلہ قائم کیا کہ آئندہ جس کو نبوت اور کتاب ملے گی وہ حضرت ابراہیم ہی کی والاد میں سے ہوگا۔ چنانچہ نبوت پہلے بنی اسرائیل میں رہی پھر آخر میں بنی اسماعیل میں رسول خدا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ خاتم الانبیا ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ پر نبوت ختم ہوگئی۔ اس طرح توریت، انجیل، زبور اور قرآن مجید تمام آسانی کتابیں حضرت ابراہیم کی اولاد پر اتریں۔

پھر فرمایا کہ ہم نے ابرہیم کو ان کے اخلاص کا صلہ دنیا میں بھی دیا اور وہ یقیناً آخرت میں بھی نیک لوگوں میں شامل ہوں گے۔ (مظہری ۲۰۵، ۲۰۶/ ۷، مواہب الرحمٰن ۱۲۱، ۱۲۴/ ۲۰)

قوم لوط کا حال

۲۸۔۳۰۔ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۵ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

اور لوط (کا حال بھی بیان کرو) جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ یقیناً تم ایسی بے حیائی (کا کام) کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہ زنی کرتے ہو اور اپنی بھری مجلس میں برا کام کرتے ہو۔ پھر اس کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا اگر تو سچا ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ۔ لوط نے کہا اے میرے رب! اس مفسد قوم کے مقابلے میں میری مدد فرما۔

تَقْطَعُوْنَ: تم کاٹتے ہو۔ تم توڑتے ہو۔ تم روکتے ہو۔

نَادِيْكُمْ: تمہاری مجلس۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام کو اہل سدوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی۔ کفر و شرک، رسولوں

کی تکذیب اور احکامِ خداوندی کی مخالفت تو دوسری امتیں بھی کرتی رہیں، مگر مردوں سے حاجت روائی کسی نے بھی نہیں کی۔ اس کے علاوہ وہ راستے روکتے تھے۔ ڈاکے ڈالتے تھے۔ قتل وفساد کرتے تھے مجلسوں میں علی الاعلان بری باتیں اور لغو حرکتیں کرتے تھے۔ کوئی کسی کو نہیں روکتا تھا۔ ان کی سرکشی کفر و عناد، ضد اور ہٹ دھرمی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ حضرت لوط علیہ السلام کے سمجھانے پر کہنے لگے کہ اگر تم عذاب کی دھمکی اور ہمارے افعال کو برا کہنے میں سچے ہو تو اس عذاب کو لے آؤ۔ چنانچہ حضرت لوط ان کی دلیری اور بے باکی کو دیکھ کر ان کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے اور انہوں نے اللہ کے آگے ہاتھ پھیلا کر عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! اس مفسد قوم کے مقابلے میں مجھے غلبہ دے کر میری مدد فرما اور ان پر اپنا عذاب اور قہر نازل فرما۔ (ابن کثیر ۴۱۱، ۳/۴۱۲)

عذاب کے فرشتوں کی آمد

۳۱۔۳۵، وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓي اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

اور جب ہمارے (بھیجے ہوئے) فرشتے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ یقیناً اس کے رہنے والے بڑے ظالم ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ اس (بستی) میں تو لوط بھی ہیں۔ (فرشتوں نے) کہا ہم خوب جانتے ہیں جو اس میں ہے۔ ہم لوط اور اس کے گھر والوں کو بچالیں گے سوائے اس کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ اور جب ہمارے (بھیجے ہوئے) فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی وجہ سے مغموم ہوئے اور ان کے (آنے) سے تنگ دل ہوئے اور فرشتوں نے کہا کہ آپ اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں۔ یقیناً ہم آپ کو اور آپ کی بیوی کے سوا تمام گھر والوں کو

بچالیں گے کیونکہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی ۔ ہم اس بستی والوں
پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں، اور البتہ اس بستی کا ایک کھلا
نشان ان لوگوں کے لئے چھوڑ رکھا ہے جو عقل رکھتے ہیں ۔

غٰبِرِیْنَ: پیچھے رہنے والے ۔ باقی رہنے والے ۔ غَبْرٌ سے اسم فاعل ۔

سِیْئَ: وہ غمگین ہوا ۔ وہ ناخوش ہوا ۔ وہ بری لگی ۔ وہ ڈر گئے ۔ سُوْءٌ سے ماضی مجہول ۔

ضَاقَ: وہ تنگ دل ہوا ۔ وہ تنگ ہوا ۔ ضَیْقٌ وضِیْقٌ سے ماضی ۔

ذَرْعًا: دل ۔ طاقت ۔ پیمائش ۔ مصدر ہے ۔

رِجْزًا: عذاب، آفت ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی دعا قبول کی اور عذاب کے فرشتوں کو اس مفسد قوم کو ہلاک کرنے کا حکم دے دیا ۔ پہلے یہ فرشتے حضرت اسحاق کی خوشخبری لے کر مہمان کے طور پر انسانی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے ۔ حضرت ابراہیم نے ان کے لئے کھانا تیار کرا کر ان کے سامنے رکھ دیا ۔ جب فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو حضرت ابراہیم دل میں خوفزدہ ہوگئے ۔ اس وقت فرشتوں نے کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں، ہم فرشتے ہیں ۔ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ اس کے رہنے والے اپنے کفر اور بیجا حرکتوں پر جمے ہوئے ہیں ۔ حضرت ابرہیم نے کہا کہ وہاں تو لوط اور دوسرے لوگ بھی ہیں جو ظالم نہیں ہیں ۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ بستی میں کون ظالم ہے اور کون مومن و صالح ہے ۔ ہم حضرت لوط اور ان کے خاندان والوں کو ضرور بچالیں گے، سوائے ان کی بیوی کے جو کفر اور بیجا حرکتوں میں قوم کا ساتھ دیتی رہی ۔ ہم عذاب سے پہلے ہی ان کو بستی سے نکال لیں گے، البتہ ان کی بیوی ان کے ساتھ نہیں آئے گی ۔ وہ پیچھے رہ جائے گی اور بستی والوں کے ساتھ وہ بھی عذاب سے ہلاک ہوگی ۔

پھر یہ فرشتے حسین وجمیل لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط کے پاس پہنچے ۔ حضرت لوط ان کو پہچانے نہیں اس لئے قوم کی طرف سے مہمانوں کے ساتھ متوقع بدسلوکی پر مغموم اور رنجیدہ ہوئے ۔ فرشتوں نے حضرت لوط کی پریشانی دیکھ کر ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ رنجیدہ نہ ہوں ۔ ہم انسان نہیں بلکہ عذاب کے فرشتے ہیں اور ان کو ہلاک کرنے آئے ہیں ۔ ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو

عذاب سے بچالیں گے مگر آپ کی بیوی پیچھے رہ کر ہلاک ہونے والوں میں سے ہوگی۔ یقیناً ہم اہل بستی پر ان کے فسق و فجور اور بد کاریوں کی وجہ سے آسمان سے ایک خاص قسم کا عذاب نازل کرنے والے ہیں۔ آپ راتوں رات اپنے متعلقین کو لے کر بستی سے نکل جائیے صبح کے قریب ان پر عذاب نازل ہوگا۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد بستی الٹ دی گئی اور اوپر سے پتھر برسا کر ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ اور ہم نے قومِ لوط کی بستیوں کے واضح نشانات لوگوں کی عبرت کے لئے چھوڑ دیئے ہیں تاکہ عقلمند لوگ ان میں غور فکر کر کے ان سے عبرت حاصل کریں۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ ہود آیات ۷۷۔۸۳، اور سورۂ حجر کی آیات ۶۱، ۷۷۔ (ابن کثیر ۴۱۲/۳، مواہب الرحمٰن ۱۲۶/۲۰)

قومِ شعیب کا حال

۳۶۔۳۷، وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝

اور مدین کے طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا تو انہوں نے کہا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اور قیامت کے دن کی امید رکھو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ سو انہوں نے اس کو جھٹلایا تو ان کو زلزلے (کے عذاب) نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

تَعْثَوْا: تم پھرو۔ تم فساد مچاؤ۔ تم پھیلاؤ۔ عِثِیٌّ سے مضارع۔

الرَّجْفَةُ: زلزلہ۔ کپکپاہٹ۔

جٰثِمِیْنَ: زانو کے بل گرے ہوئے۔ اوندھے پڑے ہوئے۔ جُثُوْمٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام نے اہل مدین کو وعظ و نصیحت کے ذریعے سمجھایا کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو۔ قیامت کا آنا یقینی ہے اس دن ہر ایک کو اس کے اچھے یا برے اعمال کا بدلہ ضرور ملے گا۔ اس لئے تم اس دن کے لئے کچھ تیاری کر لو کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔ زمین پر فساد برپا نہ کرو۔ ناپ تول میں کمی کر کے لوگوں کا حق نہ مارو۔ رہ زنی نہ کرو ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی اتباع کرو۔

اہل مدین نے حضرت شعیب کی نصیحت پر عمل کرنے کی بجائے ان کی تکذیب کی، فتنہ اور

فساد جاری رکھا اور لوگوں کے حقوق مارتے رہے، اس لئے اللہ کے عذاب نے ان کو آلیا۔ سو ان کو ایک سخت زلزلے اور تند و تیز چیخ سے ہلاک کر دیا وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گر کر مر گئے۔ واقعے کی تفصیل سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں گزر چکی ہے۔

عاد و ثمود و قارون و فرعون کا حال

۳۸۔۴۰، وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۗ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۗ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

اور ہم نے عاد و ثمود کو (بھی غارت کیا) اور البتہ ان کے بعض مکانات تمہارے سامنے ظاہر ہیں اور شیطان نے ان کو ان کے اعمالِ (بد) آراستہ کر کے دکھائے تھے۔ پھر ان کو راہِ (راست) سے روک دیا تھا حالانکہ وہ ہوشیار لوگ تھے۔ اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ہلاک کیا) اور البتہ ان کے پاس موسیٰ کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے۔ پھر بھی انہوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ (ہم سے) بھاگ نہ سکے۔ پھر ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ پر پکڑ لیا سو ان میں سے کسی پر تو ہم نے پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیجی اور ان میں سے کسی کو کڑک (ہولناک آواز) نے آلیا اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا۔ اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن یہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

صَدَّ : اسنے روکا۔ اس نے باز رکھا۔ صَدٌّ سے ماضی۔

مُسْتَبْصِرِیْنَ: سب کچھ دیکھنے والے۔ ہوشیار۔ اِسْتِبْصَارٌ سے اسم فاعل۔

سٰبِقِیْنَ: سبقت لیجانے والے۔ آگے بڑھنے والے۔ سَبَاقٌ سے اسم فاعل۔

حَاصِبًا: پتھروں کی بارش کرنے والی تیز ہوا۔ سخت آندھی۔ حَصْبٌ سے اسم فاعل۔

الصَّیْحَۃُ: چیخ۔ کڑک۔ ہولناک آواز۔

خَسَفْنَا: ہم نے دھنسایا۔ خَسْفٌ سے ماضی۔

تشریح: عاد، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی، یہ لوگ احقاف میں رہتے تھے، جو یمن میں حضر موت کے قریب ہے۔ ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی۔ یہ لوگ وادیٔ القریٰ کے قریب حجر میں بستے تھے۔ اہل عرب ان سے خوب واقف تھے کیونکہ ان کی بستی ان کے راستے میں پڑتی تھی۔ ان دونوں قوموں کو بھی انبیا کی تکذیب اور عناد کے جرم میں ہلاک کیا گیا۔ ان کی تباہی ان کے مکانوں سے ظاہر ہے جو اجاڑ کھنڈر پڑے ہوئے ہیں۔ عرب کے لوگ یمن جاتے ہوئے ان کو راستے میں دیکھتے ہیں۔ شیطان نے ان کے کفر وتکذیب کو ان کی نظر میں مزین کر کے ان کو راہ حق سے روک دیا تھا حالانکہ یہ لوگ دنیوی کاموں میں بڑے ہوشیار تھے لیکن شیطان کے فریب کو نہ سمجھ سکے۔

اسی طرح قارون ایک دولت مند شخص تھا جس کے خزانوں کی کنجیاں لوگوں کی ایک بڑی جماعت اٹھاتی تھی اور فرعون مصر کا بادشاہ تھا اور ہامان اس کا وزیر اعظم تھا۔ حضرت موسیٰ اسی کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ وہ ایسی واضح اور روشن نشانیاں لے کر آئے تھے جن میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں تھی۔ پھر بھی انہوں نے تکبر کیا لیکن وہ ہماری گرفت سے نہ نکل سکے۔

پھر ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کے وبال میں پکڑ لیا اور کوئی ہماری گرفت سے نہ نکل سکا۔ ان کافروں میں سے بعض پر تو ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا جیسے قوم لوط، بعض کو ایک سخت چیخ نے آ پکڑا جیسے قوم ثمود اور اہلِ مدین اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا جیسے قارون اور ان میں سے کچھ وہ تھے جن کو ہم نے غرق کر دیا جیسے قوم نوح، فرعون اور اس کی قوم۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ کفر ومعصیت کر کے وہ خود ہی اپنے آپ کو عذاب کا مستحق بنا رہے تھے۔

شرک کا ابطال

۴۱۔۴۴، مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ

مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا یَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝

جن لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو دوست بنا رکھا ہے ان کی مثال مکڑی کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور بلاشبہ سب گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے۔ بیشک اللہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے بیان کرتے ہیں اور ان کو صرف علم والے ہی جانتے ہیں۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے۔ بیشک اس میں مومنوں کے لئے ایک بڑی نشانی (دلیل) ہے۔

عَنْکَبُوْتِ: مکڑی۔ جمع عِنَاکِبُ۔

اَوْھَنَ: سب سے بودا، سب سے کمزور، وَھْنٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: جو لوگ اللہ کے سوا باطل معبودوں کی پرستش کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مکڑی اپنا گھر بنالیتی ہے اور مکڑی کا گھر تمام گھروں سے زیادہ کمزور ہے۔ مکڑی کا جالا تو پھر بھی کچھ حقیقت رکھتا ہے اور اس سے مکڑی کو کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا ہے۔ بت پرستوں کی حالت تو مکڑی سے بھی گئی گزری ہے کہ بت نہ ان کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی پناہ اور سہارا دے سکتے ہیں کیونکہ ان کے پاس تو مکڑی کے برابر بھی قوت و اختیار نہیں۔ کاش وہ جانتے کہ ان کا مذہب مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور اور بے حقیقت ہے اگر ان کو ذرا بھی سمجھ بوجھ ہوتی تو وہ کبھی بھی شرک و بت پرستی کو اختیار نہ کرتے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے ان چیزوں کی حقیقت جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں اور

اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے۔ وہ ایسی مثالیں لوگوں کو سمجھانے کے لئے بیان کرتا ہے اور صرف اہل علم ہی ان کو سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی نے آسمانوں اور زمین کو مصلحت اور حق کے ساتھ پیدا کیا۔ آسمان و زمین کی تخلیق میں اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی توحید کی ایک بڑی نشانی ہے۔

تلاوتِ قرآن کا حکم

۴۵۔ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۝

(اے رسول ﷺ) جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے آپ اس کی تلاوت کرتے رہئے اور نماز ادا کرتے رہئے بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد سب سے بڑی (چیز) ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

تشریح: اے نبی ﷺ آپ منکرین و متکبرین کے انکار کی پرواہ نہ کیجئے۔ آپ اپنے دعوت و تبلیغ کے کام میں لگے رہئے اور جو کتاب وحی کے ذریعے آپ کو دی گئی ہے آپ اس کی تلاوت کرتے رہئے تاکہ اس سے آپ کا دل قوی اور مضبوط رہے اور تلاوت کا اجر و ثواب بھی ملتا رہے۔ دوسرے لوگ بھی کلام الٰہی کو سن کر اس کے مواعظ اور علوم و برکات سے نفع اٹھاتے رہیں، جو لوگ نہ مانیں ان پر اللہ کی حجت تمام ہو اور دعوت و اصلاح کا فرض بحسن و خوبی انجام پاتا رہے۔

آپ نماز کو قائم کیجئے جو افضل ترین عبادت ہے اور تمام عباداتِ قولیہ و فعلیہ کا لب لباب ہے۔ بلاشبہ اپنی شرائط و آداب کے ساتھ ادا کی جانے والی نماز جیسی عظیم عبادت بے حیائی اور ناپسندیدہ افعال سے روکتی ہے۔ جو شخص نماز سے جتنا قریب ہوتا جائے گا وہ فواحش و منکرات سے اتنا ہی دور ہوتا جائے گا۔

بہت سے لوگ نماز بھی پابندی سے پڑھتے ہیں اور برے کام بھی کرتے ہیں، اس سے بعض لوگوں کو نماز کی اس خاصیت کے بارے میں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ فواحش و منکرات سے روکتی ہے۔ قرآن کریم نے نماز کی جو خاصیت بیان کی ہے وہ بالکل ایسی ہی ہے جیسے ایک طبیب کہتا ہے کہ فلاں دوا کی خاصیت یہ ہے کہ وہ فلاں مرض کو روک دیتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر دوائی

اپنے صحیح اور پورے اجزا پر مشتمل ہو اور پابندی سے ایک خاص مدت تک مناسب پرہیز اور صحیح مقدارِ خوراک کے ساتھ استعمال کی جائے تو وہ فلاں مرض کے روکنے میں مؤثر ہوگی ۔ یہ مطلب ہر گز نہیں ہوتا کہ دوائی کی پہلی ہی خوراک سے مرض رک جائے گا۔

(عثمانی ۲۹۸، ۲/۲۹۹، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۷۴/۵)

بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ ایک انصاری جوان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پانچوں نمازیں پڑھتا تھا لیکن اس کے باوجود کوئی کھلا گناہ ایسا نہ تھا جس کا وہ ارتکاب نہ کرتا ہو۔ اس کی یہ حالت رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا کسی دن اس کی نماز اس کو (ان گناہوں سے) روک دے گی ۔ چنانچہ کچھ ہی مدت کے بعد اس نے توبہ کر لی اور اس کی حالت ٹھیک ہو گئی۔ (مظہری ۲۱۱/ ۷، روح المعانی ۱۶۴/ ۲۰)

مسند اسحاق اور بزار و ابو یعلیٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو نماز (تہجد) پڑھتا ہے، پھر صبح کو چوری کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی نماز اس کو روک دے گی ۔

(مظہری ۲۱۱/ ۷، روح المعانی ۱۶۴/ ۲۰)

اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی یاد جو نماز کا رکن اعظم ہے وہی سب سے بڑھ کر ہے۔ قلب کے زنگ وظلمات اور کدورتوں کو دور کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی دوا نہیں ۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو۔ وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔

ترمذی و ابن ماجہ میں حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی عمل آدمی کو اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا نہیں ۔ (مظہری ۲۱۱/ ۷ روح المعانی ۱۶۵/ ۲۰)

مسلم نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو لوگ بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں (یعنی ان کے بیٹھنے کی غرض یاد الٰہی کے سوا کچھ نہیں ہوتی) تو ان پر فرشتے چھا جاتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانک لیتی ہے اور ان پر سکینہ (دل اور روح کا سکون) نازل ہوتا ہے اور اللہ ان (ملائکہ) میں جو اس کے مقرب ہوتے ہیں ان لوگوں کا ذکر فرماتا ہے۔ (مظہری ۲۱۳/ ۷)

اہل کتاب سے مباحثے میں نرمی کا حکم

۴۶۔ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

اور (اے مسلمانو!) تم اہل کتاب سے بحث و مباحثہ بہت عمدہ طریقے سے کیا کرو مگر ان میں سے جو ظالم ہیں (ان سے پورا مقابلہ کرو) اور کہو کہ ہم اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔

تشریح: اس آیت میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم دعوت تبلیغ میں اہل کتاب سے مجادلہ و مباحثہ نہ کیا کرو۔ اگر کسی وقت ایسا کرنا ضروری ہو جائے تو نرمی اور احسن طریقے سے بات کیا کرو۔ ان کی بداخلاقی کے مقابلے میں نرمی سے کام لو۔ اگر وہ مباحثے کے وقت غصہ کریں تو تم تحمل سے کام لو، وہ شور و غل کریں تو تم ان کی خیر خواہی ظاہر کرو۔ البتہ جن لوگوں نے معاہدے کو توڑ دیا ہو یا جزیہ ادا کرنا قبول نہ کیا ہو تو ان سے بحث و مباحثہ کرنے کی بجائے قتال کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں یا ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں اور کافروں کو بتادو کہ ہم اس کتاب پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئی ہے اور ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تمہاری طرف اتاری گئی تھی۔ جو توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور جو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی وہ دونوں کتابیں حرف بحرف حق تھیں اور ان پر ہمارا ایمان ہے لیکن وہ آسمانی کتابیں اب اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں ہیں۔ ان میں بہت سا تغیر و تبدل واقع ہو چکا ہے اس لئے نہ تو ہم موجودہ توریت و انجیل کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب۔

ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہم صرف اسی ایک خدا کا حکم مانتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں اور تم نے اس ایک خدائے برحق کے ساتھ اوروں کو بھی خدائی کے حقوق دے رکھے ہیں۔ مثلاً حضرت مسیح اور حضرت عزیز علیہما السلام وغیرہ۔ ہم اس کے تمام احکام کو مانتے ہیں، اس کے سب پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں اور سب آسمانی کتابوں کو برحق سمجھتے ہیں جبکہ تم بعض کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔　(عثمانی ۲/۳۰۰، مظہری ۲۱۴، ۷/۲۱۵)

قرآن کی صداقت کی دلیل

۴۷۔۴۹، وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰۤؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف بھی کتاب نازل کی ہے۔ پس جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ان (مشرکین مکہ) میں سے بھی کچھ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار تو کافر ہی کرتے ہیں۔ اور (اے نبی ﷺ) اس سے پہلے نہ تو آپ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے کہ یہ جھوٹے لوگ دھوکہ کھاتے۔ بلکہ یہ (قرآن) تو روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں اور ظالم لوگ ہی ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

تَخُطُّهٗ: تو اس کو لکھتا ہے۔ خَطٌّ سے مضارع۔

اِرْتَابَ: وہ شبہ میں پڑا۔ اس نے دھوکہ کھایا۔ اِرْتِیَابٌ سے ماضی۔

مُبْطِلُوْنَ: اہل باطل۔ جھوٹ کہنے والے۔ اِبْطَالٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اے نبی ﷺ! جس طرح ہم نے سابقہ انبیا پر اپنی کتابیں نازل فرمائی تھیں اسی طرح ہم نے آپ پر بھی اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو تمام کتب سماویہ کی جامع ہے۔ پس جن اہل کتاب نے توریت وانجیل کو ٹھیک سمجھا وہ کسی ضد اور عناد کے بغیر اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ہماری آیتوں کا انکار تو صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور اس کی ساری کتابوں کے منکر ہیں کیونکہ جو شخص قرآن کی تکذیب کرتا ہے وہ حقیقت میں توریت وانجیل کی بھی تکذیب کرتا ہے اس لئے کہ توریت وانجیل نے قرآن کی تصدیق کی ہے۔ پس جو شخص قرآن کا منکر ہے اور توریت یا انجیل پر ایمان رکھنے کا مدعی ہے تو

اس کا دعویٰ غلط ہے۔

پھر فرمایا کہ اے نبی ﷺ! قرآن نازل ہونے سے پہلے آپ نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ ان میں گزارا ہے۔ یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ آپ پڑھے لکھے نہیں بلکہ محض امی ہیں۔ نہ آپ لکھنا جانتے ہیں اور نہ پڑھنا۔ ایسی صورت میں آپ کوئی کتاب تصنیف یا تالیف نہیں کر سکتے۔ آپ کی یہ صفت سابقہ آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں جو فصیح و بلیغ اور حکمت سے پر کلام آپ تلاوت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ قرآنی آیات کھلے ہوئے معجزے ہیں اور ہر قسم کی تحریف وتبدل سے محفوظ ہیں۔ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ○ (الحجر آیت ۹)

بیشک ہم ہی نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ قرآن اہل ایمان کے سینوں میں محفوظ ہے۔ دنیا کے ہر خطے میں بے شمار حافظ موجود ہیں اس لئے بالفرض اگر دنیا کے تمام قرآن گم ہو جائیں تو اس کو حافظوں کے سینوں سے دوبارہ لکھا جا سکتا ہے۔ اس کے برخلاف سابقہ آسمانی کتب میں لوگوں نے آیات اور الفاظ کو تبدیل کر دیا تھا اور ان کو زبانی یعنی یادداشت کی بنا پر نہیں پڑھا جاتا تھا بلکہ کتاب میں دیکھ کر پڑھا جاتا تھا۔ پس ہٹ دھرم اور بے انصاف لوگ ہی ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ (مظہری ۲۱۵، ۲۱۶/ ۷ عثمانی ۳۰۰، ۲/۳۰۱)

سب سے بڑا معجزہ

۵۰۔۵۲۔ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰي لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

اور وہ کہتے ہیں کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کچھ نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوئیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اور میں

تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ کیا ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے البتہ اس میں رحمت اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایماندار ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے اللہ کافی ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ کے منکر ہیں وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں۔

تشریح: منکرین نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر آنحضرت ﷺ سے ایسی ہی نشانی طلب کی جیسی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیغمبر سے مانگی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان معاندین کو کہہ دیجئے کہ معجزے اور نشانیاں دکھانا میرا کام نہیں کہ میں تمہاری خواہش و فرمائش کے مطابق تمہیں معجزے دکھاؤں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے میرا کام تو صرف صاف صاف آگاہ کر دینا ہے سو میں نے تمہیں تمہارا برا بھلا سمجھا دیا۔ اب تم جانو تمہارا کام۔

کیا منکرین کے لئے یہ نشانی کافی نہیں کہ آپ کے امی ہونے کا باوجود ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جو دن رات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔ عرب و عجم کے لوگ اس کی ایک آیت کا مثل لانے سے عاجز ہیں۔ قرآن کا یہ معجزہ قیامت تک باقی رہے گا۔ بلاشبہ اس قرآن میں مومنوں کے لئے رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی۔

اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان میری رسالت کی گواہی کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے سو جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اس پر میری رسالت پوشیدہ نہیں۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب سے واقف ہے۔ اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں۔ وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو حق کا انکار کرتے ہیں اور باطل کا اقرار کرتے ہیں۔ جو لوگ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کا انکار کرتے ہیں وہی لوگ خسارہ میں پڑنے والے ہیں، کیونکہ انہوں نے حق کے بدلے میں باطل کو اختیار کیا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۷۸/۵، مظہری ۲۱۶، ۲۱۷/۷)

عذاب کے لئے جلدی کرنا

۵۳، ۵۵۔ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ۚ وَلَيَا

تِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اور یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی کرتے ہیں اور اگر میری طرف سے وقت مقرر نہیں ہو چکا ہوتا تو ان کے پاس عذاب آچکا ہوتا اور البتہ وہ ان پر اچانک آئے گا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ وہ آپ سے عذاب کی جلدی کرتے ہیں اور بیشک جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس دن عذاب ان پر چھا جائے گا۔ ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے اور اللہ کہے گا جو کچھ تم (دنیا میں) کرتے رہے ہو (اب اس کا مزہ) چکھو۔

اَجَلٌ: وقت۔ مدت۔ موت۔ مہلت۔ جمع آجالٌ۔

مُسَمًّى: معین، مقرر کیا ہوا۔ نام رکھا ہوا۔ تَسْمِيَةٌ سے اسم مفعول۔

بَغْتَةً: یکا یک۔ ایک دم۔ اچانک۔

يَغْشٰهُمْ: وہ ان پر چھا جائے گا۔ وہ ان کو ڈھانک لے گا۔ غَشْیٌ سے مضارع۔

تشریح: اے نبی ﷺ! ان مشرکین کی بے باکی کا یہ حال ہے کہ جب آپ ان کو ہمارے عذاب سے ڈراتے ہیں تو یہ لوگ تکذیب و تمسخر کے طور پر آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ اس عذاب کو فوراً لے آیئے جس سے آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔ اگر ہماری طرف سے عذاب کے آنے کا وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان پر فوراً عذاب آ جاتا۔ ہمارے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔ اس لئے وہ اپنے وقت پر آتی ہے۔ جو عذاب ان کے لئے مقدر ہو چکا ہے وہ یقیناً ان پر آ کر رہے گا بلکہ ان کی بے خبری میں اچانک اور یک بیک آئے گا۔ یہ لوگ آپ سے جلد عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں حالانکہ دوزخ ان کو پوری طرح گھیرے ہوئے ہے۔

قیامت کے روز مشرکوں کو آگ اوپر اور نیچے سے ڈھانک لے گی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ط (الاعراف آیت ۴۱)

ان کے لئے جہنم ہی اوڑھنا اور بچھونا ہے۔

لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ (الزمر آیت ۱۶)

ان کے اوپر اور نیچے سے آگ ہی کا فرش اور سائبان ہوگا۔

غرض کافروں کو ہر طرف سے آگ جلائے گی۔ آگے سے، پیچھے سے، اوپر سے، نیچے سے، دائیں سے، بائیں سے۔ پھر اللہ تعالیٰ یا اس کے حکم سے کوئی فرشتہ ان سے کہے گا کہ اب تم اپنے کئے کی سزا میں آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ اس دن ان کو دھکیل کر جہنم میں ڈالا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی جہنم ہے جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے تھے۔ (ابن کثیر ۴۱۸۔۴۱۹/۳، مواہب الرحمٰن ۱۲۔۱۳/۲۱)

مومنوں پر انعام

۵۶۔۵۹۔ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾

اے ایمان والو! بے شک مری زمین بہت وسیع ہے سو تم میری ہی عبادت کرو۔ ہر شخص موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔ پھر تم ہماری طرف ہی لوٹائے جاؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے تو ہم ان کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی خوب اجر ہے عمل کرنے والوں کا۔ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ہجرت کا حکم دیا ہے کہ اگر کافر تمہیں تنگ کرتے ہیں اور اسلام ظاہر کرنے پر تکلیفیں دیتے ہیں تو میری زمین تنگ نہیں اس لئے تم دوسری جگہ جا کر خالص میری ہی عبادت کرو۔ اگر تم اہل وعیال کی محبت میں اپنا شہر نہیں چھوڑ سکتے تو یاد رکھو تم میں سے ہر ایک مرنے والا اور میرے سامنے حاضر ہونے والا ہے۔ خواہ تم کہیں ہو موت کے پنجے سے نجات نہیں پا سکتے اس لئے تم ابھی سے آخرت کی فکر کرو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رضا میں لگے رہو تا کہ آخرت کے عذاب سے بچ سکو۔

جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کو جنت کے بلند و بالا محلوں میں جگہ دے گا جن کے نیچے قسم قسم کی نہریں بہہ رہی ہوں گی ۔ کہیں صاف وشفاف پانی کی، کہیں شراب طہور کی اور کہیں شہد اور دودھ کی ۔ یہ لوگ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ نہ کبھی وہاں سے نکالے جائیں گے اور نہ وہاں کی نعمتیں ختم یا کم ہوں گی ۔ کتنا اچھا بدلہ ہے یہ نیک کام کرنے والوں کا جنہوں نے کافروں کی اذیت رسانی، ہجرت اور دوسری تکلیفوں اور مصیبتوں پر محض اللہ کی خوشنودی کے لئے صبر کیا اور رزق کے معاملے میں اپنے رب ہی پر بھروسہ کیا کہ وہ ان کو ایسی جگہوں سے رزق عطا فرمائے گا جو ان کے گمان میں بھی نہ ہوں گی ۔ (ابن کثیر ۴۱۹، ۳/۴۲۰)

رزق کا وعدہ

۶۰۔ وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

اور بہت سے ایسے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے ۔ اللہ ان کو بھی رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی اور وہ خوب سننے والا (اور) جاننے والا ہے ۔

كَأَيِّنْ: بہت سے ۔ کتنے ہی ۔ اسم تکثیر ہے ۔

دَآبَّةٍ: چلنے والا ۔ چوپایہ ۔ مخلوق ۔ دَوَابٌّ سے اسم فاعل ۔

تَحْمِلُ: تو اٹھاتا ہے ۔ وہ اٹھاتی ہے ۔ حِمْلٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ کچھ مومن مکہ میں رہ گئے تھے ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جاؤ ۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہاں نہ ہمارا گھر ہے نہ مال، ہمارے کھانے پینے کا انتظام وہاں کون کرے گا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

تشریح: بہت سے چوپائے اور پرندے جو غذا کے محتاج ہیں وہ اپنا رزق اپنے ساتھ اٹھائے نہیں پھرتے اور نہ وہ اگلے روز کے لئے جمع کرتے ہیں ۔ ان کا رزق بھی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے ۔ تمہیں بھی وہی روزی دیتا ہے ۔ روزی ملنے کے معاملے میں تم، جانور اور پرندے سب برابر ہیں ۔ زندگی برقرار رکھنے کے لئے تمہیں بھی غذا کی ضرورت ہے اور چوپایوں، پرندوں وغیرہ کو بھی ۔ آخر کار تم بھی مرجاتے ہو اور وہ بھی مرجاتے ہیں اس لئے ہجرت کرنے کی صورت میں معاش کی طرف سے تمہیں کوئی اندیشہ نہیں

ہونا چاہیے وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اس نے تمہاری یہ گفتگو سن لی کہ ہجرت کریں گے تو کھائیں گے کہاں سے۔ وہ تمہارے دلوں کے اندر یقین وایمان کے ضعف کو خوب جانتا ہے۔

ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوسرے دن کے لئے کچھ جمع کر کے نہیں رکھتے تھے۔

ترمذی وابن ماجہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ وسلم فرما رہے تھے کہ اگر تم اللہ پر پورا پورا بھروسہ رکھتے تو وہ تم کو اس طرح رزق عطا فرماتا جس طرح پرندوں کو عطا فرماتا ہے کہ صبح کو وہ بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔ (مظہری ۲۲۰،۲۱۹/ ۷)

حقیقی زندگی

۶۱۔۶۳۔ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ۝ اللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّن نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝

اور (اے نبی ﷺ) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور (کس نے) سورج اور چاند کو مسخر کیا تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے پھر (اللہ کو چھوڑ کر) کہاں بھٹکے جا رہے ہو، اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ بیشک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے کس نے پانی اتارا پھر اس (پانی) سے مردہ زمین کو زندگی بخشی (سرسبز کر دیا) تو یہ کہیں گے کہ اللہ نے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریف، اللہ ہی کے لئے ہے بلکہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔۔

یُؤْفَکُوْن: وہ لوٹائے جاتے ہیں۔ وہ پھیرے جاتے ہیں۔ وہ بھٹکے جاتے ہیں۔ اَفْکٌ سے مضارع۔

یَقْدِرُ: وہ (رزق) تنگ کرتا ہے۔ وہ کم کرتا ہے۔ قَدْرٌ سے مضارع۔

تشریح: اے نبی ﷺ! اگر آپ اہل مکہ سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے کام پر لگا رکھا ہے تو وہ ضرور اقرار کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اسی نے چاند و سورج کو کام پر لگا رکھا ہے۔ وہ یہ بھی اقرار کریں گے کہ اللہ ہی آسمان سے پانی برسا کر مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اور اس سے غلہ پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ رزق کی فراخی اور تنگی اس کی مشیت اور حکمت کے تحت ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز کی حکمت سے خوب واقف ہے۔

اگر چاند و سورج ایک ہی جگہ پر ٹھہرے رہتے اور حرکت نہ کرتے تو نہ دن ہوتا اور نہ رات ہوتی۔ نہ موسم بدلتا اور نہ گرمی اور سردی ہوتی۔ دن اور رات کا اختلاف اور موسموں کا تغیر یہ سب سورج اور چاند کی حرکت سے ہوتا ہے جو اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ یہ سب کچھ اقرار کرنے کے بعد یہ لوگ کفر و شرک میں کیوں مبتلا ہیں۔ اور اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہیں اور اس کے سوا دوسروں پر توکل کیوں کرتے ہیں۔ جب وہ آسمانوں اور زمین کا، سورج و چاند کا، موت و حیات کا تنہا خالق و مالک ہے تو عبادت کے لائق بھی وہ اکیلا ہی ہے اس لئے خالص اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔

کفار کی ناشکری

۶۴۔۶۶۔ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ڔ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝

اور اس دنیا کی زندگی لہو و لعب کے سوا کچھ نہیں اور بیشک آخرت کا گھر ہی زندگی (کی جگہ) ہے کاش وہ جانتے۔ پھر جب یہ لوگ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ پر خالص اعتقاد رکھ کر اس کو پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ ان کو بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو وہ اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ ہماری دی ہوئی (نعمتوں) کا انکار کریں اور مزے اڑاتے رہیں۔ پھر بہت جلد وہ جان لیں گے۔

لَهْوٌ : کھیل۔تماشا۔غفلت کرنا۔مصدر بھی ہے اسم بھی۔

لَعِبٌ: کھیلنا۔مشغلہ۔مصدر اور اسم۔

حَيَوَانُ: زندگی۔جینا۔مصدر ہے۔

رَكِبُوْا: وہ سوار ہوئے۔رُكُوْبٌ سے ماضی۔

فُلْكِ: کشتی۔جہاز۔مذکر ومؤنث، واحد وجمع سب کے لئے آتا ہے۔

تشریح: دنیا کی زندگی تو صرف لہو ولعب ہے۔آخرت کی زندگی ہی ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔اگر ان منکرین کو علم ہوتا کہ دنیا فانی ہے اور آخرت لازوال ہے تو وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے۔پس آدمی کو چاہئے کہ اس دنیا کی فانی اور چندروزہ زندگی سے زیادہ آخرت کی فکر کرے۔اصلی اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی وہی ہے اس لئے تمام کوششیں آخرت کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے ہونی چاہئیں۔

مشرکین جب کشتی میں سفر کرتے ہیں اور ان کو کشتی کے ڈوبنے کا خطرہ ہوتا ہے تو اس وقت وہ اپنے کفر وشرک کے باوجود نہایت خلوص سے صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کو اس مصیبت سے بچانے والا نہیں۔جونہی اللہ تعالیٰ ان کی مصیبت کو دور کرتا ہے اور وہ سلامتی کے ساتھ خشکی پر پہنچ جاتے ہیں تو کشتی سے اترتے ہی پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔پس کفر وشرک سے ان کی غرض یہ ہے کہ وہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہیں اور دنیا کے مزے اڑاتے رہیں۔سو یہ لوگ چندروز اور دنیا کے مزے اڑالیں۔پھر بہت جلد ان کو ناشکری کا انجام معلوم ہو جائے گا، (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۸۵/ ۵،ابن کثیر ۴۲۱/۳)

اہلِ مکہ پر اللہ کا انعام

۶۷۔۶۹، اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا حالانکہ ان (اہل مکہ) کے اردگرد سے لوگ اچک لئے جاتے ہیں۔پھر کیا وہ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا کفر کرتے ہیں۔اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو

اللہ پر جھوٹ افترا کرے یا جب سچی بات اس کے پاس پہنچے تو اس کو
جھٹلائے۔ کیا ایسے کافروں کا ٹھکانہ جہنم نہ ہوگا اور جو لوگ ہماری راہ میں
کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھا دیں گے۔ بلا شبہ اللہ نیکی
کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یُتَخَطَّفُ: وہ اچک لئے جاتے ہیں۔ وہ جھپٹ لئے جاتے ہیں۔ تَخَطُّفٌ سے مضارع مجہول۔

مَثْوًی: رہنے کی جگہ۔ ٹھکانا۔ ثُوِیًّا سے ظرف مکان۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو اپنا احسان یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ کیا ان مشرکوں کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے حرم کو ان کے لئے امن کی جگہ بنا رکھا ہے۔ مکہ کے اندر نہ کوئی ان کو لوٹتا ہے اور نہ وہاں کسی قسم کی غارت گری ہوتی ہے اور نہ کوئی قید ہوتا ہے۔ غرض یہ لوگ ہر طرح مامون و محفوظ ہیں جبکہ اس کے قرب و جوار میں لوگ لوٹ لئے جاتے ہیں اور قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ کیسے لوگ ہیں کہ اللہ ان پر احسان کرتا ہے اور یہ اس کھلی نعمت کا انکار کرتے ہیں اور اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔

سب سے بڑی ناانصافی یہ ہے کہ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جائے یا اس کی طرف وہ باتیں منسوب کی جائیں جو اس کی شان کے لائق نہیں یا پیغمبر جو سچا پیغام لے کر آئے ہیں اس کو سنتے ہی جھٹلانا شروع کر دیا جائے۔ کیا ان ظالموں کو معلوم نہیں کہ منکروں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے ہماری راہ میں جان و مال سے جہاد کیا اور طرح طرح کی مشقتیں اٹھائیں اور ہمارے اوامر و نواہی کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی تو ہم ان کو اپنے راستے کی طرف راہنمائی کر دیتے ہیں، اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(عثمانی ۲/۳۰۴، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۳۸۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ روم

وجہ تسمیہ: سورۃ کے شروع میں روم کے غلبے کی پیش گوئی ہے۔اسی لئے یہ سورۃ سورۂ روم کے نام سے مشہور ہوگئی۔

تعارف: اس میں چھ رکوع ۶۰ یا ۵۹ آیتیں۔۸۱۹ کلمات اور ۳۵۳۴ حروف ہیں۔قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورت بالاتفاق مکیہ ہے۔ابن عباس اور ابن الزبیر سے بھی یہی روایت ہے کہ یہ سورت مکیہ ہے۔ (روح المعانی ۲۱/۱۶)

سورۃ کے شروع میں آپ ﷺ کی نبوت کی ایک دلیل کا بیان ہے کہ آپ نے غلبۂ روم کی پیش گوئی فرمائی جو بعد میں بالکل اسی طرح پوری ہوئی جس طرح آپ نے خبر دی تھی۔ پھر سورت کے آخر تک دلائلِ قدرت کا بیان ہے تاکہ لوگ ان میں غور وفکر کریں اور سمجھ لیں کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور اختیار میں ہے۔ وہی فتح ونصرت کا مالک ہے اور اسی کے اختیار میں عزت وذلت ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن مجید کی حیرت انگیز پیش گوئی اور سابقہ قوموں کے عبرت انگیز حالات کا بیان ہے۔

رکوع ۲: مومنوں اور کافروں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ پھر مومنوں کو صبح وشام اللہ کی حمد اور پاکی بیان کرنے کی تاکید مذکور ہے۔

رکوع ۳: اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔

رکوع ۴: مشرکین کی گمراہی کی مثال بیان کی گئی ہے۔ پھر انسانی فطرت اور انسان کی ناشکری کا بیان

ہے۔ آخرت میں قرابت داروں مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دینے کی تاکید ہے۔

رکوع ۵: بحر و بر میں فساد کا سبب بیان کیا گیا ہے۔ پھر انعام الٰہی کی بشارت اور سماع موتیٰ کا بیان ہے۔

رکوع ۶: حیات انسانی کے مراحل اور کفار کو اہل علم کی ملامت مذکور ہے۔

حروف مقطعات

۱۔ الٓمّٓ ۞ یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کی تفصیل پہلی گزر چکی ہے۔

حیرت انگیز پیش گوئی

۲۔۷، غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۞ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۞ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۞ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۞ یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۖۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۞

روم والے مغلوب ہوگئے، قریب کے ملک میں، اور وہ مغلوب ہونے کے بعد بہت جلد غالب ہوں گے۔ چند سال میں، اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اختیار اللہ ہی کا ہے اور اس روز (جس روز رومی غالب ہوں گے) مسلمان خوش ہوں گے۔ اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہی زبردست (اور) رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور لیکن اکثر لوگ جانتے ہی نہیں وہ تو صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو ہی جانتے ہیں۔ اور وہ آخرت سے تو بالکل غافل ہیں۔

اَدْنٰی: بہت چھوٹا۔ بہت نزدیک۔ دَنِیٌّ سے اسم تفضیل۔

بِضْعِ: چند۔ کئی۔ یہاں مفسرین نے تین برس سے نو برس کی مدت بتائی ہے۔

تشریح: ان آیات میں قرآن کریم نے ایک عجیب و غریب پیش گوئی کی ہے، جو اس کی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے۔ اس زمانے کی دو بڑی طاقتیں فارس اور روم ایک زمانے سے نبرد آزما چلی آرہی تھیں۔ ۵۷۰ء میں نبی کریم ﷺ کی ولادت ہوئی اور چالیس سال بعد ۶۱۰ء میں آپ کی بعثت ہوئی۔ مشرکین مکہ فارس کے آتش پرست مجوس کو مذہباً اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے۔ اسی طرح روم

کے نصاریٰ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے قریبی دوست قرار دیئے جاتے تھے۔ اس لئے جب فارس کے غلبہ کی خبر آئی تو مشرکین خوب مسرور ہوئے اور اس سے مسلمانوں کے مقابلے میں اپنے غلبے کی فال لیتے، اس سے بہت سی توقعات قائم کرتے مسلمانوں پر طعن کرتے اور ان کی ہنسی اڑاتے۔

جب قمری حساب سے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے پانچ سال گزر چکے تو خسرو پرویز کے عہد میں فارس نے روم کو فیصلہ کن شکست دی۔ شام، مصر، ایشائے کوچک وغیرہ تمام ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ قیصر قسطنطنیہ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور ہو گیا اور روم کا دارالسلطنت بھی خطرے میں پڑ گیا۔ بڑے بڑے پادری قتل یا قید ہو گئے۔ بظاہر روم کے ابھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ ان حالات میں مشرکین نے خوب خوشیاں منائیں۔ بعض مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا ہے، کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا دیں گے۔ اس وقت قرآن کریم نے ظاہری اسباب کے بالکل خلاف اعلان کیا کہ بیشک اس وقت رومی فارس سے مغلوب ہو گئے ہیں لیکن نو سال کے اندر اندر وہ پھر غالب ہو جائیں گے۔

اس پیش گوئی کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے مشرکین کے ساتھ سو سو اونٹ کی شرط باندھ لی اور نو سال کی مدت ٹھہری۔ اس وقت تک ایسی شرط لگانا حرام نہیں ہوا تھا۔ قرآن کی پیش گوئی کے مطابق ٹھیک نو سال کے اندر عین بدر کے دن جبکہ مسلمان مشرکین پر عظیم الشان فتح حاصل ہونے پر خوش تھے، رومیوں کے غلبے کی خبر سے اور زیادہ مسرور ہوئے۔ اس عظیم الشان پیش گوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشرکین سے سو اونٹ وصول کئے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ان اونٹوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

پھر فرمایا کہ پہلے فارس کو روم پر غالب کرنا اور پھر روم کو فارس پر غالب کرنا سب اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہے۔ جس دن رومیوں کو اہل فارس پر غلبہ حاصل ہوگا اس دن اللہ کی عنایت کردہ فتح سے مومن خوش ہوں گے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے فتح یاب کرتا ہے، کبھی ایک فریق کو اور کبھی دوسرے فریق کو۔ وہی غالب اور وہی رحمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا پختہ وعدہ ہے کہ مغلوب ہونے کے بعد رومی غالب آ جائیں گے۔ اللہ اپنے

وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن بہت سے لوگ اللہ کی حکمتوں کو نہیں جان سکتے۔ اکثر لوگ دنیا کا تو خوب علم رکھتے ہیں۔ اس کے برے بھلے اور نفع ونقصان کو پہچان لیتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں آخرت کا خیال تک نہیں آتا۔ (عثمانی ۳۰۵، ۲/۳۰۶)

سابقہ قوموں کے حالات سے عبرت

۸۔۱۰، اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ۭ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْٓاٰۗى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

اور کیا وہ اپنے دل میں (یہ بھی) غور نہیں کرتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کو بہترین قرینے سے اور مقررہ وقت ہی کے لئے پیدا کیا ہے اور یقیناً اکثر لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ کیا انہوں نے زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا۔ وہ ان سے بھی بڑھ کر قوت والے تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا تھا اور انہوں نے اس کو اس سے کہیں زیادہ آباد کیا تھا، جس قدر انہوں نے اس کو آباد کیا ہے۔ اور ان کے پاس بھی ان کے رسول معجزے لے کر آئے تھے۔ سو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔ پھر برا کرنے والوں کا انجام بھی برا ہی ہوا۔ اس لئے انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان کی ہنسی اڑائی۔

اَثَارُوْا: انہوں نے جوتا (زمین کو) انہوں نے برانگیختہ کیا۔ اِثَارَۃٌ سے ماضی۔

عَمَرُوْا: انہوں نے خدمت کی۔ انہوں نے آباد کیا۔ عِمَارَۃٌ سے ماضی۔

اَسَاءُوْا: انہوں نے برا کام کیا۔ انہوں نے برائی کی۔ اِسَاءَۃٌ سے ماضی۔

تشریح: چونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ حق جل وعلا کی قدرت کا نشان ہے اور اس کی توحید وربوبیت پر دلالت کرتا ہے اسلئے ارشاد فرمایا کہ موجودات میں غور وفکر کیا کرو اور قدرت کی ان نشانیوں سے ان کے خالق و مالک کو پہچانو اور غور کرو کہ اس نے یہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزیں، بے کار پیدا نہیں کیں۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے۔ جس کے بعد ان کو فنا کر دیا جائے گا لیکن اکثر لوگ اس فنا اور قیامت کو نہیں مانتے۔

اس کے بعد نبیوں کی صداقت کو بیان فرمایا کہ تم زمین میں چل پھر کر اگلے لوگوں کے حالات معلوم کرو کہ گزشتہ امتیں جو تم سے زیادہ طاقت ور تھیں، تم سے زیادہ مال دار تھیں، تم سے زیادہ کنبے قبیلے والی تھیں اور وہ لوگ تم سے زیادہ عمر والے تھے، تم سے زیادہ کھیتیوں اور باغات والے تھے لیکن جب ان کے پاس ہمارے رسول آئے اور انہوں نے ہماری نشانیاں اور معجزے دکھائے تو ان بدبختوں نے انبیا کی تکذیب کی اور وہ اپنے کفر وشرک اور سیاہ کاریوں پر قائم رہے بالآخر اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو ہلاک و برباد کر کے ان کو عبرت کا نشان بنا دیا۔ سو ان لوگوں کو ہلاک کر کے اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے۔ یہ عذاب تو ان کے اپنے کرتوتوں کا وبال تھا کہ وہ اس کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کا تمسخر اڑاتے تھے۔ (ابن کثیر ۳/۴۳۷)

نیک وبد میں تفریق

۱۱۔۱۶، اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝

اللہ ہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہ اس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی گناہ گار ناامید ہو جائیں گے۔ اور ان کے معبودوں میں سے کوئی بھی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور وہ لوگ خود بھی اپنے معبودوں سے منکر ہو جائیں گے اور جس دن قیامت

قائم ہوگی اس روز (نیک و بد) لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کئے تو وہ جنت میں (انعامات سے) نوازے جائیں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تو وہ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

یُبْلِسُ: وہ ناامید ہوگا۔ وہ مایوس ہوگا۔ اِبْلَاسٌ سے مضارع۔

رَوْضَةٍ: باغ۔ سبزہ زار۔ جمع رِیَاضٌ۔

یُحْبَرُوْنَ: وہ مسرور ہوں گے۔ ان کو خوش کیا جائے گا۔ ان کو نوازا جائے گا۔ حَبْرٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ ہی نے مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا۔ جس طرح وہ اس کے پیدا کرنے پر اس وقت قادر تھا، اس کو فنا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر بھی وہ اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ قادر ہے۔ قیامت کے روز تم سب اسی کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے جہاں وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز تمام مجرم اور گناہ گار ناامید ہوں گے۔ جن بتوں کو وہ دنیا میں اللہ کی عبادت میں شریک ٹھہراتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بت اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے اور ان کو عذاب سے بچا لیں گے تو اس دن ان میں سے کوئی بھی ان کی شفاعت کے لئے کھڑا نہ ہوگا بلکہ اس وقت یہ مشرکین خود اپنے شرکا کے منکر ہو جائیں گے، جس روز قیامت قائم ہوگی تو اس دن اہل جنت، اہل دوزخ سے اس طرح جدا جدا ہو جائیں گے کہ اس کے بعد ملاپ ہی نہیں ہوگا۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے تو وہ جنت میں خوش و خرم کر دیئے جائیں گے اور جن لوگوں نے کفر و شرک کیا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا تو وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ (ابن کثیر ۳/۴۲۸، مظہری ۲۳۳، ۲۳۶/ ۷)

ذکر اللہ کی تاکید

۱۷۔۱۹، فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝

پھر تم اللہ کی تسبیح کیا کرو، جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔ اور آسمانوں اور زمین میں سب تعریف اسی کی ہے۔ تیسرے پہر کو اور ظہر کے وقت بھی (اسی کی تسبیح کرو)۔ وہی زندہ کو مُردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ (سرسبز و شاداب) کرتا ہے اور اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے۔

حِیْنَ: وقت۔ زمانہ۔ مدت۔

تُمْسُوْنَ: تم شام کرتے ہو۔ یہاں مغرب وعشا کے اوقات مراد ہیں۔ اِمْسَاءٌ سے مضارع۔

عَشِیًّا: شام۔ سہ پہر سورج ڈھلے۔ زوال کے بعد۔ مراد عصر کا وقت۔

تُظْهِرُوْنَ: تم ظہر کا وقت پاؤ۔ تم دوپہر کا وقت پاؤ۔ **اِظْهَارٌ سے مضارع۔**

تشریح: تم ایمان کی نعمت کے شکر میں صبح و شام، دن کے آخری حصے اور ظہر کے وقت اللہ کی شان کے مطابق، اس کی پاکی بیان کرتے رہو جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ہمیں ایمان و عمل صالح کی توفیق عطا فرمائی۔ وہ تمام عیبوں سے پاک و منزہ ہے۔ اور تمام آسمانوں اور زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص رات دن میں سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھے گا اس کے (سارے) گناہ ساقط کر دیئے جائیں گے خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دن رات میں سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھے گا قیامت کے روز اس سے بڑھ کر عمل اور کوئی نہیں لائے گا سوائے اس شخص کے جس نے اسی کی طرح پڑھا ہو یا اس سے زیادہ پڑھا ہو۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں (آسانی سے ادا ہو جاتے ہیں) میزان میں بھاری ہوں گے، رحمٰن کو پسند ہیں۔ وہ کلمے یہ ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ (متفق علیہ)

اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے جیسے انڈے سے چوزے کو اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے جیسے انڈے کو مرغی سے۔ اسی طرح ہزاروں حشرات الارض کا ایک دم زمین

سے وجود میں آنا اور مٹی میں مل کر خاک ہو جانا، عام مشاہدہ ہے۔ وہی زمین کو اس کے مردہ یعنی خشک ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے یعنی سبزہ پیدا کر کے اس کو ہرا بھرا کر دیتا ہے۔ سو قیامت کے روز بھی یہی ہوگا کہ تمہیں زندہ کر کے زمین سے نکال لیا جائے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۹۹۔۴۰۱/ ۵، مظہری ۲۳۷/ ۷)

اللہ کی قدرت کی نشانیاں

۲۰۔۲۱، وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر تم انسان بن کر چلتے پھرتے ہو۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہیں میں سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت و مہربانی پیدا کردی۔ بیشک اس میں بڑی نشانیاں ہیں غور کرنے والوں کے لئے۔

تُرَابٍ: مٹی۔ خاک۔

تَنْتَشِرُوْنَ: تم منتشر ہوتے ہو۔ تم پھیلتے ہو۔ تم چلتے ہو۔ اِنْتِشَارٌ سے مضارع۔

مَوَدَّةً: محبت۔ دوستی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بے شمار نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور انسان بنا کر زمین پر پھیلا دیا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام زمین سے مٹی کی ایک مٹھی لے کر اس سے حضرت آدم کو پیدا کیا۔ پس زمین کے مختلف حصوں کی طرح اولاد آدم کی مختلف رنگتیں ہوئیں، کوئی سفید، کوئی سرخ، کوئی سیاہ، کوئی خبیث، کوئی طیّب، کوئی حسن خلق، کوئی بد خلق وغیرہ۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے کہ وہ بیویاں بنتی ہیں اور تم ان کے خاوند ہوتے ہو۔ یہ سب اس لئے ہے تاکہ

تمہیں ان کے پاس آرام وراحت ملے اور تم (میاں بیوی) میں محبت والفت اور اخلاص و ہمدردی اور رحمت ومہربانی پیدا کردی۔ بلاشبہ اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (ابن کثیر ۴۲۹/۳)

زبان ورنگ کا اختلاف

۲۲، ۲۳۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بھی ہے۔ بیشک اس میں علم والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن کو سونا اور اس کے فضل (روزی) کا تلاش کرنا بھی ہے۔ بیشک اس میں سننے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

اَلْسِنَتِکُمْ: تمہاری زبانیں۔تمہاری بولیاں۔واحد لِسَانٌ۔

اَلْوَانِکُمْ: تمہارے رنگ۔واحد لَوْنٌ۔

مَنَامُکُمْ: تمہارا سونا۔تمہاری نیند۔

اِبْتِغَاءٌ: چاہنا۔تلاش کرنا۔مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق بھی ہے کہ آسمان کو تو نہایت بلند اور زمین کو نہایت پست بنایا۔ آسمانوں کو چاند اور ستاروں سے منور کردیا اور زمین میں پہاڑ، دریا، سمندر اور مختلف قسم کے درخت وغیرہ اگا دیئے۔ اس کی نشانیوں میں سے تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف بھی ہے کہ سب انسان ایک ماں باپ سے پیدا کئے روئے زمین پر پھیلا دیئے اور سب کی بولیاں جدا جدا کردیں۔ ایک ملک کا آدمی دوسرے ملک میں جا کر محض زبان کے اعتبار سے اجنبی ہوگیا۔ جب سے دنیا قائم ہے اس وقت سے آج تک بے حساب آدمی پیدا ہوئے مگر کوئی دو آدمی ایسے نہ ملیں گے جن کا طرز تکلم اور لب ولہجہ بالکل یکساں ہو، کوئی دو شخص ایسے نہیں ملیں گے جن کی آواز اور رنگ روپ میں کوئی امتیاز نہ ہو۔ پس ہر آدمی کی شکل وصورت

اور رنگت وغیرہ دوسرے سے ممتاز اور بالکل جدا ہے۔ سو اس میں بھی ہر ذی عقل و علم کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کی بڑی نشانیاں ہیں۔ (عثمانی ۲/۳۱۰)

برق و باران

۲۴۔۲۷۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ تم کو خوف اور امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ (تر و تازہ) کرتا ہے۔ بیشک اس میں بھی عقلمندوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب وہ تمہیں پکار کر زمین سے بلائے گا تو تم اسی وقت نکل پڑو گے۔ اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اسی کے تابع ہیں اور وہی ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ (پیدا) کرے گا۔ اور یہ اس کے لئے نہایت آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں اس کی شان اعلیٰ ہے اور وہ (بڑا) زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

طَمَعاً: طمع۔ لالچ۔ توقع۔ امید۔ مصدر ہے۔

قٰنِتُوْنَ: فرماں بردار۔ اطاعت کرنے والے۔ عبادت گزار۔ قُنُوْتٌ سے اسم فاعل۔

اَھْوَنُ: بہت آسان۔ بہت سہل۔ ھَوْنٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: اس کے حکم سے آسمانوں پر بجلی کا کوندنا بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے۔ جس کو دیکھ کر تم خوفزدہ ہو جاتے ہو کہ کہیں یہ بجلی ہمارے اوپر گر کر ہمیں ہلاک نہ کر دے اور کبھی تم اس کو دیکھ کر پر امید

بھی ہوتے ہو کہ اب بارش برسے گی، خشک سالی دور ہو جائے گی، پانی اور غلے کی فراوانی ہو گی وہی آسمان سے پانی برسا کر اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے یعنی خشک اور ویران پڑی ہوئی زمین بارش سے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ اس برق و باراں میں بھی اہل عقل کے لئے اللہ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہیں۔

• یہ بھی اس کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس کے حکم سے آسمان ستونوں کے بغیر قائم ہے اور وہ اس کو زمین پر گرنے نہیں دیتا اور زمین پانی پر ٹھہری ہوئی ہے۔ پھر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تمہیں پکار کر بلائے گا تو اس کی ایک ہی آواز پر مردے اپنی قبروں سے زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے اور اس کے سامنے حاضر ہو جائیں گے۔ یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

تمام آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوق اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ سب اسی کے فرماں بردار ہیں اور سب اس کے سامنے عاجز و بے بس ہیں۔ ابتدائی تخلیق بھی وہی کرتا ہے، پھر وہ مار ڈالے گا۔ اور اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا ابتدائی تخلیق سے زیادہ آسان ہے۔ پھر تم دوبارہ پیدا کرنے کے منکر کیوں ہو۔ اس کی صفات اتنی عالی ہیں کہ کسی دوسرے کی کوئی صفت نہ اس کی کسی صفت کی ہم پلہ ہے اور نہ برابری کے قریب۔ آسمانوں اور زمین میں وہی غالب ہے اور وہی حکیم ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (مظہری ۲۳۹۔۲۴۱/ ۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۰۳/ ۵)

مشرکین کی گمراہی کی مثال

۲۸۔۲۹۔ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۚ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۞ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۞

اللہ نے تمہارے لئے ایک تمہاری ہی مثال بیان فرمائی ہے۔ جو کچھ رزق ہم نے تمہیں دے رکھا ہے کیا اس میں تمہارے غلاموں میں سے بھی کوئی تمہارا شریک ہے کہ تم (اور وہ) اس میں برابر ہو جاؤ (اور) تم ان سے ڈرنے لگو جیسا کہ اپنوں سے ڈرتے ہو عقل مندوں کے لئے ہم اسی طرح کھول کر

نشانیاں بیان کرتے ہیں۔ بلکہ جن لوگوں نے ظلم کیا وہ علم کے بغیر (یعنی بغیر سمجھے) اپنی خواہشوں پر چلنے لگے۔ پھر جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو اس کو کون ہدایت کر سکتا ہے اور ان کا کوئی بھی مددگار نہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی جہالت اور گمراہی بتانے کے لئے خود انہی کے احوال میں سے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ کیا تم میں سے کوئی اس امر پر راضی ہوگا کہ اس مال و دولت اور رزق میں جو اس کا اپنا پیدا کردہ نہیں بلکہ ہم نے اس کو عطا کیا ہے، اس کے غلام اس کے برابر شریک ہوں یعنی اس مال و دولت کے تصرف میں آقا اور غلام یکساں ہو جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تم میں سے کوئی بھی اس پر راضی نہ ہوگا بلکہ تم اس کو اپنے لئے عار سمجھتے ہو حالانکہ تم بھی آدمی ہو اور تمہارا غلام بھی تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے۔ پھر تم ان پتھروں کو جو تم نے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہیں اور عاجز ترین مخلوق ہیں اللہ کا شریک کیوں قرار دیتے ہو جو آسمانوں اور زمین کا خالق و مالک ہے۔

ہم اسی طرح تفصیل کے ساتھ قدرت کے دلائل بیان کرتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو عقل و فہم سے کام لیتے ہیں، مگر ظالم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اور سوچے سمجھے بغیر اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں۔ سو جب وہ اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو بھلا کر نفس کی خواہشات کی اتباع کرنے لگ گئے تو اب کون ان کو ہدایت کر سکتا ہے۔ ان کا کوئی مددگار بھی نہیں جو ان کو نفس کی خواہشات اور دوزخ کے عذاب سے بچا سکے۔ (عثمانی ۲/۳۱۲، مظہری ۲۴۱، ۷/۲۴۲)

انسانی فطرت

۳۰۔۳۲۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾

پھر آپ یکسو ہو کر اپنا رخ دین کی طرف رکھئے۔ اللہ کی دی ہوئی فطرت پر (قائم ہو جائیے) جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی

(فطرت) میں کوئی تغیر و تبدل نہیں۔ یہی سیدھا طریقہ ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس سے ڈرتے رہو اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں نہ مل جاؤ، جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی مختلف فرقے ہو گئے۔ ہر گروہ اس پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔

اَلْقَیِّمُ: قائم رکھنے والا۔ درست۔ سیدھا۔ قِیَامٌ سے صفت مشبہ۔

مُنِیْبِیْنَ: رجوع کرنے والے۔ گڑگڑانے والے۔ اِنَابَۃٌ سے اسم فاعل۔

شِیَعًا: فرقے۔ گروہ۔ مددگار۔ واحد شِیْعَۃٌ۔

لَدَیْھِمْ: ان کے پاس، ان کی طرف، اسم ظرف ہے۔

تشریح: یہاں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ذیل میں ساری امت کو خطاب ہے کہ جب اللہ کی واحدانیت ثابت ہو گئی اور ظاہر ہو گیا کہ مشرکین اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں تو آپ بھی اپنا رخ خالص دن اسلام کی طرف کر لیجئے اور دینِ اسلام کو اپنے اوپر لازم کر لیجئے۔ آیت میں فطرت سے مراد فطری استعداد ہے جو ہر شخص میں پیدائشی طور پر ہے۔ بعض علما کے نزدیک فطرت سے مراد وہ وعدہ ہے جو ازل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور آپ کی نسل سے لیا تھا اور فرمایا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے جواب دیا تھا کیوں نہیں (تو ہی ہمارا رب ہے) ہر بچہ اسی ازلی اقرار پر پیدا ہوتا ہے۔ یہی حنیفیت ہے۔ جس پر سارے انسانوں کی تخلیق ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے چوپائے سے سالم چوپایا پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم کسی کو پیدائشی نکٹا یا بوچا پاتے ہو۔ پھر آپ نے آیت فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ تلاوت فرمائی۔ متفق علیہ۔

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت اور پیدائش میں کوئی تبدیلی نہیں یعنی جس سعادت و شقاوت پر انسان کی فطری تخلیق ہوئی ہے وہ بدل نہیں سکتی اور شقی سعید نہیں ہو سکتا۔ یہی سیدھا اور صحیح دین ہے۔ اس میں کسی طرح کی کجی نہیں۔ یہ سیدھا اللہ کی طرف پہنچانے والا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ یہ دین مستقیم ہے۔

مسند احمد میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تذکرہ کررہے تھے کہ کیا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو سچ مان لینا اور اگر یہ سنو کہ کوئی آدمی اپنی جبلت (سرشت) سے بدل گیا ہے تو سچ نہ ماننا کیونکہ (آخر کار ہر) آدمی اسی طرف لوٹے گا جو اس کی سرشت ہے۔

اے لوگو تم سب طرف سے منہ موڑ کر پوری طرح اللہ کی طرف رجوع کرنے والے اور متوجہ ہونے والے ہو جاؤ۔ اس کے عذاب سے ڈرتے رہو اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہو اور نماز قائم رکھو جو دین کا ستون ہے۔ جن لوگوں نے اپنی خواہشات کے زیر اثر اپنے اپنے معبود الگ الگ بنالئے اور دین کو بدل ڈالا تو تم ان مشرکوں میں سے مت بنو۔ ان لوگوں نے اپنے اصل دین (دین فطرت) کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور بہت سے گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور ہر گروہ اپنے طریقے پر خوش ہے سو تم ہر عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کرو۔ اعتقاداً اور عملاً کسی کو اس میں شریک نہ کرو، ورنہ وہ فطرت سلیمہ جس پر اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے، خراب یا ضائع ہو جائے گی۔ (مظہری ۲۴۲۔۲۴۴/ ۷، روح المعانی ۳۹۔۴۱/ ۲۱، مسند احمد ۵۹۶/ ۷ رقم ۲۶۹۵۳)

انسان کی ناشکری

۳۳، ۳۷۔ وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُم مُّنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُم مِّنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ۝ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ أَمْ أَنزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ۝ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ پوری طرح رجوع ہو کر اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ ان کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھاتا (آسانی فرماتا) ہے تو ان میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ تاکہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں۔ سو تم (دنیا میں چند

روز) فائدہ اٹھالو۔ پھر جلدی ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ کیا ہم نے ان پر
کوئی دلیل نازل کی ہے جو انہیں شرک کرنے کو کہہ رہی ہے اور جب ہم
لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو
اپنے کئے کی پاداش میں کوئی تکلیف پہنچے تو فوراً ناامید ہو جاتے ہیں کیا وہ نہیں
دیکھتے کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں فراخی کرتا ہے اور (جس کے
لئے چاہتا ہے) تنگی کرتا ہے البتہ اس میں مومنوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

تشریح: جب لوگوں کو کوئی سختی اور مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے باطل معبودوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتے ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے کسی مہربانی کا مزہ چکھا دیتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ شکر واطاعت کی بجائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک قرار دینے لگتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں چند روز اور مزے اڑالیں، پھر بہت جلدی ان کو اس کا برا انجام معلوم ہو جائے گا۔ کیا یہ لوگ کسی دلیل کے بغیر شرک کر رہے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے شرک کی کوئی سند نازل کی ہے جو ان کو شرک کی تعلیم دیتی ہے۔

کفار کی حالت بھی عجیب ہے کہ جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور احسان سے عیش و آرام میں ہوتے ہیں تو پھولے نہیں سماتے اور خوب اترانے لگتے ہیں اور اگر کسی وقت اپنی شامت اعمال سے کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں تو فوراً ناامید ہو جاتے ہیں۔ جبکہ مومن کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ عیش و راحت میں اپنے منعم حقیقی کو یاد رکھتا ہے، اس کے فضل و رحمت پر خوش ہو کر زبان و دل سے اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو صبر و تحمل سے کام لیتا ہے اور اللہ سے مصیبت دور ہونے کی درخواست کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے کہ اس کے فضل و مہربانی سے اس کی مصیبت دور ہو جائے گی۔

ایمان و یقین والے سمجھتے ہیں کہ دنیا کی سختی، نرمی، روزی میں فراخی و تنگی سب قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے، لہذا بندے کو ہر حال میں صبر و شکر سے کام لینا چاہئے۔ نعمت کے وقت شکر گزار رہے اور ڈرتا رہے کہ کہیں یہ نعمت چھن نہ جائے اور سختی کے وقت صبر کرے اور امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و عنایت سے سختیوں کو دور فرما دے گا، بے شک رزق کی تنگی اور فراخی میں بھی اہل ایمان کیلئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ (عثمانی ۳۱۴، ۲/۳۱۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۴۰۹)

مال کا گھٹنا اور بڑھنا

۳۸۔۴۰، فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

پھر (تو) قرابت دار کو اور مسکین کو اور مسافر کو اس کا حق دے۔ یہ ان کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو کچھ تم سود پر دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مال میں مل کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو کچھ تم اللہ کی رضا کے لئے زکوٰۃ دیتے ہو تو وہی لوگ (اپنی خیرات کو) دوگنا کرنے والے ہیں۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر اس نے تمہیں رزق دیا، پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے معبودوں میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کر سکتا ہو۔ وہ (اللہ) پاک اور بلند ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اٰتِ: تو دے۔ اِیْتَاءٌ سے امر۔

اَلْقُرْبٰى: رشتہ داری۔ قرابت۔ نزدیکی۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

رِبًا: سود۔ زیادتی۔ مصدر ہے۔

مُضْعِفُوْنَ: دوگنا کروالے۔ اِضْعَافٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: چونکہ رزق کی تنگی و فراخی اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے تو اس کے دیئے ہوئے رزق اور مال کو اس کے حکم کے مطابق درج ذیل لوگوں میں خرچ کرتے رہنا چاہئے۔

۱۔ قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کرتے رہنا چاہئے اور ان کا جو حق واجب ہے وہ بھی ادا کرتے رہنا چاہئے۔

۲۔ مسکین کے ساتھ بھی حسن سلوک اور احسان کرنا چاہئے۔ مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو، یا کچھ ہو لیکن بقدر کفایت نہ ہو۔

۳۔ جس مسافر کے پاس پردیس میں سفرخرچ نہ رہا ہو اگرچہ وطن میں اس کے پاس مال ہو، اس کے ساتھ بھی بھلائی کرو اور اس کو سفرخرچ دو۔

یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ مشرکین چونکہ سودی کاروبار کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ سود سے مال میں زیادتی ہوتی ہے اور صدقہ وخیرات سے مال میں کمی آجاتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو متنبہ فرمایا تم جو سود پر مال اس غرض سے دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مال میں مل کر زیادہ ہو جائے گا تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔ حرام کے ذریعے جو مال آتا ہے وہ ظاہر میں بڑھتا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ کم ہوتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس آیت میں رِبٰی سے سود مراد نہیں بلکہ اس سے وہ ہدیہ مراد ہے جو کسی کو اس ارادے سے دیا جائے کہ لوگ اسے اس سے زیادہ دیں تو ایسا احسان اللہ کے نزدیک موجب خیر و برکت نہیں کیونکہ نیت اور ارادے کے اعتبار سے یہ بھی ایک قسم کا رِبٰی ہے۔ جو زکوٰۃ تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دیتے ہو اس سے مال میں برکت، ترقی اور زیادتی ہوتی ہے۔ یہی لوگ اپنے مال کو کئی گنا تک بڑھانے والے ہیں۔

اللہ تو وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں رزق دیا تاکہ تم اس سے زندہ رہ سکو۔ پھر وہ تمہیں موت دے گا اور قیامت کے روز وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شرکا میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے۔ یعنی روزی دے، موت دے سکے یا زندہ کر سکے۔ ظاہر ہے ان بتوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور بلند ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے۔ اس کا کوئی شریک نہیں وہ واحد و یکتا ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۰۹، ۴۱۰/ ۵ مظہری ۲۴۶، ۲۵۷/ ۷)

بحر و بر میں فساد کا سبب

۴۱۔۴۵، ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ۝ فَأَقِمْ

وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ الۡقَيِّمِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوۡمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوۡنَ ۞ مَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ‌ ۚ وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنۡفُسِهِمۡ يَمۡهَدُوۡنَ ۞ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ ۞

لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا تا کہ اللہ لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کا کچھ مزہ چکھائے، تا کہ وہ باز آ جائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ملک میں چل پھر کر تو دیکھو کہ تم سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ ان میں سے اکثر تو مشرک ہی تھے۔ پھر تم اس دن کے آنے سے پہلے جو کہ ٹالے نہ ٹلے گا اپنا رخ سیدھے دین کی طرف رکھو۔ اس دن سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے اور جو لوگ نیک کام کرتے ہیں تو وہ بھی اپنے ہی لئے (راحت کا) سامان کرتے ہیں تا کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے، اللہ ان کو اپنے فضل سے بدلہ عطا کرے۔ بیشک وہ ناشکروں کو پسند نہیں کرتا۔

مَرَدٌّ: لوٹانا۔ پھیرنا۔ رَدٌّ سے مصدر میمی۔

یَصَّدَّعُوْنَ: وہ متفرق ہوں گے۔ وہ جدا جدا ہوں گے۔ تَصَدُّعٌ سے مضارع۔

یَمْهَدُوْنَ: وہ جگہ بناتے ہیں۔ وہ سامان کرتے ہیں۔ مَهْدٌ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں کفر و معصیت کی نحوست کا بیان ہے کہ یہ ایسی منحوس چیزیں ہیں کہ بسا اوقات ان کی وجہ سے دنیا ہی میں طرح طرح کی آفتیں اور مصیبتیں پیش آتی ہیں جیسے قحط، سیلاب، طوفان، آندھیاں، جنگ و جدال، مار دھاڑ، اموات کی کثرت اور وبائی امراض وغیرہ اور آخرت سے پہلے اس دنیا ہی میں سزا کا مزہ چکھا دیا جاتا ہے اگر چہ پوری سزا آخرت ہی میں ملے گی۔ ان آفتوں اور مصیبتوں کے نازل کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی بداعمالی پر متنبہ ہو کر اللہ تعالیٰ طرف رجوع کرے۔

آپ ان مشرکین و منکرین سے کہہ دیجئے کہ تم دنیا میں چل پھر کر دیکھ لو کہ تم سے پہلے لوگ کفر و معصیت کے جرم میں کیسے تباہ و برباد ہوئے کہ آج روئے زمین پر ان کا کہیں نام و نشان نظر نہیں آتا۔ ان

ہلاک ہونے والوں میں اکثر مشرک ہی تھے۔ سو آپ اپنا رخ دین اسلام کی طرف کر لیجئے، قبل اس کے کہ اللہ کی طرف سے وہ دن آجائے جو کسی طرح نہیں ٹل سکتا۔ اس روز یعنی قیامت کے روز ہر فریق دوسرے فریق سے جدا ہوگا۔ ایک فریق جنت میں ہوگا اور دوسرا فریق جہنم میں۔

جس نے دنیا میں کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا، اور جس نے دنیا میں نیک اعمال کئے تو وہ اپنی ہی راحت کا سامان کر رہا ہے۔ قیامت کے روز دونوں فریقوں کو اس لئے جدا جدا کیا جائے گا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور مہربانی سے ان لوگوں کو اچھا بدلہ دے، جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا کیونکہ وہ دن رات اللہ کی قدرتوں اور نعمتوں کا مشاہدے کرنے کے باوجود ایمان نہیں لائے۔ اس لئے وہ اللہ کے فضل کے مستحق نہیں۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن آدمی کے تین رجسٹر سامنے لائے جائیں گے۔ ایک رجسٹر میں ساری نیکیاں درج ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نعمت کے رجسٹر سے سب سے چھوٹی نعمت کو لے کر فرمائے گا اس بندے کے تمام نیک اعمال کا مقابلہ کر۔ چنانچہ ایک چھوٹی نعمت تمام اعمال کو گھیر لے گی۔ نعمتوں کا رجسٹر کہے گا تیری عزت کی قسم میں نے ابھی پورا پورا احاطہ بھی نہیں کیا ہے کہ سارے نیک اعمال ختم ہو گئے اور گناہ باقی ہیں۔ لیکن جب اللہ کسی بندے پر رحم کرنا چاہے گا تو فرمائے گا، میرے بندے میں نے تیری نیکیاں چند در چند کر دیں یعنی ہزاروں گنا کر دیں اور تیری گناہوں سے درگزر کیا اور اپنی نعمتیں تجھے بخش دیں۔ (مواہب الرحمٰن ۵۳۔۱۲/۵۵، روح المعانی ۴۷/۲۱، مظہری ۲۴۸۔۲۵۰/۷)

انعامِ الٰہی کی بشارت

۴۶۔۴۷۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ خوشخبری دینے والی ہواؤں کو چلاتا ہے تاکہ تمہیں اپنی رحمت کا ذائقہ چکھائے اور تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل (رزق) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔ اور البتہ آپ سے پہلے بھی ہم نے

ان کی قوم کی طرف رسول بھیجے ہیں۔ پھر وہ ان کے پاس دلائل (معجزے) لے کر
آئے۔ پھر ہم نے مجرموں سے انتقام لیا اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر ضروری تھا۔

تشریح: اس کی نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بارش سے پہلے بارش کی خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے تاکہ تم خوش ہو جاؤ اور وہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے۔ تمہاری کھیتیاں اور باغات سر سبز و شاداب ہو جائیں اور تم ان کا پھل کھاؤ اور اللہ کے حکم سے دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں اور جہاز رواں دواں ہو جائیں اور تم آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا کر اللہ کا فضل تلاش کر سکو یعنی کشتیوں کے ذریعے تم تجارت کر سکو تاکہ تم ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرو اور شرک و معاصی کو ترک کر دو۔

اے نبی ﷺ! آپ سے پہلے بھی ہم بہت سے رسولوں کو اپنی واضح نشانیاں دے کر ان کی قوموں کے پاس بھیج چکے ہیں۔ رسولوں نے ان کو اللہ کا پیغام پہنچایا تو بعض ان میں سے ایمان لے آئے اور بعض اپنے کفر و انکار پر قائم رہے۔ پھر ہم نے مجرموں سے رسولوں کا اور اہل ایمان کا انتقام لیا اور ان کو ہلاک کر دیا اور مومنوں کی مدد و اعانت ہم پر لازم ہے۔

اللہ کی رحمت کے آثار

۴۸۔۵۱۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ ۝ فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ ۝

اللہ وہی ہے جو ہوائیں چلاتا ہے۔ پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ پھر وہ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلاتا ہے اور اس کو تہ بہ تہ کرتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس (بادل) کے اندر سے نکلتی ہے۔ پھر جب اس (بارش) کو وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے تو وہ خوش ہونے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان پر برسنے سے پہلے وہ ناامید تھے۔ پھر تو اللہ کی رحمت کے آثار تو دیکھ کہ خشک

ہونے کے بعد کس طرح وہ زمین کو سرسبز کرتا ہے۔ بیشک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اگر ہم ایک ہوا بھیجیں پھر وہ ان کھیتوں کو دیکھیں کہ زرد پڑ گئے ہیں تو یقیناً یہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں۔

تُثِیْرُ: وہ جوتتی ہے۔ وہ برانگیختہ کرتی ہے۔ وہ ابھارتی ہے۔ اِثَارَۃٌ سے مضارع۔

یَبْسُطُ: وہ کشادہ کرتا ہے۔ وہ پھیلاتا ہے۔ بَسْطٌ سے مضارع۔

کِسَفًا: ٹکڑے۔ بادل کا ٹکڑا۔ روئی کا گالا۔ واحد کِسْفَۃٌ۔

وَدْق: مینہ۔ بارش۔ اسم ہے۔

خِلٰلِہٖ: اس کے درمیان۔ واحد خَلَلٌ۔

تشریح: اللہ وہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ یہ ہوائیں بادلوں کو سمندروں پر سے اٹھاتی ہیں یا جہاں سے اللہ کا حکم ہوتا ہے وہاں سے اٹھاتی ہیں۔ پھر وہ اس ابر کو آسمان پر پھیلا دیتا ہے اور اسے بڑھا دیتا ہے۔ پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے اور تہ بہ تہ کر دیتا ہے اور وہ پانی سے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ بادل زمین کے قریب ہو جاتے ہیں اور ان کے درمیان سے بارش برسنے لگتی ہے۔ پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کی بستی پر چاہتا ہے بارش برسا دیتا ہے اور وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں حالانکہ یہی لوگ اس سے پہلے بارش سے ناامید ہو چکے تھے۔ سو تم دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعے کس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ بیشک وہی ایک دن مردوں کو بھی زندہ کر کے قبروں سے نکالنے والا ہے جبکہ ان کے جسم گل سڑ چکے ہوں گے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اگر ہم ایسی ہوا بھیجیں جو کھیتوں کو ہلاک کرنے والی ہو اور ان کی لہلہاتی کھیتی خشک ہو جائے اور یہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں تو یہ لوگ پھر سے کفر کرنے لگ جائیں گے۔ (ابن کثیر ۴۳۶، ۳/۴۳۷)

سماعِ موتیٰ

۵۲، ۵۳۔ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

بیشک آپ نہ تو مردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتے ہیں۔ جبکہ وہ

پیٹھ پھیر کر چل دیں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ پر لا سکتے ہیں۔
آپ تو بس ان کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں سو وہی
مسلمان ہوتے ہیں۔

تشریح: دنیا میں کوئی کام اللہ کی مشیت اور اس کے ارادے کے بغیر نہیں ہو سکتا مگر آدمی جو کام عام اسباب کے دائرے میں رہ کر اپنے اختیار سے کرے تو وہ اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جو کام عام عادت کے خلاف غیر معمولی طریقے سے ہو جائے اسے براہ راست اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں مثلاً کسی نے گولی مار کر کسی کو ہلاک کر دیا تو یہ اس قاتل کا فعل کہلائے گا۔ اور فرض کیجئے کہ ایک مٹھی بھر کنکریاں پھینکیں جس سے لشکر تباہ ہو گیا تو اسے کہیں گے کہ اللہ نے اپنی قدرت سے لشکر کو تباہ کر دیا جبکہ گولی سے ہلاک کرنا بھی اسی کی قدرت کا کام ہے ورنہ اس کی مشیت کے بغیر گولی یا گولہ کچھ بھی اثر نہیں کر سکتا۔

اسی طرح مردوں کا معاملہ ہے کہ آپ مُردوں کو اپنی آواز نہیں سنا سکتے کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف مُردہ کوئی بات سن لے تو اس کا انکار کوئی مومن نہیں کر سکتا یہاں موتی سے مراد کفار ہیں۔ مردہ دل ہونے کی بنا پر ان کو مردہ کہا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ آپ ان مُردوں کو نہیں سنا سکتے کیونکہ انہوں نے حق کی طرف سے اپنے باطنی حواس اور آلاتِ شعور معطل کر رکھے ہیں۔ اس لئے یہ بھی مُردوں کی مانند ہیں۔ اسی طرح آپ بہروں کو بھی اپنی آواز اور پکار نہیں سنا سکتے خاص طور پر جب وہ پیٹھ پھر کر چل دیں کیونکہ بہرہ کانوں سے تو سن نہیں سکتا اگر وہ پیٹھ پھیر کر چل دے تو ہاتھ منہ یا سر کا اشارہ بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ اسی طرح آپ اندھوں کو بھی راہ نہیں دکھا سکتے اور ان کو گمراہی سے نہیں نکال سکتے۔ سوائے نبی ﷺ! آپ تو صرف انہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں اور ہمارے فرماں بردار ہیں۔ (عثمانی ۲/۳۱۹، مظہری ۲۵۴/۷)

حیاتِ انسانی کے مراحل

۵۴۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ۝

اللہ ہی ہے جس نے کمزوری کی حالت میں تمہاری تخلیق کی۔ پھر کمزوری کے بعد

قوت عطا فرمائی، پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنایا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی علم (اور) قدرت والا ہے۔

ضُعۡفٍ: ضُعف۔ ناتوانی۔ کمزوری۔

شَیۡبَةً: بڑھاپا۔ بالوں کا سفید ہونا۔ مصدر ہے۔

تشریح: پیدائش کے وقت بچہ بے حد کمزور ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ قوت آنے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ جوانی کے وقت اس کی قوت انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ اس وقت اس کی تمام قوتیں شباب پر ہوتی ہیں۔ پھر اس کی عمر ڈھلنے لگتی ہے اور کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ آخر کار بڑھاپا آ جاتا ہے۔ اس وقت تمام اعضا ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور قویٰ معطل ہونے لگتے ہیں۔ قوت وضعف کا یہ اتار چڑھاؤ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اسی کو قدرت حاصل ہے اور وہی جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت تک کن حالات میں رکھنا مناسب ہے۔ سو اللہ تعالیٰ ہر وقت ضعف کو قوت سے اور قوت کو ضعف سے تبدیل کرنے پر قادر ہے۔ اگر یہ مشرکین و منکرین اپنے جسمانی تغیرات میں غور و فکر کریں تو وحدانیت بھی ان کی سمجھ میں آ جائے اور یہ قیامت کے بھی قائل ہو جائیں (عثمانی ٢/٣١٩)

کفار کو اہلِ علم کی ملامت

٥٥۔٥٧۔ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُقۡسِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوۡا غَيۡرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوۡا يُؤۡفَكُوۡنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَالۡاِيۡمَانَ لَقَدۡ لَبِثۡتُمۡ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوۡمِ الۡبَعۡثِ ۚ فَهٰذَا يَوۡمُ الۡبَعۡثِ وَلٰكِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ فَيَوۡمَئِذٍ لَّا يَنۡفَعُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مَعۡذِرَتُهُمۡ وَلَا هُمۡ يُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ۝

اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو گناہ گار قسمیں کھائیں گے کہ ہم (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ اسی طرح یہ لوگ (دنیا میں بھی راہ حق چھوڑ کر) الٹے چلتے تھے اور جن لوگوں کو علم و ایمان دیا گیا ہے وہ کہیں گے کہ کتاب الٰہی کے مطابق تو تم قیامت تک (دنیا میں) ٹھہرے رہے، سو یہ ہے قیامت کا دن لیکن تم جانتے ہی نہ تھے۔ پس اس دن ظالموں کا عذر کرنا ان کو کچھ فائدہ نہ دے گا اور نہ ان کا عذر قبول کیا جائے گا۔

یُوءْ فَکُوْنَ: وہ لوٹائے جاتے ہیں۔ وہ پھیرے جاتے ہیں۔ اَفْکٌ سے مضارع مجہول۔
یُسْتَعْتَبُوْنَ: ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔ ان کا عذر قبول کیا جائے گا۔ اِسْتِعْتَابٌ سے مضارع مجہول۔
تشریح: جس دن قیامت قائم ہوگی اس روز مجرم (مشرک) قسمیں کھا کر کہیں گے کہ وہ دنیا میں یا عالم برزخ میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ قیامت میں جب ان کو مصیبت سر پر کھڑی نظر آئے گی تو کہیں گے کہ افسوس دنیا اور برزخ کی زندگی بہت جلد ختم ہوگئی کچھ بھی مہلت نہ ملی کہ اس عذاب سے بچے رہتے۔ جس طرح یہ اس وقت جھوٹ بول رہے ہیں۔ اسی طرح یہ دنیا میں بھی جھوٹ کہتے تھے، دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے اور قیامت کا انکار کرتے تھے۔

جن لوگوں کو علم اور ایمان کی دولت دی گئی ہے وہ ان مجرموں سے کہیں گے کہ اللہ کی کتاب (یا لوح محفوظ) میں جتنی مدت تمہارے قیام کی لکھی ہوئی تھی تم اتنی مدت تک رہے سو یہی وہ قیامت اور دوبارہ زندہ ہونے کا دن ہے جس کا تم انکار کرتے تھے۔ قیامت کے روز ان ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہ دے گی اور نہ ان کو اللہ کی رضا جوئی کا کوئی موقع دیا جائے گا۔ اب تو ہمیشہ کی سزا بھگتنا ہوگی۔

منکرین کے دلوں پر مہر

۵۸۔۶۰۔ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝

اور البتہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کردی ہیں اور اگر آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے آئیں تب بھی جو لوگ کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم سب باطل پر ہو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر، جو سمجھ نہیں رکھتے، اسی طرح مہر کردیتا ہے۔ سو آپ صبر کیجئے۔ یقیناً اللہ کا وعدہ حق ہے اور وہ لوگ کہیں آپ کو ڈگمگا نہ دیں، جو یقین نہیں رکھتے۔

تشریح: ہم نے اتمام حجت اور حق کو واضح کرنے کے لئے اس قرآن میں لوگوں کے واسطے جگہ جگہ ہر قسم کی مثالیں بیان کردی ہیں۔ ان کی ہدایت کے لئے یہ قرآن کافی تھا مگر بغض و عناد کی وجہ سے ان

لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اے نبی ﷺ! ان کا حال تو یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی بھی معجزہ آ جائے اور یہ لوگ کیسا ہی نشان حق دیکھ لیں پھر بھی اپنی سرکشی اور عداوت کے باعث یہی کہیں گے کہ آپ (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں۔ جو لوگ بے عقلی اور جہالت کی بنا پر حق کا انکار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ پس اے نبی ﷺ! آپ ان معاندین کی ایذا رسانی پر صبر و سہار سے کام لیجئے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ آپ سے کیا ہے وہ سچا ہے اور ضرور پورا ہوگا۔ یہ منکرین آپ کو ایذا پہنچا کر اور آپ کی تکذیب کر کے کہیں آپ کو مضطرب نہ کریں۔ سو آپ امر حق پر ثابت رہئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ لقمان

وجہ تسمیہ: اس سورت میں لقمان حکیم کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے، اس لئے یہ سورۂ لقمان کے نام سے موسوم ہوگئی۔

تعارف: اس میں چار رکوع۔ چونتیس آیتیں، ۵۴۸ کلمات اور ۲۱۱۰ حروف ہیں۔

ابن مردویہ اور بیہقی نے اپنی دلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ نحاس کی روایت میں ہے کہ تین آیتیں مستثنٰی ہیں جو مدینے میں نازل ہوئیں اور وہ یہ ہیں۔ وَلَوْ اَنَّ مَافِی الْاَرْضِ ...... تین آیات تک یعنی آیت ۲۷۔۲۹ (روح المعانی ۲۱/۶۴)

اس سورت میں لقمان کی حکیمانہ اور عاقلانہ نصیحتوں کا ذکر ہے جو توحید کی دعوت، شرک کی مذمت، اخلاق حسنہ کی ترغیب اور اخلاق قبیحہ کی ترہیب پر مشتمل ہیں۔ نیز اس سورت میں مبدا و معاد اور دلائل قدرت کا ذکر ہے

جمہور علما اور سلف صالحین کا متفقہ قول یہ ہے کہ لقمان۔ حکیم اور دانا تھے مگر نبی نہ تھے۔ یہ سوڈان کے رہنے والے تھے۔ نجاری ان کا پیشہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ خطّاط تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ حضرت ایوب کے بھانجے تھے اور بعض کے نزدیک وہ ان کے خالہ زاد بھائی تھے اور انہوں نے حضرت ایوب سے علم حاصل کیا تھا۔ انہوں نے طویل عمر پائی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۱۹، ۵/۴۲۰)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کریم فلاح پانے والوں کے لئے ہدایت ورحمت کا ذریعہ ہے۔ پھر نضر بن حارث کی قرآن دشمنی کا بیان ہے۔ آخر میں مومنوں کے لئے جنت کی بشارت مذکور ہے۔

رکوع ۲: حضرت لقمان کی حکمت ووصیت اور بیٹے کو نصیحت کا بیان ہے۔

رکوع ۳: انسان کے لئے تسخیر کائنات کا بیان ہے۔ پھر اللہ کو خالق ماننے کے باوجود منکرین کا انکار وہ تکذیب مذکور ہے۔ آخر میں تسخیر شمس وہ قمر کا بیان ہے۔

رکوع: کشتیوں کا سمندر میں چلنا، قیامت میں نفسانفسی اور غیب کی باتوں کو جاننے کا بیان ہے۔

حروفِ مقطعات

۱۔ الٓمّٓ ۚ یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

سراپا ہدایت ورحمت

۲۔۵، تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ نیکی کرنے والوں کے لئے (یہ آیات) ہدایت ورحمت (کا ذریعہ) ہیں۔ (نیکی کرنے والے وہ ہیں) جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

تشریح: یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں جو نیکوکاروں کے لئے ہدایت ورحمت کا ذریعہ ہیں۔ نیکوکاروں میں جو نماز قائم کرتے ہیں۔ یعنی ارکان اور اوقات کی حفاظت کے ساتھ ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں، صلہ رحمی، سلوک واحسان اور سخاوت کرتے رہتے ہیں اور آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں۔ ہر وقت آخرت ان کے پیش نظر رہتی ہے اسی لئے ثواب کے کام کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے نازل شدہ ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ دین ودنیا میں کامل طور پر فلاح اور نجات پانے والے ہیں کیونکہ ان کے عقائد بھی صحیح ہیں اور ان کے اعمال بھی صالح ہیں۔

نضر بن حارث کی قرآن دشمنی

۶۔۷۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو (غفلت میں ڈالنے والی) لغو باتیں خریدتے ہیں تاکہ علم کے بغیر لوگوں کو اللہ کے راستے سے بہکائیں اور اس (دین) کا مذاق اڑائیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا کہ اس نے ان کو سنا ہی نہیں، گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے۔ سو آپ اس کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے۔

مُهِيْنٌ : ذلیل کرنے والا۔ بے عزت کرنے والا۔ اِهَانَةٌ سے اسم فاعل۔

وَقْرًا: بوجھ۔ بہرا پن۔ ڈاٹ۔ اسم مصدر۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نضر بن حارث نے ایک مغنیہ خریدی تھی۔ جب اس کو معلوم ہوتا کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کا خواہش مند ہے تو اس کو مغنیہ کے پاس لے آتا اور اس سے کہتا کہ اس کو کھلا پلا اور گانا سنا۔ پھر اس شخص سے کہتا محمد (ﷺ) تو تمہیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور اپنی ہمراہی میں لڑنے (جہاد) کا حکم دیتے ہیں اور اسی کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ چیزیں (جن کی دعوت میں تمہیں دے رہا ہوں) ان کی دعوت سے بہتر ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۵۸/ ۷، روح المعانی ۶۷/ ۲۱)

تشریح: لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو قرآن سے اعراض کر کے اللہ سے غافل بنا دینے والی باتوں کو خریدتے ہیں تاکہ وہ سوچے سمجھے بغیر لوگوں کو اس کے دین سے گمراہ کریں اور اس کی آیتوں کو مذاق بنائیں۔ یہ لوگ خود تو گمراہ ہیں، دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لئے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

اس شخص کی حالت یہ ہے کہ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ شخص غرور سے پشت پھیر کر چل دیتا ہے۔ اور ان کی طرف توجہ نہیں دیتا اور ایسا بن جاتا ہے کہ گویا اس نے آیات کو سنا ہی نہیں اور گویا کہ اس کے کانوں میں گرانی اور بہرہ پن ہے جو اس کو سننے سے روکتا ہے۔ سو آپ ایسے شخص کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے۔ (مظہری ۲۵۹۔۲۶۴/۷)

اہلِ ایمان کے لئے بشارت

۸۔۱۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے تو ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کا وعدہ حق ہے اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بنایا جن کو تم دیکھتے ہو اور زمین میں پہاڑوں کو ڈال دیا تاکہ وہ تمہیں لے کر (ادھر ادھر) نہ جھکے اور اس (زمین) میں ہر قسم کی عمدہ چیزیں اگائیں۔ یہ (سب کچھ) اللہ کا بنایا ہوا ہے سو اب تم مجھے دکھاؤ کہ جو اس کے سوا ہیں انہوں نے کیا پیدا کیا۔ بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

عَمَدٍ: ستون۔ کھمبے۔ واحد عُمُوْدٌ۔

تَمِيْدَ: وہ ہلتی ہے۔ وہ ڈگمگاتی ہے۔ وہ جھکتی ہے۔ مَيْدٌ سے مضارع۔

رَوَاسِيَ: جمے ہوئے۔ پہاڑ۔ بوجھ۔ واحد رَاسِيَةٌ۔

بَثَّ: اس نے اڑایا۔ اس نے بکھیرا۔ اس نے پھیلایا۔ بَثٌّ سے ماضی۔

دَاۗبَّةٍ: چلنے والا۔ چوپایہ۔ دَبٌّ سے اسم فاعل۔

اَنْبَتْنَا: ہم نے اگایا۔اِنْبَاتٌ سے ماضی۔

تشریح: ان آیتوں میں نیک لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور شریعت کے احکام کے تحت نیک کام کرتے رہے تو ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں جہاں طرح طرح کی لذیذ غذائیں، بہترین پوشاکیں اور عمدہ سواریاں وغیرہ ملیں گی۔ یہ لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ جہاں نہ تو ان کو موت یا فنا سے سابقہ پڑے گا اور نہ ان کی نعمتیں کبھی فنا یا کم ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پکا اور سچا ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔

اگر تم اس کی شان عزت و حکمت پہچاننا چاہتے ہو تو اس کے عجائبات قدرت میں غور کرو۔ اسی نے آسمانوں کو ستونوں اور سہارے کے بغیر قائم کیا ہوا ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ یہ اس کی صنعت کے کمال کی دلیل ہے کہ اس نے اتنا بلند اور طویل جسم ستونوں کے بغیر قائم کر رکھا ہے اور اس نے زمین میں بڑے بڑے پہاڑ ڈال دیئے، تاکہ وہ تمہیں لے کر ادھر ادھر نہ جھکے اگر زمین میں اضطراب اور تزلزل ہوتا تو اس پر ٹھہرنا اور چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا۔ اسی نے اپنی قدرت سے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں جن کے اجسام، اعضا، صورتیں، رنگتیں، آواز اور خوراک وغیرہ مختلف ہیں۔ اسی نے اپنے قدرت سے آسمان سے پانی اتارا، جس پر تمہاری اور دیگر مخلوقات کی زندگی کا دارومدار ہے پھر اس پانی سے زمین میں عمدہ عمدہ نباتات اگائے جن کے فوائد و منافع کو کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ یہ سب کچھ جو دکھائی دے رہا ہے وہ تو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں پس اے مشرکو! جن کو تم اللہ کے سوا معبود مانتے ہو انہوں نے کیا چیز پیدا کی یہ لوگ ایسی کوئی چیز پیش نہیں کر سکتے جو ان کے باطل معبودوں نے بنائی ہو بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۲۴، ۴۲۵/ ۵، مظہری ۲۶۴، ۲۶۵/ ۷)

حضرت لقمان کی حکمت

۱۲۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

اور البتہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی (اور کہا) کہ اللہ کا شکر کرتے رہو اور جو شکر کرتا ہے تو وہ اپنے لئے ہی شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو اللہ بے نیاز ہے (اور) سب تعریفوں والا ہے۔

تشریح: اے لقمان اس اللہ کا شکر ادا کر جس نے تجھے علم وحکمت اور فہم وفراست جیسی عظیم نعمت عطا کی۔ حضرت قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں حکمت سے مراد اسلام کی سمجھ ہے۔ پھر فرمایا کہ خوب سمجھ لو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے لئے کرتا ہے کیونکہ شکر سے نعمت باقی بھی رہتی ہے اور اس میں اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ سو جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کے شکر وحمد کا محتاج نہیں سب اس کے محتاج ہیں۔ اگر ساری زمین والے بھی کافر ہو جائیں تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ پس تحقیق اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں سے بالکل بے نیاز ہے اور وہ اپنی صفات اور افعال میں ہر وقت حمید اور پسندیدہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت لقمان کسی مجلس میں وعظ فرما رہے تھے تو ایک چرواہے نے ان کو دیکھ کر کہا کہ کیا تو وہی نہیں جو میرے ساتھ فلاں فلاں جگہ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں۔ اس نے کہا کہ پھر تجھے یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا۔؟ حضرت لقمان نے کہا، سچ بولنے اور بے کار کلام نہ کرنے سے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی بلندی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور امانت کی ادائیگی اور کلام کی سچائی اور بے نفع کاموں کو چھوڑ دینا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت لقمان سے کہا کیا تو بنی حسحاس کا غلام نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہوں۔ اس نے کہا کیا تو بکریوں کا چرواہا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا ہاں ہوں۔ اس نے کہا کیا تو سیاہ رنگ نہیں؟ انہوں نے کہا ظاہر ہے میں سیاہ رنگ ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا یہی کہ پھر کیا وجہ ہے کہ تیری مجلس پُر رہتی ہے۔ لوگ تیرے دروازے پر آتے رہتے ہیں اور تیری باتیں شوق سے سنتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو باتیں میں تمہیں کہتا ہوں ان پر عمل کرلو تم بھی مجھ جیسے ہو جاؤ گے۔ آنکھیں حرام چیزوں سے بند کرلو۔ زبان بیہودہ باتوں سے روک لو۔ حلال مال کھایا کرو۔ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو، زبان سے سچ بات بولا کرو۔ وعدے کو پورا کیا کرو۔ مہمان کی عزت کرو۔ پڑوسی کا خیال رکھو، بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دو۔ انہی عادتوں کی وجہ سے میری بزرگی ہوئی ہے۔ (ابن کثیر ۴۴۳، ۳/۴۴۴)

حضرت لقمان کی وصیت

۱۳۔۱۵، وَإِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۖ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۖ إِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے بیٹے ! اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک نہ کرنا ۔ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے ۔ اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق (نیکی کا) حکم دیا ۔ اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے (اس لئے ہم نے حکم دیا) کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر (آخر تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ دونوں تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ اسے شریک کرے جس کا تجھے علم بھی نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا اور اس کی راہ پر چل جو میری طرف رجوع ہوا ۔ پھر تم سب کو لوٹ کر میری ہی طرف آنا ہے ۔ پھر میں تم کو بتا دوں گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے ۔

وَهْنًا: ضعف ۔ کمزوری ۔ مصدر ہے ۔

فِصٰلُهٗ: اس کا دودھ چھڑانا ۔ مصدر بھی ہے اسم بھی ۔

اَنَابَ: وہ متوجہ ہوا ۔ وہ رجوع ہوا ۔ اِنَابَةٌ سے ماضی ۔

تشریح: ان آیتوں میں اس بہترین وعظ اور عمدہ نصیحتوں کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے لڑکے کو کی تھیں ۔ سب سے پہلے انہوں نے یہ نصیحت کی کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ اس سے بڑا ظلم اور اس سے بڑی بے حیائی اور اس سے زیادہ برا کام اور کوئی نہیں ۔

ہم نے والدین کے ساتھ حسن سلوک واحسان کرنے کا حکم دیا ہے اور ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے کیونکہ وہ ضعف پر ضعف برداشت کرتے ہوئے مہینوں تک اس کا بوجھ اٹھائے پھری اور وضع حمل کے بعد اس نے دو سال تک اس کو دودھ پلایا اور بے شمار تکلیفیں اور سختیاں جھیل کر اس نے بچے کی تربیت کی ، اس لئے ضروری ہے کہ آدمی پہلے اللہ کا پھر اپنے والدین کا خصوصاً ماں کا حق پہچانے ۔ ایک

دن سب کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اس لئے آدمی سوچ لے کہ وہاں کیا منہ لے کر جائے گا۔

اگر چہ ہم نے تمہیں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خدمت و اطاعت کا حکم دیا ہے لیکن اگر والدین تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میری عبادت میں باطل معبودوں کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو ایسی صورت میں ماں باپ کا کہنا نہ ماننا، کیونکہ خالق کے مقابلے میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ البتہ دنیوی زندگی میں والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو حتی کہ اگر والدین کافر ہوں تب بھی ان کی ضروریات کا خیال رکھو اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ اور دین کے معاملے میں ان انبیا اور صالحین کی اتباع کرو جو ہمہ تن میری طرف جھکے ہوئے ہیں۔ اس دنیا کی زندگی کے بعد تم سب لوٹ کر میرے ہی پاس آؤ گے۔ اس وقت میں تم سب کو تمہارے اعمال کے بارے میں بتا دوں گا اور تمہیں اسلام کی جزا اور تمہارے والدین کو کفر کی سزا دوں گا۔ (ابن کثیر ۳/۴۴۴، عثمانی ۲/۳۲۵)

دوسری نصیحت

۱۶۔۱۹۔ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ؀ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ؀ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ؀ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ؀

اے بیٹے اگر کوئی (عمل) رائی کے دانے کے برابر ہو۔ پھر وہ کسی پتھر میں (چھپا ہوا) ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں تو (قیامت کے روز) اللہ اس کو بھی لے آئے گا۔ بیشک اللہ باریک بین (اور) خبردار ہے۔ اے بیٹے! نماز اور اچھے کاموں کا حکم کیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر اور جو مصیبت تجھ پر آ جائے اس پر صبر کر۔ یقیناً یہ بڑی ہمت کے کام ہیں اور لوگوں سے بے رخی نہ کیا کر اور زمین پر اترا کر نہ چل بیشک اللہ کسی تکبر کرنے والے اور شیخی کرنے

والے کو پسند نہیں کرتا۔اور اپنی چال سے اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ کیونکہ آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔

خَرْدَلٍ: رائی۔واحد خَرْدَلَۃٌ۔

صَخْرَۃٍ: بڑا پتھر۔سخت پتھر۔جمع صَخْرٌ۔

تُصَعِّرْ: تو پھیر۔تو موڑ۔تَصْعِیْرٌ سے مضارع۔

خَدَّکَ: تیرا گال۔تیرا رخسار۔جمع خُدُوْدٌ۔

مَرَحاً: اکڑتا ہوا۔اتراتا ہوا۔مصدر ہے۔

مُخْتَالٍ: تکبر کرنے والا۔غرور کرنے والا۔اِخْتِیَالٌ سے اسم فاعل۔

اقْصِدْ: تو قصد کر۔تو اعتدال اختیار کر۔قَصْدٌ سے امر۔

اُغْضُضْ: پست کر۔تو نرم کر۔غَضٌّ سے امر۔

اَنْکَرَ: بہت ناپسندیدہ۔بہت برا۔نَکَارَۃٌ سے اسم تفضیل۔

الْحَمِیْرُ: گدھے۔واحد حِمَارٌ۔

تشریح: جب لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تو اس نے باپ سے پوچھا کہ اگر میں کسی ایسے مقام پر گناہ کروں جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو تو کیا اللہ تعالیٰ اس کو بھی جان لے گا اور اس پر مواخذہ کرے گا حضرت لقمان نے کہا اے بیٹے! اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل ہو خواہ وہ نیک ہو یا بد اور وہ عمل کسی پتھر اندر چھپا ہوا ہو اور پتھر میں کوئی سوراخ بھی نہ ہو یا وہ عمل آسمانوں میں جہاں عام طور پر کسی کی رسائی نہیں یا وہ عمل زمین کی تہہ میں چھپا ہوا ہو تو قیامت کے دن حساب وکتاب کے وقت اللہ تعالیٰ اس کو ضرور لا حاضر کرے گا۔اور اس کا حساب لے گا۔بیشک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین اور باخبر ہے اس کا علم ذرے ذرے کو محیط ہے۔وہ ہر چیز کی حقیقت سے خوب باخبر ہے

اے بیٹے نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہنا کیونکہ یہ دین کا ستون ہے۔اس کے قائم رہنے سے دین قائم رہتا ہے اور دوسروں کی اصلاح کے لئے ان کو نیک اور پسندیدہ باتوں کا حکم دیتے رہنا اور بری اور ناپسندہ باتوں سے منع کرتے رہنا۔اس امر ونہی کے راستے میں تجھے جو تکلیفیں پہنچیں ان پر صبر کرنا۔بیشک ایذاؤں اور تکلیفوں پر صبر کرنا بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

اے بیٹے جب تو لوگوں سے ملاقات کرے تو ان کو حقیر سمجھ کر ان سے رخ نہ موڑنا۔جیسا کہ

متکبرین کا طریقہ ہے اور اے بیٹے! زمین پر اتراتے ہوئے اکڑ کر نہ چلنا کیونکہ اترانے اور شیخیاں مارنے سے آدمی کی عزت نہیں بڑھتی بلکہ وہ ذلیل وحقیر ہو جاتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے اور شیخی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں متانت، تواضع اور میانہ روی اختیار کرو اور بات کرتے وقت اپنی آواز کو نرم اور پست کرو کیونکہ سخت اور کرخت آواز لوگوں پر گراں ہوتی ہے اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ بلا شبہ تمام آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی ہوتی ہے اگر اونچی آواز سے بولنا کوئی کمال ہوتا تو گدھے کی آواز پر خیال کرو کہ وہ بہت زور سے آواز نکالتا ہے مگر اس کی آواز کس قدر کریہہ اور کرخت ہوتی ہے　　(عثمانی ۳۲۶/۲ معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ ۴۳۰/۵)

آبا و اجداد کی اندھی تقلید

۲۰، ۲۱۔　اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے معاملے میں جھگڑتے ہیں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کی اتباع کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا اگر شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو (تب بھی)؟

اَسْبَغَ:　اس نے پورا کیا۔ اِسْبَاغٌ سے ماضی۔

السَّعِیْر:　دہکتی ہوئی آگ۔ دوزخ۔ سَعْرٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

تشریح:　کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اللہ تعالیٰ

نے تمہارے کام پر لگا رکھا ہے مثلاً چاند، ستارے، بادل، بارش، خشکی، سمندر، دریا، پہاڑ، درخت، کھیتی، پھل، پھول وغیرہ۔ یہ سب نعمتیں اسی کی دی ہوئی ہیں۔ پھر ان ظاہری نعمتوں کے علاوہ اس نے اور بھی ظاہری نعمتیں تمہیں دے رکھی ہیں، مثلاً اسلام، رسول، قرآن، اتباع رسول کی توفیق، خوبصورتی، اعضا کی درستی، رزق۔ عافیت، دشمن پر غلبہ، وغیرہ۔ باطنی نعمتوں سے مراد ہے عقل، حسن اخلاق، دل میں صحیح اعتقاد ڈال دینا۔ گناہوں پر فوری پکڑ نہ ہونا۔ ملائکہ کے ذریعے مدد پہنچانا۔ اللہ اور اسکے رسول سے محبت وغیرہ۔ ان نعمتوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس ذات نے اتنی بڑی بڑی اور اتنی ساری نعمتیں دے رکھی ہیں اس پر سب لوگ ایمان لاتے لیکن افسوس، بہت سے لوگ اب تک اللہ تعالیٰ کے بارے میں الجھ رہے ہیں اور محض جہالت، گمراہی، کسی سند دلیل اور روشن کتاب کے بغیر الجھ رہے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی کی اتباع کرو تو وہ نری بے حیائی سے کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو چلتے پایا۔ کیا اگر شیطان ان کے باپ دادا کو بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو تب بھی یہ لوگ باپ دادا کے پیچھے چلیں گے۔

(ابن کثیر، ۴۵۰/۳، مظہری ۲۷۴،۲۷۳/۷)

منکرین کا انکار و تکذیب

۲۲۔۲۴۔ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝

اور جس نے اپنا رخ اللہ کی طرف کرلیا اور وہ نیک بھی ہو تو یقیناً اس نے مضبوط حلقہ تھام لیا اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے، اور جس نے کفر کیا تو اس کے کفر سے آپ کو رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے۔ ان کو ہمارے پاس ہی لوٹنا ہے پھر ہم ان کو بتا دیں گے کہ وہ (دنیا میں) کیا کیا کرتے تھے۔ بیشک اللہ دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔

عُرْوَةِ: حلقہ۔ کڑا۔ آبخورے کا دستہ۔ جمع عُرًى۔

وُثْقٰی: بہت مستحکم۔ بہت مضبوط۔ وَثُوْقٌ سے اسم تفضیل۔

نَضْطَرُّ: ہم کھینچ کر لائیں گے۔ ہم مجبور کریں گے۔ اِضْطِرَارٌ سے مضارع۔

تشریح: جو شخص اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرے، جو اللہ کا سچا فرماں بردار بن جائے، اس کے احکام پر پوری طرح عمل کرے اور اس کے منع کردہ کاموں سے رک جائے تو گویا اس نے بہت مضبوط حلقے اور رسی کو پکڑ لیا۔ آخر کار سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف نہ کرے اور انکار کردے تو اس کے انکار سے آپ کو رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے۔ ان کا معاملہ آپ ہمارے اوپر چھوڑ دیجئے، ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت ہم ان کو ان کے اعمال کے بارے میں بتا دیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں سے واقف ہے۔ ہم ان کو دنیا میں چند روز تک فائدہ اٹھانے دیں گے پھر ہم ان کو مجبور کر کے بھاری عذاب کی طرف لے جائیں گے۔

اللہ کی خالقیت

۲۵۔۲۸، وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے (پیدا کیا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر اتنا بھی نہیں جانتے۔ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بے شک اللہ بے نیاز (اور) لائق حمد ہے۔ جو کچھ زمین میں درخت ہیں، اگر وہ سب قلم ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی (بن جائیں اور) اس کے بعد اس میں (سیاہی کے) سات سمندر اور آملیں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں بیشک اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

تم سب کو پیدا کرنا اور مرنے کے بعد زندہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا (پیدا یا زندہ کرنا) بیشک اللہ سنتا (اور) دیکھتا ہے۔

یَمُدُّہٗ: وہ اس کو کھینچتا ہے۔ وہ اس کو دراز کرتا ہے، وہ اس کو ڈھیل دیتا ہے۔ وہ اس کی سیاہی میں اضافہ کرتا ہے مَدٌّ سے مضارع واحد۔

نَفِدَتْ: وہ ختم ہوگئی۔ نَفَدٌ سے ماضی۔

تشریح: یہ مشرکین اس بات کو تو مانتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق ایک اللہ ہے لیکن پھر بھی باطل معبودوں کی عبادت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے تمہیں تمہارے عقیدے کے خلاف اقرار کرنے پر مجبور کر دیا بلکہ اکثر مشرکین بے علم ہوتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار ان پر لازم ہے۔ اور جب ان کو اس بارے میں متنبہ کیا جاتا ہے تو متنبہ بھی نہیں ہوتے۔ آسمانوں اور زمین کی ہر چھوٹی بڑی، چھپی، کھلی چیز، اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور اسی کی ملکیت ہے۔ بے شک وہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ وہی سزاوارِ حمد ہے، وہی خوبیوں والا اور قابل تعریف ہے۔ اگر چہ زمین و آسمان محدود و متناہی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی قدرت لامحدود اور لامتناہی ہے۔ اگر بالفرض روئے زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندروں کے پانی سیاہی بن جائیں اور ان کے ساتھ سات سمندر اور ملائے جائیں اور پھر ان سے اللہ کی عظمت وصفات اور جلالت و بزرگی کے کلمات لکھے جائیں تو تمام قلم گھس جائیں گے اور سیاہی کے تمام سمندر ختم ہو جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کی تعریفیں ختم نہ ہوں گی بلاشبہ اللہ تعالیٰ غالب ہے۔ کوئی طاقت اس کو مغلوب نہیں کر سکتی۔ وہ حکمت والا ہے کوئی چیز اس کے علم وحکمت سے باہر نہیں۔

تم سب کو پیدا کرنا اور قیامت کے روز سب کو زندہ کر کے اٹھانا اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کو پیدا کرنا اور اٹھانا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۳۷/ ۵، مظہری ۲۷۴/ ۷)

تسخیر شمس وقمر

۲۹، ۳۰۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؗ كُلٌّ يَّجْرِىْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

خَبِيْرٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے۔ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ حق ہے اور اس کے سوا جس کو وہ پکارتے ہیں باطل ہے اور یقیناً اللہ ہی بہت بلند (اور) بڑی شان والا ہے۔

تشریح: اے اللہ کی قدرت کا انکار کرنے والے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں، گرمیوں میں رات دونوں طرف سے کم ہو کر دن میں داخل ہو جاتی ہے اور سردیوں میں دن دونوں طرف سے کم ہو کر رات میں داخل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو مسخر کیا کہ ہر وقت اس کے حکم کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ ہر ایک مقررہ وقت تک یعنی قیامت کے روز تک اسی طرح چلتا رہے گا۔ جو کچھ تم کرتے ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

یہ سب عجائبات قدرت اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی موجود برحق ہے۔ اسی کے حکم سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے۔ اس کے سوا جن معبودوں کو وہ پکارتے ہیں وہ باطل ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی سب سے بالا اور سب سے بڑا ہے اس سے بڑا کوئی نہیں۔

کشتیوں کا سمندر میں چلنا

۳۱، ۳۲۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کی عنایت سے کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں تاکہ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھادے۔ البتہ اس میں ہر صبر کرنے والے (اور) شکر کرنے والے کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ اور جب

پہاڑ جیسی موجیں ان کو ڈھانک لیتی ہیں تو نہایت خلوص کے ساتھ وہ اللہ کو پکارتے ہیں۔ پھر جب اللہ ان کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو ان میں سے بعض تو اعتدال پر رہتے ہیں اور جو بدعہد اور ناشکرے ہوتے ہیں وہی ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

غَشِیَھُمْ: اس نے ان کو ڈھانک لیا۔ اس نے ان کو گھیر لیا۔ غِشْیَانٌ سے ماضی۔

ظُلَلٍ: سائبان۔ بادل۔ مراد عذابِ الٰہی۔

مُقْتَصِدٌ: متوسط درجہ کا۔ درمیانی راہ چلنے والا۔ عہد کو پورا کرنے والا۔ اِقْتِصَادٌ سے اسم فاعل۔

یَجْحَدُ: وہ انکار کرتا ہے۔ جَحْدٌ سے مضارع۔

خَتَّارٍ: بڑا دھوکہ باز۔ عہد توڑنے والا۔ بہت جھوٹا۔ غدار۔ خَتْرٌ سے مبالغہ۔

تشریح: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ سمندر میں کشتیاں اللہ کے فضل و احسان سے چلتی ہیں تا کہ وہ تمہیں اپنی قدرت کی کچھ نشانیاں دکھا دے کہ اس نے پانی میں ایسی قوت رکھی ہے کہ وہ بڑے بڑے جہازوں کو اٹھائے پھرتا ہے۔ بیشک ان کشتیوں اور جہازوں کے سمندروں کے اندر چلنے میں صابر و شاکر لوگوں کے لئے اللہ کی قدرت و نعمت کی نشانیاں ہیں کیونکہ سمندر کا سفر سخت دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے جو لوگ بحری سفر کی سختیوں کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرتے ہیں اور آسائیوں میں شکر کرتے ہیں تو وہ سفر کے دوران قدرت الٰہی کی نشانیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

جب ان کشتی والوں کو دریا کی کوئی بڑی موج سائبان کی طرح ڈھانک لیتی ہے تو اس وقت وہ تمام شرک بھول کر خالص اللہ کو پکارتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں ہولناک موج سے نجات دے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو بچا کر صحیح و سالم خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو اس وقت ان میں سے کچھ لوگ تو اعتدال پر رہتے ہیں اور اکثر منکر ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ بدعہد اور ناشکرے ہوتے ہیں وہی ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

قیامت میں نفسا نفسی

۳۳۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِہٖ ز وَلَا مَوْلُوْدٌ ھُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِہٖ شَیْئًا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا ٝ وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ ۝

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس دن نہ باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آئے گا۔ بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے۔ سو دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ شیطان تمہیں اللہ سے دھوکے میں رکھے۔

یَجْزِیْ: وہ جزا دے گا۔ وہ بدلہ دے گا۔ وہ کام آئے گا۔ جَزَاءٌ سے مضارع۔

تَغُرَّنَّکُمْ: وہ تم کو ضرور دھوکہ دے گی۔ وہ تم کو ضرور بہکائے گی۔ غُرُوْرٌ سے مضارع۔

تشریح: اے لوگو! اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے اور اس کی نافرمانی سے بچو اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہ آئے گا۔ اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کام آ سکے گا۔ قیامت کے روز اگر بالفرض باپ یہ چاہے کہ اپنے بچے کے بدلے اپنی جان کا فدیہ دے دے تو یہ ہرگز قبول نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر بچہ یہ چاہے کہ وہ اپنے آپ کو باپ کی جگہ فدیہ کر دے تو یہ بھی قبول نہ ہوگا، وہ ایسا ہولناک اور وہ شر با دن ہوگا کہ اولاد اور والدین میں سے کوئی ایثار کر کے دوسرے کی مصیبت اپنے سر لینے کو تیار نہ ہوگا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔

بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے قیامت کا دن ضرور آ کر رہے گا۔ کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا۔ سو دنیا کی چند روزہ بہار اور چہل پہل سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے کہ زندگی ہمیشہ اسی طرح رہے گی۔ یہاں آرام سے ہیں تو وہاں بھی آرام ملے گا۔ اس دغا باز شیطان کے دھوکے سے بچو جو اللہ کا نام لے کر دھوکہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ دنیا میں خوب مزے اڑا لو، بڑھاپے میں توبہ کر لینا اللہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ یہ سب دھوکہ ہے کسی کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کب پکڑ لے۔ (مواہب الرحمٰن ۲۱/۱۰۶، ۱۰۷، عثمانی ۲/۲۳۰)

مفاتیح الغیب

۳۴۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

بیشک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کو کیا کرے

گا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر مرے گا۔ البتہ اللہ علیم (اور) خبیر ہے۔

اَلغَیثُ:　بارش۔ جمع غُیُوثٌ۔

غَدًا:　آنے والا کل۔ روز قیامت۔

شانِ نزول:　ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحرا نشین لوگوں میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ قیامت کب ہوگی۔ اس شخص نے یہ بھی کہا کہ میری بیوی حاملہ ہے بتائیں کیا پیدا ہوگا، اور ہمارا ملک خشک سالی میں مبتلا ہے بتائیں بارش کب ہوگی، اور جس زمین پر میں پیدا ہوا تھا وہ تو مجھے معلوم ہے لیکن کس جگہ مروں گا یہ آپ بتائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔　(مظہری ۲/۲۷۹، روح المعانی ۱۰۹/۲۱)

تشریح:　بیشک اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ اس کا علم نہ کسی پیغمبر کو ہے اور نہ کسی مقرب فرشتے کو۔ اللہ تعالیٰ ہی بارش نازل کرتا ہے جس پر لوگوں کی حیات اور بقا کا مدار ہے۔ اس کے نازل ہونے کا وقت بھی پہلے سے کسی کو معلوم نہیں ہوتا یہاں تک کہ آسمان پر گھرے بادل چھا جانے کے بعد بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ بادل یہاں برسے گا یا کہیں اور اگر یہاں برسے گا تو کتنا پانی برسائے گا اور کس طرح برسائے گا۔ بارش تیز ہوگی یا ہلکی یا کتنی دیر تک ہوگی۔ دن کو ہوگی یا رات کو ہوگی اور کس وقت ہوگی۔ یہ سب تفصیلات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے لڑکا ہے یا لڑکی ناقص ہے یا کامل۔ کالا ہے یا گورا، نیک ہے یا بد، عاقل ہے مجنون۔ اس کی عمر کتنی ہوگی وغیرہ۔ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کل کو کیا کرے گا۔ بھلائی کرے گا یا برائی وغیرہ۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی موت کہاں کب اور کس حال میں واقع ہوگی۔ بسا اوقات ایسی جگہ جا کر مرتا ہے جو وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی سب چیزوں کو جاننے والا ہے اور وہی ہر چیز کے ظاہر و باطن سے باخبر ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۱۰۸۔۱۱۱/۲۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ ۴۴۰، ۵/۴۴۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ السجدہ

وجہ تسمیہ: اس سورۃ کو سورۂ سجدہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی آیت ۱۵ میں سجدہ تلاوت آیا ہے۔ اس کو المضاجع بھی کہتے ہیں جیسا کہ اتقان میں ہے۔ مجمع البیان میں اس کو سورۃ السجدہ کا نام دیا گیا ہے تا کہ حم سجدہ کے ساتھ التباس نہ ہو۔ (روح المعانی ۲۱/۱۱۵)

تعارف: اس میں ۳ رکوع، تیس آیتیں، ۳۷۴ کلمات اور ۱۵۷۷ حروف ہیں۔

ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ یہ سورت مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ یہی ابن الزبیر کا قول ہے۔ بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا سے تین آیات تک مدنی ہیں۔ کلبی اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔ بعض نے تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ سے كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ تک پانچ آیت کا استثنٰی کیا ہے۔ (روح المعانی ۲۱/۱۱۵، مواہب الرحمٰن ۲۱/۱۱۱)

اس سورت میں بھی توحید کے دلائل اور حشر و نشر کا بیان ہے۔

فضائل: احمد، ترمذی، نسائی، عبد بن حمید، دارمی، ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے سورۂ الم تنزیل السجدہ اور تبرک الذی بیدہ الملک پڑھا کرتے تھے۔

ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز فجر کی نماز میں سورۂ الم تنزیل (الم سجدہ) اور ھل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے۔ ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عباس

سے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

ابن مردویہ نے ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مغرب اور عشا کے درمیان تبارک الذی بیدہ الملک اور الم سجدہ پڑھی تو گویا اس نے لیلۃ القدر میں قیام کیا۔ (روح المعانی ۲۱/۱۱۶، مواہب الرحمٰن ۲۱/۱۱۱)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کی حقانیت اور توحید کے دلائل کا بیان ہے۔

رکوع ۲: منکرین و مومنین کا حال بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں جہنم میں کافروں کی حالت مذکور ہے۔

رکوع ۳: قیامت کے روز اہل حق اور منکرین کے درمیان دوٹوک فیصلہ ہونا مذکور ہے۔ پھر مکذبین کی تہدید اور قیامت پر ان کے شبہ کا ذکر ہے۔

حروفِ مقطعات

۱۔ الٓمّٓ ۞ یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

قرآن کی حقانیت

۲۔۳، تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۞

بلا شبہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے خود گھڑ لیا ہے بلکہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔ (یہ اس لئے نازل کی گئی) تا کہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ شاید وہ راہِ راست پر آ جائیں۔

تشریح: اس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ یہ کتاب (یعنی قرآن مجید) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ مشرکین کا یہ قول غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے بلکہ یہ سچی کتاب ہے جو آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے تا کہ آپ

اس کتاب کے ذریعے ایک ایسی قوم کو اللہ کے عذاب سے خبردار کریں جن کے پاس اس سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، شاید آپ کے خبردار کرنے سے وہ لوگ راہِ راست پر آ جائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک عرب میں کوئی پیغمبر نہیں آیا۔ یہ دورِ فترت کا دور کہلاتا ہے۔

توحید کے دلائل

۴، ۵۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝

اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ روز میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر قائم ہوا۔ تمہارے لئے اس کے سوا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں۔ کیا تم پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ آسمان سے زمین تک وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر وہ کام ایک ہی دن میں اس (اللہ) کی طرف چڑھ جاتا ہے۔ جس کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ہزار برس ہوگی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، دنیا کے اعتبار سے چھ دن کی مقدار میں پیدا کر دیا۔ پھر وہ عرش پر قائم ہو گیا۔ پس عرش سے لے کر فرش تک سب اسی کی مخلوق اور مملوک ہے اور اوپر سے لے کر نیچے تک ہر کون و مکان اور ہر زمین و زمان میں اسی کا حکم جاری ہے۔ ہر چیز پر اسی کا غلبہ ہے۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور دوسروں پر بھروسہ کرتے ہیں کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اتنی بڑی قدرتوں والا کسی کو اپنا شریک کار کیوں بنانے لگا۔ وہ برابری سے اور وزیر و مشیر اور شریک و سہیم سے پاک و منزہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سوائے مشرکو! جب تمہیں اللہ کی شان معلوم ہوگئی تو سمجھ لو کہ تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی سفارشی۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے لے کر زمین تک تمام امور کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر قیامت کے روز جس

کی مقدار تمہارے گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار برس کے برابر ہوگی تمام امور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور وہ ان کا فیصلہ کرے گا۔ لہذا تم اپنی سرکشی سے باز آجاؤ اور اس دن کے آنے سے ڈرو۔
(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۔ ۴۴۵، ۴۴۶/ ۵، ابن کثیر ۴۵۶، ۴۵۷/ ۳)

انسانوں کی تخلیق

۶ ۔ ۱۱ ۔ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝

وہی پوشیدہ اور ظاہر (چیزوں) کا جاننے والا ہے۔ زبردست (اور) مہربان ہے جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی اور انسان کی تخلیق مٹی سے شروع کی۔ پھر اس کی اولاد ایک بے وقعت پانی کے خلاصے سے پیدا کی۔ پھر اس (انسان) کو ٹھیک کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور اسی نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے (اس پر بھی) تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ اور وہ (کافر) کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی میں مل گئے تو کیا پھر نئے سرے سے پیدا ہوں گے بلکہ وہ اپنے رب سے ملنے کے منکر ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ (ایک روز) موت کا وہ فرشتہ جو تم پر متعین ہے تمہاری جان قبض کرے گا۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

طِيْنٍ: گارا۔ مٹی۔ خاک۔

سُلٰلَةٍ: خلاصہ۔ سَنی ہوئی۔ نچوڑی ہوئی۔

مَهِيْنٍ: ذلیل۔ حقیر۔ بے عزت۔ هُوْنٌ سے صفت مشبہ۔

سَوّٰىهُ: اس نے اس کو تندرست کیا۔ اس نے اس کو صحیح سالم بنایا۔ تَسْوِيَةٌ سے ماضی۔

لِقَاءِ: ملاقات کرنا۔ ملنا۔ مصدر ہے۔

وُکِّلَ: وہ مقرر کر دیا گیا۔ وہ ذمہ دار بنا دیا گیا۔ تَوْکِیْلٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: وہی ذات جس کا حکم اور جس کی تدبیر عرش سے لے کر فرش تک جاری ہے پوشیدہ اور ظاہر کی جاننے والی اور غالب اور مہربان ہے، اس کی تخلیق آسمانوں اور زمین تک محدود نہیں بلکہ ہر چیز کو اسی نے بنایا اور اس نے انسان کی تخلیق کو گارے مٹی سے شروع کیا پھر اس کی نسل کو ایک حقیر پانی کے خلاصے سے بنایا۔ اس کو اعضا کی شکل دیکر اس کے اعضا میں خاص تناسب رکھا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ پھر اس نے تمہارے فائدے کے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے، تاکہ تم کانوں سے کلامِ توحید اور حمدِ الٰہی سنو اور آنکھوں سے آیاتِ قدرت کا مشاہدہ کرو اور دل سے معرفتِ الٰہی پہچانو! افسوس تم ایسی عظیم نعمتوں کی بھی برائے نام قدر کرتے ہو۔

جو لوگ قیامت کے روز قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنے کے منکر ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر زمین میں اس طرح مل جائیں گے کہ ہمارے جسم کے مختلف اعضا اور زمین کے ذرات ایک ہو جائیں گے اور دونوں میں کوئی تمیز باقی نہیں رہے گی تو کیا پھر بھی ہمیں دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ صرف دوسری زندگی ہی کا انکار نہیں کرتے بلکہ یہ لوگ تو اپنے رب کے سامنے پیش ہونے ہی کے منکر ہیں۔

آپ کہہ دیجئے کہ مرنے کے وقت موت کا وہ فرشتہ جو تمہارے لئے مقرر ہے تمہاری روح اور جان کو تمہارے بدن اور اعضا سے پوری طرح نکال کر دوسرے عالم میں لے جائے گا اور تمہارے جسم کو یہیں اس دنیا میں چھوڑ دے گا جو مٹی بن جائے گا۔ پھر جب قیامت آئے گی تو تمہاری اس مٹی میں روح ڈال دی جائے گی اور تم دوبارہ زندہ ہو جاؤ گے اور اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور اس کے سامنے حاضر کر دیئے جاؤ گے۔ جس خدا نے پہلی بار تمہیں مٹی سے پیدا کیا تھا اور تم میں روح ڈالی تھی وہی خدا پھر تمہارے خاکی اجزا کو جمع کر کے دوبارہ ان میں روح ڈال دے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۴۸۔۴۵۱/ ۵، مواہب الرحمٰن ۱۱۶۔۱۱۹/ ۲۱)

منکرین کا حال

۱۲۔۱۴۔ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا

لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

کاش آپ دیکھتے جب گناہ گار لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا سو تو ہمیں (دنیا میں) لوٹا دے تو ہم نیک اعمال کریں گے (اب) ہمیں پورا یقین آ گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت پر لے آتے لیکن میری طرف سے یہ بات قرار پا چکی ہے کہ میں انسانوں اور جنوں سے جہنم کو ضرور بھر کر رہوں گا۔ سو تم اپنے اس دن کی ملاقات کے فراموش کر دینے کا مزہ چکھو۔ ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا اور اپنے کئے کے بدلے میں دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔

نَاكِسُوْا: سر جھکانے والے۔ سرنگوں۔ نَكْسٌ سے اسم فاعل۔

اَمْلَئَنَّ: میں ضرور بھر دوں گا۔ مَلْاٌ سے مضارع۔

تشریح: اے محمد ﷺ! آپ کو وہ منظر بڑا ہیبت ناک دکھائی دے گا جب یہ گناہ گار لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور نہایت ذلت و ندامت کے ساتھ اپنے سر جھکائے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے۔ اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہماری آنکھیں روشن ہو گئیں اور کان کھل گئے۔ اب ہم تیرے احکام کی بجا آوری کے لئے ہر طرح تیار ہیں سو تو ہمیں پھر سے دنیا کی طرف لوٹا دے تاکہ ہم وہاں جا کر نیک اعمال کریں۔ اب ہمیں یقین آ گیا ہے۔ دنیا میں جو شکوک و شبہات تھے وہ سب دور ہو گئے۔

اگر ہم چاہتے تو سب کو ہدایت دے دیتے لیکن میری طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ میں دوزخ کو کافروں سے بھر دوں گا خواہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔ اے کافرو! چونکہ تم قیامت کے روز اللہ کے سامنے حاضر ہونا بھول گئے تھے اس لئے اب عذاب کا مزہ چکھو۔ بیشک آج ہم نے بھی تمہیں فراموش کر دیا۔ اب تم اپنے کفر و تکذیب کی وجہ سے دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔ (ابن کثیر ۳/۴۵۸)

مومنوں کا حال

۱۵۔۱۷۔ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۩ ﴿١٥﴾ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿١٦﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾

ہماری آیتوں پر تو وہی ایمان لاتے ہیں (جو خوف خدا رکھتے ہیں) جب ان کو وہ (آیتیں) یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے (رات کو) اپنے بستروں سے اٹھ کر اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور ہمارے دئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی شخص کو معلوم نہیں کہ ان کے لئے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔ یہ (اس کا) بدلہ ہے جو کچھ وہ دنیا میں) کرتے تھے۔

خرُّوا: وہ گر پڑے خَرٌّ سے ماضی

تَتَجَافَا: وہ الگ رہتی ہے۔ وہ دور ہوتی ہے۔ تَجَافِیٌ سے مضارع۔

جُنُوْبُھُمْ: ان کے پہلو۔ واحد جَنْبٌ.

اَلْمَضَاجِع: بستر۔ بچھونے۔ خوابگاہیں۔ ضَجْعٌ سے اسم ظرف۔ واحد مَضْجَعٌ

تشریح: جس طرح دنیا میں مومن و کافر کا حال مختلف ہے اسی طرح آخرت میں دونوں کا حال مختلف ہوگا۔ بلاشبہ ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جو ان کو سچا سمجھتے ہیں۔ جب ان کو ہماری آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرنے لگتے ہیں۔ وہ لوگ ایمان لانے سے تکبر کرتے ہیں اور نہ اطاعت سے منہ موڑتے ہیں۔ ان سچے مومنوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ راتوں کو ان کے پہلو خواب گاہوں سے دور رہتے ہیں وہ لوگ خوف اور امید کے ساتھ اپنے رب سے دعائیں مانگتے رہتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو عطا کر رکھا ہے وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ سو کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہوگا۔

جہنم میں کفار کی حالت

۱۸۔۲۲، اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۔لَا يَسْتَوٗنَ ۞ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۔نُزُلًا ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۔كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۞ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۞ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۔ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۞

کیا مومن اس کے برابر ہو جائے گا جو فاسق ہے ۔ وہ برابر نہیں ہو سکتے ۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کئے تو ان کے لئے ہمیشہ رہنے کی جنتیں ہیں (یہ) مہمان داری ہے ان (نیک) اعمال کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے ۔ اور جن لوگوں نے نافرمانی کی تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ۔ جب بھی وہ اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو اس میں لوٹا دیئے جائیں گے اور ان کو کہا جائے گا کہ آگ کے اس عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے ، اور البتہ اس بڑے عذاب سے پہلے ہم (دنیا میں آنے والا) قریب کا عذاب بھی ان کو چکھا دیں گے تا کہ وہ باز آئیں ۔ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کو اللہ کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جائے پھر بھی وہ ان سے منہ پھیر لے ۔ یقیناً ہم ایسے مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں ۔

تشریح: کیا مومن و فاسق برابر ہو سکتے ہیں ۔ مومن و فاسق کبھی برابر نہیں ہو سکتے ۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے تو ان کا ٹھکانا دائمی باغوں میں ہوگا ۔ یہ ان کے دنیا میں کئے ہوئے نیک اعمال کے بدلے میں مہمانداری ہوگی البتہ جن لوگوں نے نافرمانی کی ان کا دائمی ٹھکانا دوزخ ہے ۔ جب بھی وہ اس سے نکلنا چاہیں گے تو دوبارہ ذلت وخواری کے ساتھ اس میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ اب تم آگ کے اس عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے ۔ یہ عذاب تو ان کو آخرت میں ہوگا البتہ اس بڑے عذاب یعنی آخرت کے عذاب سے پہلے ہم دنیا ہی میں ان کو کچھ

عذاب کا مزہ چکھائیں گے تاکہ وہ اس ہلکے عذاب کو دیکھ کر ایمان کی طرف لوٹ آئیں اور کفر و تکذیب سے باز آ جائیں مگر یہ ظالم باز آنے والے نہیں۔ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی گئی پھر بھی اس نے ان سے منہ موڑ لیا۔ ایسے شخص کے مجرم ہونے میں کیا شبہ ہے، بیشک ہم مجرموں سے ضرور انتقام لیں گے اور ان کو ان کے جرم کی سزا ضرور دیں گے۔

حق و باطل کا فیصلہ

۲۳۔۲۵، وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۣ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

اور البتہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی سو (اے رسول ﷺ) آپ اس کے ملنے میں کچھ شک نہ کریں اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کی ہدایت کا ذریعہ بنایا اور جب تک وہ (بنی اسرائیل) صبر سے کام لیتے رہے تو ہم نے ان میں سے بہت سے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے راہنمائی کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین (بھی) رکھتے تھے۔

مِرْيَةٍ: شک۔ تردد۔ وہ شک جس سے تردد پیدا ہو۔

لِقَآئِهٖ: اس کی ملاقات۔ اس کا ملنا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ قرآن کریم کا نزول کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے بھی کتابیں نازل ہوتی رہی ہیں۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں گمراہی بڑھ گئی تھی تو بنی اسرائیل کی ہدایت و راہنمائی کے لئے ہم نے توریت نازل کی۔ اسی طرح آپ کے زمانے میں تمام عالم گمراہ ہوگیا تھا تو ان کی ہدایت کے لئے ہم نے آپ کو نبی بنایا اور آپ پر قرآن عظیم جیسی کتاب نازل فرمائی۔ سو آپ موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ملنے کے بارے میں کسی قسم کا شک اور تردد نہ کریں۔ اگرچہ بظاہر یہاں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ آپ شک میں نہ پڑیں لیکن مقصود دوسروں کو سنانا ہے کہ وہ آپ کی نبوت میں شک و شبہ نہ کریں۔

پھر فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کو جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی تھی بنی اسرائیل کے لئے ہادی اور راہنما بنا دیا۔اسی طرح ہم نے آپ کی کتاب یعنی قرآن مجید کو بھی لوگوں کے لئے ذریعۂ ہدایت بنا دیا۔پھر ہم نے بنی اسرائیل میں ہادی اور راہنما بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا جو لوگوں کو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے،ان کو بھلائی کی طرف بلاتے اور برائی سے روکتے تھے۔اس کام میں ان کو جو تکلیفیں اور مشقتیں پہنچتی تھیں ان کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرتے تھے اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

بیشک اہل حق اور منکرین کے درمیان دوٹوک اور عملی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اہل حق کو اہل باطل سے جدا کر دے گا اور جن امور میں وہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے ان کا فیصلہ فرما دے گا اور ہر ایک کو اس کے حال کے مطابق جزا دے گا۔　(حقانی ۹۴۔۵۹۵/۳)

مکذبین کی تہدید

۲۶۔۲۷۔ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَاۗءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ۝

کیا اس بات نے بھی ان کو ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا جن کے گھروں میں یہ (چلتے) پھرتے ہیں البتہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔سو کیا وہ سنتے بھی نہیں۔کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں پھر اس کے ذریعے کھیتی پیدا کرتے ہیں کہ اس میں سے ان کے مویشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں۔تو کیا یہ لوگ دیکھتے بھی نہیں۔

نَسُوْقُ: ہم پہنچاتے ہیں۔ہم چلاتے ہیں۔سَوْقٌ سے مضارع۔

الْجُرُزِ: بنجر زمین:چٹیل میدان۔

اَنْعَامُ: مویشی،چوپائے۔واحد نَعَمٌ۔

تشریح: کیا یہ مکذبین یہ دیکھنے کے بعد بھی راہِ راست پر نہیں آتے کہ ان سے پہلے گزری ہوئی کتنی ہی امتوں کو ہم نے ان کے کفر وعصیان کی وجہ سے آسمانی اور زمینی عذابوں سے ہلاک کر دیا۔ حالانکہ یہ اہل مکہ اپنے شام کے سفر کے دوران ان لوگوں کی تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات کے پاس سے گزرتے ہیں مگر عبرت نہیں پکڑتے۔ بیشک گزشتہ امتوں کی تباہی میں ہمارے قہر وغضب کی نشانیاں موجود ہیں کیا یہ لوگ ان معذب قوموں کے حالات بھی نہیں سنتے۔

کیا یہ لوگ بنجر اور خشک زمین کو نہیں دیکھتے کہ ہم پانی (بارش) کے ذریعے اس کو کس طرح سرسبز وشاداب کر دیتے ہیں اور اس سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس کو ان کے جانور بھی (بھوسا، پتے وغیرہ) کھاتے ہیں اور وہ خود بھی (غلہ، پھل وغیرہ) کھاتے ہیں۔ سو کیا یہ لوگ قدرت کی ان نشانیوں کو بھی نہیں دیکھتے۔ پس جو خدا خشک زمین سے گھاس اگانے پر قادر ہے وہ انسانوں کو مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ (حقانی ۳/۵۹۵)

قیامت پر منکرین کا شبہ

۲۸۔۳۰، وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٨﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٢٩﴾ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ ﴿٣٠﴾

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ)۔ آپ کہہ دیجئے کہ فیصلے کے دن ایمان لانا کافروں کے کچھ کام نہ آئے گا۔ اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی۔ سو آپ ان سے کنارہ کر لیجئے اور (ان کی ہلاکت کا) انتظار کیجئے۔ بیشک وہ بھی منتظر ہیں۔

تشریح: مشرکین مکہ تمسخر کے طور پر کہتے تھے کہ تمہاری فتح اور غلبہ کب ہوگا۔ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو صاف صاف بتاؤ کہ وہ دن کب آئے گا۔ اس آیت میں فتح سے مراد قیامت یعنی فیصلے کا دن ہے۔

اے نبی ﷺ! آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ ابھی موقع ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا کر اس دن کے عذاب سے بچنے کی تیاری کر لو ورنہ جب وہ دن آ جائے گا تو اس وقت کافروں کو ایمان لانا بالکل نفع نہ دے گا اور نہ اس روز ان کو کسی قسم کی مہلت ملے

گی۔ سو اس مہلت کو غنیمت سمجھو اور اس کو تکذیب و تمسخر میں ضائع نہ کرو۔ جو گھڑی آنے والی ہے وہ یقیناً آ کر رہے گی کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔

اے نبی ﷺ! آپ ان ہنسی اور تمسخر کرنے والوں سے منہ پھیر لیجئے اور ان کی باتوں اور تکذیب کا خیال نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے۔ آپ ہمارے عذاب کا انتظار کیجئے۔ تحقیق وہ بھی عذاب ہی کے منتظر ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الاحزاب

وجہ تسمیہ: احزاب، حزبٌ کی جمع ہے جس کے معنی جماعت اور گروہ کے ہیں۔ اس سورۃ میں غزوۂ احزاب کا خاصی تفصیل کے ساتھ ذکر ہے، اس غزوے میں مشرکین کی جماعتیں ہر طرف سے جمع ہو کر مدینے پر حملہ آور ہوئی تھیں۔ اس لئے اس کا نام سورۃ الاحزاب ہو گیا۔

تعارف: اس میں نو رکوع، ۷۳ آیتیں، ۱۲۸۰ کلمات اور ۵۹۹۰ حروف ہیں۔

بیہقی نے دلائل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن مردویہ نے ابن الزبیرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ یہ (سورت) مدینے میں نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۴۲/۲۱، مواہب الرحمٰن ۱۳۸، ۱۳۹/۲۱)

اس سورت میں صادقین اور مخلصین کی تعریف اور منافقین کی مذمت ہے اور آپ کو تسلی دی گئی کہ آپ مخالفین کی ایذا رسانی اور دھمکیوں کی پرواہ نہ کیجئے بلکہ آپ اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھئے۔ اس کے علاوہ اس میں غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنی قریظہ کا حال خاصی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور پردے کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسے کی تعلیم اور متبنّیٰ کی شرعی حیثیت مذکور ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات کی تعظیم اور میثاقِ انبیا کا بیان ہے۔

رکوع ۲: غزوۂ احزاب کا حال بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: غزوۂ احزاب کا حال بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۴: ازواج مطہرات کا مطالبہ اور اللہ کا حکم مذکور ہے۔ پھر ازواج مطہرات کے خصائص کا بیان اور عورتوں کو گھروں میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

رکوع ۵: قرآن کریم میں عورتوں کا تذکرہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے نکاح کا بیان ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آپ کے نکاح کی حکمت اور آپ ﷺ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہونے کا اعلان ہے۔

رکوع ۶: مومنوں کو کثرت ذکر کی تاکید اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ پھر نکاح کے خاص احکام بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک حکم عام مسلمانوں کے لئے ہے اور سات احکام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہیں۔

رکوع ۷: پردے کے احکام اور آپ کی عظمت شان کا بیان ہے۔ آخر میں آپ کو ایذا دینے والوں کا انجام مذکور ہے۔

رکوع ۸: پردے کے مزید احکام اور قیامت کا قریب ہونا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں کافروں کا انجام بتایا گیا ہے۔

رکوع ۹: مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی ایذا نہ دیں۔ تقویٰ اختیار کریں اور ہمیشہ درست اور انصاف کی بات کریں۔ پھر اللہ کی امانت کا ذکر ہے جس کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے اٹھانے سے معذرت کی مگر انسان نے اپنے ضعف و ناتوانی کے باوجود اس کو اٹھانے کی ذمہ داری قبول کر لی۔

اللہ پر کامل بھروسے کی تعلیم

۱۔۳۔ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ سے ڈرتے رہنا اور کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آنا۔ بیشک اللہ بڑا علم والا (اور بڑی حکمت) والا ہے۔ اور جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی جاتی ہے اسی کی پیروی

کرتے رہئے۔ بیشک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ اور آپ اللہ پر
بھروسہ رکھئے اور اللہ کافی ہے کارسازی کے لئے۔

شانِ نزول: اس سورت کے سبب نزول میں کئی روایتیں ہیں۔

۱۔ ابن جریر نے ضحاک کی وساطت سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ اہل مکہ نے جن میں ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ بھی شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے قول سے باز آجائیں، ہم آپ کو اپنے مال میں سے ایک حصہ دیدیں گے۔ مدینے میں منافقوں اور یہودیوں نے آپ کو دھمکی دی تھی کہ اگر آپ باز نہ آئے تو ہم آپ کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں گے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔
(روح المعانی ۲۱/۱۴۳)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت مدینے کے آس پاس یہود کے قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع وغیرہ آباد تھے۔ آپ کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو دوسروں کو دعوت (اسلام) دینا آسان ہو جائے گا۔ اس لئے آپ ﷺ ان کے ساتھ خاص مدارات کا معاملہ فرماتے اور ان میں سے جو چھوٹے بڑے لوگ آتے تھے ان کا اکرام کرتے تھے۔ اگر ان سے کوئی بری بات صادر ہو جاتی تو دینی مصلحت سمجھ کر اس سے چشم پوشی فرماتے تھے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۷/۸۷)

۳۔ ثعلبی اور واحدی نے بغیر سند یہ نقل کیا کہ ابوسفیان اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور سلمی، معاہدۂ حدیبیہ کے بعد مدینہ منورہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔ صرف اتنا کہہ دیں کہ یہ بھی شفاعت کریں گے اور نفع پہنچائیں گے تو ہم آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے رب کو چھوڑ دیں گے اور جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ ان کی بات آپ ﷺ کو اور سب مسلمانوں کو سخت ناگوار ہوئی۔ مسلمانوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان سے صلح کا معاہدہ کر چکا ہوں اس لئے ان کو قتل نہیں کیا جا سکتا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (روح المعانی ۲۱/۱۴۳)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں اگرچہ آپ کو مخاطب کر کے چند باتوں کی تاکید فرمائی ہے مگر

حقیقت میں اس سے مقصود امت کی تعلیم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ جس طرح اب تک آپ ﷺ نے خشیت وتقویٰ اختیار کئے رکھا اسی طرح آئندہ بھی ہمیشہ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرتے رہئے۔ کافر اور منافق سب مکار ہیں۔ یہ لوگ چالاکی اور عیاری سے آپ کو نرم کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ ہمارے معبودوں کا برائی سے ذکر نہ کیا کریں تو ہم آپ سے تعرض کرنا چھوڑ دیں گے یا آپ ہماری فلاں فلاں باتیں مان لیں تو ہم آپ ﷺ کے دین میں داخل ہو جائیں گے۔ یہ سب اسلام کے دشمن ہیں اور آپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں سو آپ ان کی چالوں میں نہ آیئے اور نہ ان کی دھمکیوں کی پرواہ کیجئے اور نہ آپ کو ان کی قوت وشوکت سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی تمام سازشوں کو خوب جانتا ہے اور وہ حکمت والا ہے اس لئے اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا ہے، آپ اس کی پوری پوری اتباع کرتے رہئے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں اور تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔ تمہارا ظاہر و باطن اور کوئی بھی عمل اس سے پوشیدہ نہیں۔ اس لئے اسی کے کہنے پر چلو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ وہی بہترین کارساز ہے وہ تمہارے سب کام بنادے گا۔

متبنیٰ کی شرعی حیثیت

۴، ۵۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اللہ نے کسی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے اور اپنی جن بیویوں کو تم ماں کہہ بیٹھتے ہو اللہ نے انہیں تمہاری مائیں نہیں بنایا اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا بنایا ہے۔ یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ حق بات فرماتا

ہے اور وہی سیدھا راستہ بتاتا ہے تم ان (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے اصلی
باپوں کے ناموں سے پکارا کرو۔ یہی اللہ کے نزدیک بہتر ہے۔ پھر اگر تمہیں
ان کے حقیقی باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں اور اس
میں کچھ بھول چوک ہو جائے تو اس کا تم پر گناہ نہیں لیکن گناہ وہ ہے، جس کا
دلوں سے ارادہ کرو اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔

جَوْفِهٖ: اس کا پیٹ۔ اس کے اندر۔ اندرونی حصہ جو خالی ہو۔ جمع اَجْوَافٌ

تُظٰهِرُوْنَ: تم اپنی بیوی کو ماں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہو یعنی خود پر حرام کرتے ہو۔

مَوَالِیُ: دوست۔ وارث۔ رشتہ دار۔ واحد مَوْلیٰ۔

تَعَمَّدَتْ: اس نے جان بوجھ کر کیا۔ اس نے ارادتاً کیا۔ تَعَمُّدٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: احمد، ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم، اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے کہ آپ کے دل میں کوئی خیال گزرا۔ اس پر جو منافق نماز میں شامل تھے کہنے لگے کہ دیکھو ان کے دو دل ہیں۔ ایک تمہارے ساتھ ایک ان کے ساتھ۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔ (روح المعانی ۱۴۴/۲۱، ابن کثیر ۴۶۶/۳)

بغوی اور ابن ابی حاتم نے سدی اور ابن نجیح کی روایت سے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ ایک شخص ابومعمر جمیل بن معمر فہری تھا۔ اس کی سمجھ بھی تیز تھی اور حافظہ بھی اتنا قوی تھا کہ جو کچھ سنتا تھا یاد کر لیتا تھا۔ قریش کے لوگ کہتے تھے کہ معمر کا حافظہ اتنا قوی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دو دل ہیں۔ وہ خود بھی کہتا تھا کہ میرے دو دل ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ سمجھتے ہیں اس سے زیادہ تو میرے ہر ایک دل میں ہے۔ میں ایک دل سے بھی ان سے زیادہ جانتا اور سمجھتا ہوں۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۴۴/۲۱، مظہری ۳۰۴/۷)

تشریح: زمانہ جاہلیت میں عربوں میں تین باتیں عام تھیں۔

۱۔ عرب کے لوگ غیر معمولی ذہین شخص کو یہ کہا کرتے تھے کہ اس کے سینے میں دو دل ہیں۔

۲۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پیٹھ یا کسی اور عضو سے تشبیہ دے کر یہ کہہ دیا کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ، تو اس سے بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی تھی

یعنی بیوی کو طلاق ہو جاتی تھی۔

۳۔کسی دوسرے کے بیٹے کو اپنا متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنالیتے تھے۔ پھر وہ منہ بولا بیٹا اسی کا بیٹا مشہور ہو جاتا تھا اور عام احکام میں اصلی بیٹے کی طرح مانا جاتا تھا مثلاً میراث میں بھی وہ حقیقی اولاد کی طرح حصہ پاتا تھا اور نسبی رشتے کے تحت جن عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہوتا ہے منہ بولے بیٹے کے لئے بھی ویسا ہی سمجھتے تھے۔

قرآن کریم نے ان تینوں باتوں کی یہ کہہ کر نفی کر دی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے، اسی طرح بیوی کو ماں کی پیٹھ کہہ دینے سے کسی کی بیوی ماں کا درجہ نہیں پالیتی۔تمہاری ماں تو وہی ہے جس سے تم پیدا ہوئے ہو۔اس لئے بیوی کو ماں کی پیٹھ کہہ دینے سے بیوی خاوند پر حرام نہیں ہو جاتی۔ اس کا مفصل حکم سورۂ مجادلہ میں آئے گا۔اسی طرح منہ بولا بیٹا بھی حقیقی بیٹے کی مانند نہیں ہوسکتا۔نہ وہ میراث کا حقدار ہوگا اور نہ اس پر حرمت نکاح کے مسائل کا اطلاق ہوگا۔

یہ سب لوگوں کے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔اس سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔حقیقی اور سچی بات تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کہتا ہے اور وہی سیدھی راہ دکھاتا ہے۔لہذا جو ٹھیک ٹھیک اور صاف بات اس نے کہی ہے۔تم اسی کو اختیار کرو اور منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو۔اللہ کے نزدیک یہی بہتر اور انصاف کی بات ہے۔اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے تو پھر ان کو بھائی اور دوست کہہ کر پکارو کیونکہ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔اگر اس حکم کے بعد تم اپنی پرانی عادت کی بنا پر بھولے سے کسی کو اس کے فرضی باپ کی طرف نسبت کر کے پکار لو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ البتہ اگر تم اپنے قصد اور ارادے سے اصلی باپ کے سوا کسی دوسرے کی جانب نسبت کر کے پکارو گے تو گناہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بہت مہربان ہے۔ وہ قصداً کہنے والے کو بھی توبہ و استغفار کے بعد معاف فرما دیتا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہم (حضرت) زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد کہا کرتے تھے (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو متبنیٰ بنالیا تھا) لیکن اس آیت کے نزول کے بعد ہم نے یہ کہنا چھوڑ دیا۔

(ابن کثیر ۴۶۵، ۴۶۶/۳)

صحیحین، احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابوبکرہؓ سے

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جانتے ہوئے (اپنے باپ کو چھوڑ کر) کسی دوسرے کو اپنا باپ ظاہر کیا اس پر جنت حرام ہے۔ (مظہری ۷/۳۰۶)

رسول اللہ ﷺ اور ازواج رضی اللہ عنہن مطہرات کی تعظیم

۶۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝

نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور (نبی) کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں اور کتاب اللہ کی رو سے اہل قرابت آپس میں ایک دوسرے (کے ترکے) کے زیادہ حق دار ہیں بہ نسبت دوسرے مومنوں اور مہاجروں کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرنا چاہو (تو کر سکتے ہو)۔ یہ حکم لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

تشریح: لوگوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کی تعظیم و احترام ان کے ماں باپ اور خود ان کی اپنی جان سے بھی زیادہ فرض ہے۔ لوگوں کا اپنی جان و مال میں اتنا تصرف نہیں چلتا جتنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چلتا ہے۔ لوگ خود اپنے اتنے خیر خواہ نہیں جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خیر خواہ ہیں۔ لوگوں کے نفوس شر اور فساد کا حکم دیتے ہیں اور خیر اور صلاح سے روکتے ہیں اور اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ہر خیر کا حکم دیتے ہیں اور ہر شر سے منع کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ (بخاری کتاب الایمان باب حب الرسول من الایمان)

پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں۔ ان کی تعظیم اپنی حقیقی ماؤں سے بھی زیادہ فرض ہے یہ حکم ادب و احترام اور حرمت نکاح کے اعتبار سے ہے، پردہ و میراث کے اعتبار سے نہیں۔ میراث تو نسبی اور قرابتی رشتوں ہی کی بنیاد پر تقسیم کی جائے گی۔ لہٰذا

جس طرح اپنی نسبی ماؤں سے نکاح حرام ہے اس سے بھی زیادہ ان روحانی ماؤں سے نکاح حرام ہے۔

ابتدائے اسلام میں ہجرت اور بھائی چارے (مواخاۃ) کی بنیاد پر میراث تقسیم ہوتی تھی یعنی مرنے کے بعد مہاجر اور انصاری ایک دوسرے کی میراث پاتے تھے۔ بعد میں جب مہاجرین کے رشتہ دار مسلمان ہو گئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور قرابتی اور نسبی رشتہ داروں کو میراث وغیرہ میں مواخاۃ کے رشتے پر مقدم کر دیا گیا کہ اب آئندہ سے میراث کا دارومدار قدرتی رشتے پر ہوگا نہ کہ اسلامی برادری اور بھائی چارے پر۔ پس اب اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دوسرے مومنین کے مقابلے میں قرابت دار میراث میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ البتہ اگر کوئی مسلمان اپنے رشتے داروں کے علاوہ کسی اور مسلمان مہاجر یا انصاری کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہے اور اپنے مال میں سے کچھ دینا چاہے تو ایک تہائی مال تک دے سکتا ہے۔ یہ حکم لوحِ محفوظ یا قرآن مجید میں لکھا جا چکا ہے کہ اب میراث کا دارومدار قرابت اور رشتہ داری پر ہے اور قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندہلوی ۴۶۶، ۵/۴۶۷ مظہری ۳۰۸، ۷/۳۰۹)

میثاقِ انبیا

۷، ۸۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۝ لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور (بالخصوص) آپ ﷺ سے اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور مریم کے بیٹے عیسیٰؑ سے (بھی) اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا تھا تاکہ (قیامت کے دن) اللہ سچوں سے ان کے سچ کے بارے میں پوچھے اور کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

غَلِيظًا: سخت۔ پختہ۔ بے رحم۔ گاڑھا۔

اَعَدَّ: اس نے تیار کیا۔ اِعْدَادٌ سے ماضی۔

اَلِيمًا: دردناک۔ تکلیف دہ۔ اَلَمٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: ان آیتوں میں جس عہد و اقرار کا ذکر ہے وہ اس اقرارِ عام کے علاوہ ہے جو ازل میں

ساری مخلوق سے لیا گیا تھا۔ یہ عہد انبیا علیہم السلام سے لیا گیا تھا۔اس میں نبوت ورسالت کے فرائض ادا کرنے اور ایک دوسرے کی تصدیق اور مدد کرنے کا عہد تھا۔ یہ عہد بھی ازل میں اسی وقت لیا گیا تھا جب عام مخلوق سے الست بربکم کا عہد لیا گیا تھا۔

یہاں انبیا علیہم السلام کا عام ذکر کرنے کے بعد ان میں سے پانچ انبیا کا خصوصی ذکر ان کے خاص امتیاز وشرف کی بنا پر کیا گیا جو ان کو دیگر انبیاء پر حاصل ہے۔ان میں بھی لفظ "مِنکَ" کے ذریعے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو دیگر چار انبیا پر مقدم کیا گیا، اگرچہ آپ بعثت کے اعتبار سے تمام انبیا کے آخر میں ہیں۔ یہ آپ کا خاص امتیاز وشرف ہے(معارف القرآن، از مفتی محمد شفیع ۸۹، ۹۰/ ۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تخلیق میں تمام انبیا سے پہلا ہوں اور بعثت میں سب سے آخر میں ہوں۔(روح المعانی ۱۵۴/ ۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیا سے یہ عہد اس لئے لیا تھا تاکہ قیامت کے روز انبیا سے معلوم کیا جائے کہ انہوں نے اپنی اپنی امتوں کو کیا کہا تھا۔ یا کافروں کو ذلیل اور لاجواب کرنے کے لئے ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے انبیا کی تصدیق کی تھی یا انبیا کی تصدیق کرنے والوں سے ان کی تصدیق کے بارے میں پوچھا جائے گا کیونکہ سچے کی تصدیق کرنے والا بھی سچا ہوتا ہے۔جن لوگوں نے انبیا کی تکذیب کی اور ان کی صداقت کا انکار کیا، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ قیامت کے روز صادقین کو ان کے صدق کی جزا اور کاذبین کو ان کے کذب کی سزا ملے گی۔(روح المعانی ۱۵۴/ ۲۱، مظہری ۳۱۰/ ۷)

غزوۂ احزاب

یہاں سے ستائیسویں آیت تک غزوۂ احزاب کا ذکر ہے جو پانچ ہجری میں ماہ شوال یا ذیقعدہ میں ہوا تھا۔اس غزوے میں کفار کی مختلف جماعتیں متحد ہو کر مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے مدینے پر حملہ آور ہوئی تھیں۔اس لئے قرآن نے اس کو غزوۂ احزاب کا نام دیا ہے۔اسی غزوے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور حضرت سلمان فارسی کے مشورے سے دشمن کے راستے میں خندق کھودی گئی تھی۔اس لئے اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔

بنی نضیر یہود کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ یہ لوگ مسجد قبا کے قریب عوالی کی طرف مدینے سے ۶ میل پر رہتے تھے۔ غزوۂ احد کے بعد یہ لوگ علی الاعلان مسلمانوں کی مخالفت کرنے لگے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا۔ ربیع الاول ۴ ہجری میں آپ ﷺ نے ان کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا تو انہوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ چھٹے دن یہود قلعے سے اتر آئے اور شام کی طرف چلے گئے۔ ان کے دو خاندان آل حُقیق اور حُیی بن اخطب کا خاندان شام کی بجائے خیبر چلے گئے۔ اس کا مفصل ذکر سورۂ حشر میں آئے گا۔

بنی نضیر کے سرکردہ لوگوں نے جن میں سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب، کنانہ بن ربیع، ہوذہ بن قیس اور ابو عامر لوائی شامل تھے۔ قریش اور عرب کے مختلف قبائل کی مدد سے مدینے پر اجتماعی حملے کی سازش تیار کی اور قریش مکہ، قبیلہ اسلم، قبیلہ اشجع، بنو مرہ، بنو کنانہ، بنو فزارہ اور غطفان وغیرہ قبائل کو اکسا، بھڑکا کر مدینے پر چڑھا لانے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۲ سے ۱۵ ہزار کا یہ لشکرِ جرّار پورے ساز و سامان سے آراستہ اور طاقت کے نشے میں چور تھا۔ یہود کا ایک اور قبیلہ ''بنی قریظہ'' مدینے کی مشرقی جانب آباد تھا۔ انہوں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کیا ہوا تھا۔ بنی نضیر کی ترغیب و تربیت پر وہ بھی معاہدہ توڑ کر حملہ آوروں کے ساتھ شامل ہو گئے۔

مسلمانوں کی تعداد کل تین ہزار تھی۔ ان میں بھی ایک بڑی تعداد منافقوں کی تھی جو حیلے بہانے کر کے میدان جنگ سے کھسکتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے سرداروں کو جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کیا۔ آخر حضرت سلمان فارسی کے مشورے سے شہر کے گرد خندق کھودنا طے ہوا۔ خندق کے طول و عرض کا خط خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچا تھا۔ خندق کی لمبائی تقریباً تین میل تھی سخت سردی کا موسم تھا اور قحط سالی تھی۔ بھوک کی وجہ سے صحابہ کرام اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ یہ طویل و عریض اور خوب گہری خندق چھ روز میں مکمل ہوئی۔

خندق تیار ہوتے ہی کفار کا لشکر جرار بھی مدینے پہنچ گیا اور خندق کے ایک طرف رک گیا۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ سَلع کو پشت پر رکھ کر خندق اور کوہ سَلع کے درمیان اپنی لشکر گاہ بنائی۔ اس طرح اسلامی لشکر اور کفار کے لشکر کے درمیان خندق حائل تھی۔ تقریبا ۲۰، ۲۵ روز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ کثرت تعداد کے باوجود کفار شہر پر بڑا حملہ نہ کر سکے۔ آخر کار نعیم

ابن مسعود الاشجعی رضی اللہ عنہ کی ایک عاقلانہ تدبیر سے مشرکین اور بنی قریظہ کے یہود میں پھوٹ پڑ گئی۔ ادھر فرشتوں کے لشکر تکبیر کہہ کر کافروں کے دلوں کو مرعوب کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں ایک رات کو اللہ تعالیٰ نے سخت برفانی ہوا چلا دی جس سے ریت اور سنگریزے اڑ کر کفار کے منہ پر لگنے لگے۔ ان کے چولھے بجھ گئے، دیگچے زمین پر جا پڑے، خیمے اکھڑ گئے اور اہل لشکر پریشان ہو گئے۔ آخر ابوسفیان نے حالات سے پریشان ہو کر واپسی کا اعلان کر دیا اور سب بے نیل ومرام واپس چلے گئے۔

فرشتوں کا نزول

۹، ۱۰۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝

اے ایمان والو! اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا ہے اس کو یاد کرو، جب کہ لشکر کے لشکر تم پر چڑھ آئے۔ پھر ہم نے ان پر (تیز وتند) آندھی بھیجی اور ایسا لشکر بھیجا جو تمہیں دکھائی نہیں دیتا تھا اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا تھا۔ جب وہ لوگ تم پر تمہارے اوپر اور نیچے کی جانب سے چڑھ آئے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔

جُنُوْدٌ: لشکر۔ فوجیں۔ واحد جُنْدٌ۔

رِیْحًا: ہوا۔ جمع اَرْوَاحٌ و رِیَاحٌ

اَسْفَلَ: سب سے نیچا۔ سُفُوْلٌ سے اسم تفضیل

زَاغَتِ: وہ کھلی کی کھلی رہ گئی۔ وہ چوک گئی۔ زَیْغٌ سے ماضی۔

الحَنَاجِرَ: گلے۔ نرخرے۔ حلق۔ واحد حَنْجَرَۃٌ۔

تشریح: اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو یاد کرو جو اس نے غزوۂ احزاب کے موقع پر تم پر کیا کہ تمہیں قتال کے بغیر ہی کافروں پر غلبہ عطا فرما دیا اور کافروں کو جو پورے ساز وسامان کے ساتھ

آئے تھے، ذلیل وخوار ہوکر میدان جنگ سے بھاگنے پر مجبور کردیا۔ اللہ تعالیٰ کا ایسا عظیم انعام انہی لوگوں پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں، صرف اسی سے ڈرتے ہیں اور اسی کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔

اس وقت جب دشمن کی فوجیں تمہارے سر پر آ پہنچی تھیں، یعنی قریش مکہ، بنومرہ، بنوکنانہ، بنوفزارہ، غطفان اور اشجع وغیرہ قبائل کے لوگ جن کی تعداد ۱۲ سے ۱۵ ہزار تھی، مدینے پر چڑھ دوڑے تھے، تو ہم نے ان پر یخ بستہ ہوا کا ایک طوفان بھیج دیا جس سے ان کے خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں، رسیاں ٹوٹ گئیں، آگ بجھ گئی، ہانڈیاں الٹ گئیں اور گھوڑے رسیاں تڑوا کر بھاگ نکلے اور کافر فوجیں گھبرا کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔ اپنی شدت اور زور کے باوجود ہوا کا طوفان صرف کفار کے لشکر تک محدود رہا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی مدد کے لئے ہم نے فرشتوں کے لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہیں آرہے تھے۔ یہ فرشتے کفار کے لشکر کے گرد تکبیر کی آوازیں بلند کررہے تھے جس سے ان پر رعب چھا گیا اور وہ خوفزدہ ہوگئے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا تھا۔ غزوہ بدر کی طرح اس روز فرشتوں نے کافروں سے قتال نہیں کیا بلکہ وہ مسلمانوں کو اطمینان دلانے اور کافروں کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے آئے تھے۔ (روح المعانی ۱۵۵، ۱۵۶/ ۲۱، مظہری ۳۱۱/ ۷)

یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب کافروں کی مختلف جماعتیں ہر طرف سے مسلمانوں پر چڑھ آئی تھیں یعنی وادی کے بالائی جانب سے جو مشرق کی طرف واقع تھی بنی اسد، بنی غطفان وغیرہ کے لوگ آئے اور بطن وادی سے جو مغرب کی طرف واقع تھا بنی کنانہ اور قریش وغیرہ آئے۔ اس طرح دشمن نے ہر طرف سے مسلمانوں کو محاصرے میں لے لیا اور دشمن کی کثرت اور ہیبت کو دیکھ کر خوف سے لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے، اس وقت لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کررہے تھے۔ منافق کہہ رہے تھے کہ اب مسلمانوں کی جڑ ہی کٹ جائے گی جب کہ پختہ ایمان والوں کو اللہ کے وعدے پر یقین تھا اور وہ فتح کے لئے پر امید تھے۔ اس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمیں اس پریشانی سے بچنے کے لئے کوئی دعا بتایئے۔ آپ نے فرمایا یہ دعا مانگو:

اَللّٰھُمَّ اسْتُرْعَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا.

اے اللہ ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمارے خوف کو امن سے بدل دے۔

ادھر مسلمانوں کی دعائیں بلند ہوئیں ادھر غیبی مدد نے آکر کافروں کو تتر بتر کر دیا۔
(روح المعانی ۲۱/۱۵۷، ابن کثیر ۳/۴۷۰)۔

مومنوں کی آزمائش

۱۱-۱۳، هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ وَإِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَإِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝

اس موقع پر مومنوں کا امتحان لیا گیا اور وہ پوری طرح جھنجوڑ دیے گئے اور جب منافق اور جن کے دلوں میں شک تھا کہنے لگے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ محض دھوکہ تھا اور جب ان میں سے ایک جماعت کہنے لگی کہ اے اہل یثرب یہ تمہارے ٹھہرنے کا مقام نہیں سو تم لوٹ چلو اور ان میں سے کچھ لوگ نبی سے اجازت مانگنے لگے (اور) کہنے لگے کہ ہمارے گھر خالی ہیں اور حالانکہ وہ خالی نہ تھے۔ لیکن وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے۔

هُنَالِکَ: وہاں۔ اس جگہ۔ اس وقت۔ اسم ظرف زمان و مکان۔
ابْتُلِیَ: وہ آزمایا گیا۔ اِبْتِلَاءٌ سے ماضی مجہول۔
زُلْزِلُوْا: وہ زلزلے میں آگئے۔ وہ ہلائے گئے۔ وہ جھنجھوڑے گئے۔ زَلْزَلَةٌ سے ماضی مجہول۔
غُرُوْرًا: فریب۔ جھوٹا وعدہ۔ دھوکہ مصدر ہے۔
طَائِفَةٌ: گروہ۔ جماعت۔
عَوْرَةٌ: شکستہ۔ کھلے۔ خالی، غیر محفوظ۔

تشریح: غزوۂ احزاب میں شدید گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں اہل ایمان کا امتحان لیا گیا اور ان کو خوب جھنجوڑا گیا تا کہ مومنین مخلصین کے اخلاص اور ایمان کی پختگی ظاہر ہو جائے اور منافقین کا نفاق کھل

جائے۔ اس طرح منافق اور کمزور ایمان والے، پختہ ایمان والوں سے علیحدہ اور ممتاز ہو جائیں گے۔

حالات کی شدت اور سختی کو دیکھ کر منافق اور ضعیف ایمان والے کہنے لگے کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسلمانوں کی مدد اور غلبہ کا وعدہ کیا تھا وہ محض دھوکہ اور فریب تھا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ یہ قول اہل نفاق کا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ملک شام و فارس کے محلات کی فتح کا وعدہ دے رہے ہیں، حالانکہ ہماری حالت یہ ہے کہ ڈر کے مارے ہم میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتا۔ خدا کی قسم یہ وعدہ محض فریب ہے۔ اس وقت منافقوں میں سے ایک گروہ کہنے لگا۔ اے اہل یثرب یعنی اے اہل مدینہ یہ میدان جنگ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے سو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ ایک دوسرا گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہہ کر گھر جانے کی اجازت مانگ رہا تھا کہ ان کے گھر خالی اور غیر محفوظ ہیں، دشمن ان پر حملہ کر سکتا ہے حالانکہ ان کے گھر نہ تو خالی تھے اور نہ غیر محفوظ بلکہ وہ تو محض لڑائی سے جی چرا کر راہِ فرار اختیار کرنا چاہتے تھے۔ (روح المعانی ۲۱/۱۵۹۔ ابن کثیر ۳/۴۷۳)

منافقین کی عہد شکنی

۱۴۔۱۷۔ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ۝ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ۝ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

اور اگر کسی طرح سے (دشمن کی) فوجیں ان پر داخل ہو جائیں، پھر ان سے فساد پھیلانے کے لئے کہا جائے تو (فوراً فساد پر) آمادہ ہو جائیں گے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہ پھیریں گے۔ اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کی باز پرس ہوگی۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم موت یا قتل (کے خوف) سے بھاگو گے تو یہ بھاگنا تمہیں کچھ بھی نفع نہ دے گا اور اس

حالت میں بھی بہت تھوڑے دنوں سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ آپ (ان سے) پوچھئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے۔ اگر وہ تمہیں کوئی برائی پہنچانا چاہے یا تم پر مہربانی کرنا چاہے۔ اور ان کو اپنے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی حمایتی ملے گا اور نہ مددگار۔

اَقْطَارِ هَا: اس کے کنارے۔ واحد قُطْرٌ۔

تَلَبَّثُوْا: وہ ٹھہریں گے۔ تَلَبُّثٌ سے ماضی

يَعْصِمُكُمْ: وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ وہ تمہیں بچائے گا۔ عِصْمَةٌ سے مضارع۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے حیلے بہانے کر کے لڑائی سے راہِ فرار اختیار کی تھی۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں مزید فرمایا کہ ان کا حال تو یہ ہے کہ اگر کفار کا لشکر دفعتاً ہر طرف سے مدینے میں داخل ہو جائے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں محفوظ ہوں اور ان کو مسلمانوں سے مقابلے کے لئے کہا جائے تو یہ سنتے ہی بلا تاخیر مسلمانوں سے مقابلے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ غزوۂ احزاب سے پہلے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے پختہ اور مضبوط عہد کیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے آئندہ ہم میدان جنگ سے ہرگز پیٹھ نہیں پھیریں گے۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اس کے بارے میں باز پرس ضرور ہوگی اور ان کو عہد شکنی کی سزا دی جائے گی۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ یہ جواب دیں کہ ہم نے موت کے ڈر سے ایسا کیا تھا تو آپ ان کو بتا دیجئے کہ اگر تم موت کے خوف سے میدان جنگ سے بھاگو گے تو موت سے نہیں بچ سکتے کیونکہ موت کا وقت، جگہ اور کیفیت تو مقرر ہے۔ جب وہ مقررہ وقت آجائے گا تو تمہاری موت واقع ہو جائے گی خواہ تم اس وقت کہیں بھی ہو اور کسی بھی حال میں ہو۔ اگر مقررہ وقت نہیں آیا تو میدان جنگ میں بھی نہیں مرو گے۔ اگر بالفرض میدان جنگ سے فرار تمہارے لئے مفید بھی ہوا تو یہ فائدہ زیادہ مدت تک باقی نہیں رہے گا۔ آخر کار موت تو آنی ہی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے فرار کے بعد اللہ کی پکڑ جلد آجائے اور تمہیں دنیا کا تھوڑا سا نفع بھی حاصل نہ ہو سکے۔ حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دنیا تو بالکل حقیر اور محض ناچیز ہے۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کو بتا دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے قتل یا شکست کا ارادہ

کرے تو تمہارا کوئی قلعہ یا محل یا محافظ ونگہبان اس کو نہیں روک سکتا۔ یا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ رحمت ومہربانی کا ارادہ کرے تو اس کو رحمت ومہربانی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جو ان کو نفع پہنچا سکے یا ان کے ضرر کو رفع کر سکے۔ (ابن کثیر ۳/۴۷۳، مظہری ۳۳۳، ۳۳۴/ ۷)

منافقین کا حال

۱۸، ۱۹۔ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

اور اللہ تم میں سے ان کو خوب جانتا ہے جو دوسروں کو روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ اور خود جنگ میں بہت کم آتے ہیں۔ وہ تمہارا ساتھ دینے میں بہت بخیل ہیں۔ پھر جب خوف کا موقع آجائے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کو ایسے تکتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح گھومتی ہیں جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ پھر جب خوف دور ہو جائے تو پھر تمہیں اپنی تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں مال کے لالچ میں۔ یہ لوگ ایمان بھی نہیں لائے سو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے اور یہ اللہ پر بہت ہی آسان ہے۔

اَلْمُعَوِّقِيْنَ: منع کرنے والے۔ روکنے والے۔ تَعْوِيْقٌ سے اسم فاعل۔

اَلْبَاْسَ: قتال۔ لڑائی۔ جنگ۔ آفت۔

اَشِحَّةً: کنجوس۔ حریص لوگ۔ کسی چیز پر ٹوٹ پڑنے والے۔ واحد شَحِيْحٌ۔

تَدُوْرُ: وہ دور کرتی ہے۔ وہ پھرتی ہے۔ وہ گردش کرتی ہے۔ دَوْرٌ سے مضارع۔

سَلَقُوْا: وہ بڑھ بڑھ کر بولے۔ انہوں نے تم سے زبان درازی کی۔ سَلْقٌ سے ماضی۔

حِدَادٍ: غضبناک۔ تیز۔ واحد حَدِيْدٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اپنے علم محیط کی بنا پر منافقوں کو خوب جانتا ہے جو خود بھی جہاد سے کتراتے ہیں اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر روکتے ہیں کہ تم مسلمانوں کی طرف جا کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو بلکہ ہماری طرف آجاؤ، اسی میں سلامتی ہے، ان کی بزدلی کا حال یہ ہے کہ یہ لڑائی میں شریک ہی نہیں ہوتے البتہ کبھی کبھی دکھاوے اور نام کے لئے حصہ لیتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کی جانی و مالی مدد کرنے میں بھی پرلے درجے کے بخیل ہیں، ان کے دل حرص اور طمع سے بھرے ہوئے ہیں۔ اگر کبھی یہ لڑائی میں شریک ہوتے ہیں تو وہ بھی اس حرص و طمع کی بنیاد پر کہ ان کو مال غنیمت میں حصہ مل جائے۔

پھر جب خوف کا موقع پیش آیا اور احزاب نے مدینے کو گھیر لیا تو یہ آپ کی طرف اس طرح دیکھ رہے تھے کہ گویا موت ان کی آنکھوں میں پھر رہی تھی، کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے پر یقین کرنے کی بجائے دنیاوی اسباب پر یقین رکھتے تھے، حالانکہ خوف کے یہ اسباب اللہ تعالیٰ نے ان کا نفاق ظاہر کرنے ہی کے لئے جمع کئے تھے، ورنہ اہلِ اسلام کو غلبہ دینا تو وہ مقدر فرما چکا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے تمام گروہوں کو آن کی آن میں تتر بتر کر دیا۔

جب احزاب کی طرف سے ان منافقوں کو اطمینان ہو گیا اور ان کا خوف جاتا رہا تو پھر ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ اپنی بہادری جتانے لگے اور بڑھ بڑھ کر باتیں کرنے لگے کہ ہماری ہی پشت پناہی سے تمہیں فتح حاصل ہوئی ہے، لہٰذا مالِ غنیمت میں سے ہمیں بھی حصہ دو۔ یہ لوگ چونکہ اللہ تعالیٰ کی باتوں پر یقین نہیں رکھتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ملیا میٹ کر دیا۔ ان کا کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں اور یہ بات اللہ پر بہت آسان ہے کہ وہ جس کو چاہے جہاد کی توفیق دے اور جس کو چاہے جہاد سے محروم کر دے۔

(مواہب الرحمٰن ۱۷۴، ۱۷۵/ ۲۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۷۵، ۴۷۶/ ۵)

منافقوں کی بزدلی

۲۰۔ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۚ وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنبَائِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُم مَّا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ۝

وہ سمجھتے ہیں کہ (حملہ آور) گروہ گئے نہیں اور اگر (پھر) وہ لشکر آجائیں تو یہ

آرزو کریں گے کہ کاش وہ باہر دیہاتوں میں جا کر رہتے ، تمہاری خبریں دریافت کرتے رہتے ۔ اور اگر (کسی مجبوری سے) تم ہی میں رہنا پڑے تو برائے نام لڑیں ۔

یَوَدُّوْا: وہ خواہش کریں گے ۔ وہ پسند کریں گے ۔ مَوَدَّۃٌ سے مضارع ۔

بَادُوْنَ: بادیہ نشین ۔ جنگل کے رہنے والے ۔ بَدْوٌ وبَدَاوَۃٌ سے اسم فاعل ۔

اَعْرَاب: عرب کے دیہاتی ۔ بدُو ۔ واحد اَعْرَابِیٌّ ۔

اَنْبَاءِ: خبریں ۔ واحد نَبَأٌ ۔

تشریح: ان منافقوں کی بزدلی کا حال یہ ہے کہ کفار کی جماعتوں کے ناکام و نامراد واپس چلے جانے کے بعد بھی ان کو ان کے جانے کا یقین نہیں اور وہ خوف و دہشت کے مارے یہی گمان کئے ہوئے ہیں کہ کفار کی فوجیں ابھی واپس نہیں گئیں بلکہ وہ واپس آنے والی ہیں ۔

اگر بالفرض کافر فوجیں دوبارہ مجتمع ہو کر مدینے پر حملہ آور ہو جائیں تو یہ منافق خوف و دہشت کے سبب مدینہ چھوڑ کر بدویوں کی طرح صحرا نشین ہو جائیں اور وہیں بیٹھے بیٹھے مدینے سے آنے والوں سے مسلمان کا حال پوچھتے رہیں ۔ اور اگر یہ لوگ صحرا نشینی نہ بھی اختیار کریں اور مدینے ہی میں رہیں اور دشمن سے مقابلے کی نوبت آجائے تب بھی یہ محض دکھاوے اور عار سے بچنے کے لئے برائے نام قتال میں حصہ لیتے ، تاکہ لوگوں کو باور کرا سکیں کہ ہم بھی قتال میں شریک تھے ۔

آپ کا اسوۂ حسنہ

۲۲،۲۱ ۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝

البتہ تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی) میں عمدہ نمونہ ہے، اس کے لئے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے ۔ اور جب مومنوں نے فوجوں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس کا اللہ اور

اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس
سے ان کا ایمان اور فرماں برداری اور زیادہ ہوگئی۔

تشریح: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہو اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں ہر شعبۂ زندگی کے لئے نمونہ عمل موجود ہے۔ اس کو چاہئے کہ وہ ہر معاملے، ہر حرکت و سکون، ہر نشست و برخاست اور ہمت و استقلال وغیرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے۔ جس طرح آپ ﷺ نے پیغامِ الٰہی کے پہنچانے میں مشرکین کی ایذاؤں پر صبر فرمایا، خویش و اقارب اور وطن کو چھوڑ کر ہجرت فرمائی۔ دشمنانِ خدا سے جہاد و قتال کیا، بھوک، پیاس اور طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کیں۔ اسی طرح ہر شخص کو اپنے ہر معاملے میں آپ کی کامل اتباع کرنی چاہئے۔ اس میں دین و دنیا دونوں کی فلاح ہے۔

جب مومنین مخلصین نے دیکھا کہ کفار کی فوجیں اکٹھی ہو کر چاروں طرح سے ٹوٹ پڑی ہیں تو پریشان ہونے کی بجائے کہنے لگے کہ یہ تو وہی چیز ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پہلے ہی خبر دے دی تھی اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا۔ کافروں کی اس لشکر کشی نے اللہ اور اس کے رسول کے وعدوں پر مومنوں کے ایمان و یقین کو اور پختہ کر دیا اور اس سے ان کی فرماں برداری اور جاں نثاری بھی بڑھ گئی۔

صحابہ کرام کا ایمان وعزم

۲۳، ۲۴ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾

مومنوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچ کر دکھایا۔ ان میں سے بعض نے اپنا کام پورا کر دیا (شہید ہو گئے) اور بعض موقع (شہادت) کے منتظر ہیں اور (اپنے عہد و پیمان میں) ذرا نہیں بدلے۔ تا کہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا بدلہ دے اور اگر چاہے تو منافقوں کو عذاب

دے یا ان کو توبہ کی توفیق دے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

قَضٰی : اس نے فیصلہ کیا۔ اس نے پورا کیا۔ قَضَاءٌ سے ماضی۔

نَحْبَهٗ: اس کا کام۔ اس کا عہد۔ اس کی منت۔ مصدر و اسم۔

شانِ نزول: شیخین، ترمذی، ابن ابی شیبہ، ابوداود، ابن سعد اور بغوی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہو سکے۔ ان پر یہ بات بڑی شاق گزری تھی اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ یہ پہلا معرکہ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اور میں غیر حاضر تھا۔ آئندہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے ساتھ جہاد کا موقع دیا تو اللہ میری کارگزاری دیکھ لے گا۔ چنانچہ احد کے دن جب مسلمانوں نے میدان چھوڑ دیا تو حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور کہا اے اللہ میں اپنے ساتھیوں کی اس حرکت سے جوان سے سرزد ہوئی ہے تیری بارگاہ میں عذر خواہ ہوں اور ان مشرکوں نے جو کچھ کیا اس سے میں تیرے سامنے اظہار بیزاری کرتا ہوں۔

کچھ انصار و مہاجرین نے اپنے ہتھیار اپنے ہاتھوں سے پھینک دیئے تھے۔ (اور رنج و الم میں ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔) حضرت انس بن نضر ان کے پاس پہنچے اور کہا آپ لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ صحابہ نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ ابن نضر نے کہا رسول اللہ کے بعد جی کر کیا کرو گے، اٹھو اور جس دین کی خاطر رسول اللہ شہید ہوئے تم بھی اسی پر جان دے دو۔ اس کے بعد ابن نضر مشرکوں کی جانب بڑھے۔ احد سے پہلے حضرت سعدؓ بن معاذ ملے اور ان سے کہا اے ابو عمرو تم کہاں جا رہے ہو۔ واللہ مجھے تو احد کے ادھر سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ سبحان اللہ واہ واہ! کیا خوشبو ہے، پھر مشرکین سے اتنا قتال کیا کہ شہید ہو گئے اور ان کے جسم پر تلوار، تیر اور نیزے کی ضربوں کے اسی سے زیادہ زخم تھے۔ کافروں نے ان کی لاش کو مثلہ کر دیا تھا (ناک، کان، وغیرہ اعضا کاٹ لئے تھے) اس لئے لوگ ان کی لاش کو شناخت نہ کر سکے صرف ان کی بہن نے انگلیوں کے پور دیکھ کر ان کو پہچانا تھا۔ حضرت انسؓ بن مالک نے کہا کہ اکابر صحابہ کہا کرتے تھے کہ یہ آیت انس بن نضر اور ان جیسے لوگوں کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ (روح المعانی ۲۱/۱۷۰، ابن کثیر ۳/۴۴۵)

ابن ابی حاتم، ترمذی، ابن جریر، طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت طلحہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد سے مدینے واپس آئے تو منبر پر چڑھ کر آپ نے اللہ کی

حمد وثنا بیان کی اور مسلمانوں سے ہمدردی ظاہر کی، ان میں سے جو شہید ہو گئے تھے ان کے درجوں کی خبر دی پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ ایک مسلمان نے کھڑے ہو کر پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جن لوگوں کا اس آیت میں ذکر ہے وہ کون ہیں؟ (حضرت طلحہؓ نے فرمایا) اس وقت میں سامنے سے آرہا تھا، اور سبز رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ آپ ﷺ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا، اے پوچھنے والے، یہ بھی انہی میں سے ہیں۔ (روح المعانی ۱۷۰،۱۷۱/۲۱)

تشریح: گزشتہ آیات میں منافقین کی حالت کا تفصیلی بیان تھا کہ وقت سے پہلے تو جاں نثاری کے لمبے چوڑے دعوے کرتے تھے لیکن وقت آنے پر نہایت بزدل اور کمزور ثابت ہوئے اور ان کے سارے دعوے اور وعدے رکھے کے رکھے رہ گئے، اور بجائے ثابت قدمی کے پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

ان آیتوں میں مومنوں کا ذکر ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی راہ میں جاں نثاری کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا ان میں سے بعض نے تو جام شہادت نوش کر کے اپنی سچائی اور وفاداری ثابت کر دی جیسے حضرت انس بن نضر، حضرت حمزہ اور حضرت مصعب بن عمیر وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ اور بعض اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے اس دن کے منتظر ہیں کہ پھر لڑائی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی کارگزاری دکھائیں اور جام شہادت نوش کریں۔ جیسے حضرت طلحہ کہ ابھی شہید نہیں ہوئے تھے لیکن شہادت کے مشتاق تھے۔ ان لوگوں نے ذرہ برابر بھی اپنا عہد نہیں بدلا اور نہ کبھی ان کو اپنی نذر پوری نہ کرنے کا خیال گزرا بلکہ وہ اپنے عہد اور وعدے پر صدق دل سے قائم رہے۔

یہ غزوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش وامتحان تھا تاکہ خبیث اور طیب میں تمیز ہو جائے اور اچھے اور برے کا حال سب پر کھل جائے۔ پھر سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقوں اور جھوٹوں کو ان کی عہد شکنی کی سزا دے یا انہیں توبہ کی توفیق دے کر ان کی خطائیں معاف فرما دے۔ بلاشبہ وہ اپنی مخلوق کی خطائیں معاف فرمانے والا اور ان پر مہربانی فرمانے والا ہے۔ اس کی رحمت و مہربانی اس کے غضب اور غصے سے بڑھی ہوئی ہے۔ (ابن کثیر ۴۴۵، ۳/۴۴۶)

غزوے کا انجام

۲۵۔ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝

اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصے میں بھرا ہوا ہی (نامراد) لوٹا دیا۔ ان کی
کچھ بھی مراد پوری نہ ہوئی اور مومنوں کے لئے جنگ میں اللہ ہی کافی ہو گیا
اور اللہ بڑی قوت والا (اور) غالب ہے۔

رَدَّ: اس نے ہٹا دیا۔ اس نے لوٹا دیا۔ رَدٌّ سے ماضی۔

یَنَالُوْا: وہ پہنچتے ہیں۔ وہ پاتے ہیں۔ نَیْلٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنا احسان بیان فرمایا ہے کہ اس نے طوفان بادو باراں بھیج کر اور اپنے نظر نہ آنے والے لشکر اتار کر کافروں کی کمر توڑ دی اور ان کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔ وہ جس طرح غصے میں بھرے ہوئے آئے تھے اسی طرح غصے میں بھرے ہوئے ناکام و نامراد واپس جانا پڑا۔ جو کچھ سوچ کر آئے تھے وہ سب خاک میں مل گیا۔ کہاں کی غنیمت، کہاں کی فتح، اپنی ہی جان کے لالے پڑ گئے اور ہاتھ ملتے، دانت پیستے، پیچ و تاب کھاتے، ذلت و رسوائی کے ساتھ ناکام و نامراد واپس ہوئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا تھا کہ جب تک رحمۃ للعالمین ان کے اندر موجود ہیں وہ ان کو عام عذاب نہیں دے گا اس لئے اس نے صرف ان کی شرارت کا مزہ چکھایا اور ان کو منتشر کر کے ان پر سے اپنا عذاب ہٹا لیا، ورنہ یہ ہوائیں ان کے ساتھ وہی سلوک کرتیں جو عادیوں (قوم عاد) کے ساتھ کیا تھا۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ہوا اور فرشتوں کے ذریعے مومنوں کی طرف سے ان کا مقابلہ کیا اور اہل ایمان کو بلا قتال فتح و کامرانی سے ہمکنار کیا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنے وعدے کو سچا کیا۔ اپنے بندے کی مدد کی، اپنے لشکر کی عزت کی، تمام دشمنوں سے آپ ہی نبٹ لیا اور سب کو شکست دیدی اس کے بعد اور کوئی بھی نہیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ احزاب کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی۔

اَللّٰھُمَّ مُنَزِّلُ الْکِتَابِ سَرِیْعُ الْحِسَابِ اَھْزِمِ الْاَحْزَابَ وَ
زَلْزِلْھُمْ.

اے اللہ! اس کتاب کے نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، ان
لشکروں کو شکست دے اور انہیں ہلا ڈال۔

جب کافر میدان جنگ سے ناکام و نامراد لوٹ گئے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیش گوئی فرمایا کہ اس سال کے بعد قریش ہم پر حملہ آور نہیں ہوں گے بلکہ ہم ان پر حملہ آور ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ ان پر حملہ آور ہوئے اور مکہ فتح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کی قوت کا مقابلہ بندے کے بس کا نہیں۔ اس کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ اسی نے اپنی قوت سے ہر طرح کے سامانِ حرب و ضرب سے لیس کافروں کے ٹڈی دل لشکروں کو پسپا کیا۔ انہیں برائے نام بھی کچھ فائدہ حاصل نہ ہو سکا۔ اس نے اسلام اور اہل اسلام کو کافروں پر غلبہ دے کر اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ (ابن کثیر ۳/۴۴۶، ۴۴۷)

بنو قریظہ کا حال

۲۶۔۲۷۔ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝

اور جن اہل کتاب نے ان (حملہ آوروں) کی پشت پناہی کی تھی اللہ نے ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ ان کے ایک گروہ کو تو تم قتل کرنے لگے اور ایک گروہ کو قید۔ اور اللہ نے تمہیں ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں اور زمین کا بھی وارث کر دیا جس پر تمہارے قدم بھی نہ پہنچے تھے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ظَاهَرُوْا: انہوں نے مدد کی۔ انہوں نے پشت پناہی کی۔ مُظَاهَرَةٌ سے ماضی۔

صَيَاصِيْهِمْ: ان کے قلعے۔ ان کی پناہ گاہیں۔ واحد صِيْصِيَّةٌ اور صِيْصَةٌ.

قَذَفَ: اس نے ڈالا۔ اس نے پھینکا۔ اس نے زنا کی تہمت لگائی۔ قَذْفٌ سے ماضی۔

تَطَئُوْا: تم نے کچلا۔ تم نے روندا۔ تم نے پامال کیا۔ وَطْأٌ سے مضارع۔

تشریح: بنو قریظہ مدینے کے قریب آباد تھے اور ان کا مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ تھا۔ جنگ احزاب کے موقع پر بنو قریظہ، حُیَی بن اخطب کے اصرار پر مشرکین کی مدد کے لئے آمادہ ہو گئے تھے۔ جب قریش اور دوسرے قبائل ناکام و نامراد لوٹ گئے تو بنو قریظہ قلعہ بند ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

معرکہ احزاب سے فارغ ہو کر غسل وغیرہ میں مشغول تھے کہ حضرت جبریل تشریف لائے، چہرے پر گرد و غبار کا اثر تھا۔ انہوں نے فرمایا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے ہتھیار اتارے دیئے حالانکہ فرشتے ابھی تک ہتھیار بند ہیں۔ اللہ کا حکم ہے کہ بنو قریظہ پر حملہ کیا جائے اور مجھے حکم ہے کہ میں جا کر ان کو متزلزل کروں اور ان کے دلوں میں رعب ڈالوں۔ آپ نے فوراً منادی کرادی اور اسلامی لشکر نے جا کر ان کے قلعے کا محاصرہ کرلیا جو چوبیس پچیس روز جاری رہا۔ آخر محصورین نے تاب نہ لا کر پیغام بھیجنے شروع کئے حالانکہ ان کے آٹھ سو نو سو جنگجو ہر طرح سے مسلح تھے۔

آخر بنو قریظہ کے یہود حضرت سعدؓ بن معاذ کو حکم ٹھہرا کر جو ان کے حلیف تھے، قلعوں سے باہر آنے پر آمادہ ہوگئے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت سعدؓ جو فیصلہ کریں گے وہ انہیں منظور ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے منظور فرمالیا۔ پھر حضرت سعدؓ نے آکر فیصلہ فرمایا کہ ان کے مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتوں اور لڑکوں کو کنیز اور غلام بنایا جائے اور ان کے اموال و جائداد کا مالک مسلمانوں کو بنایا جائے۔ اللہ اور اس کے رسول کی مرضی اور ان کی بدعہدی کی یہی سزا تھی اور یہ فیصلہ ان کی مسلمہ آسمانی کتاب ''توریت'' کے عین مطابق تھا۔

جب حضرت سعدؓ کے فیصلے کے بعد ان کی مشکیں کسی جانے لگیں اور ان کی گردنیں مارنے کے لئے کھائیاں اور گڑھے کھودے گئے تو اللہ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ کسی کو سرکشی کی مجال نہ ہوئی اور مسلمان ان کے ایک فریق کو قتل کر رہے تھے اور دوسرے فریق کو قید کر رہے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی زمینوں اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا کہ اب جس طرح چاہو ان میں تصرف کرو۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی علم میں تمہیں ایسی سرزمین کا وارث بنا رکھا ہے جس کو تمہارے قدموں نے ابھی نہیں روندا ہے۔ اس میں آئندہ فتوحات کی طرف اشارہ ہے۔ (عثمانی ۲/۳۴۹، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۷۷، ۵/۴۷۸)

ازواجؓ مطہرات کا مطالبہ اور اللہ کا حکم

۲۸، ۲۹۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اوراس کی آرائش چاہتی ہوتو آؤ میں تمہیں کچھ (دنیوی مال و) متاع دیکر اچھائی کے ساتھ رخصت کردوں اور اگر تم اللہ اوراس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہوتو اللہ نے تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لئے اجرعظیم تیار کررکھا ہے۔

اُسَرِّحْکُنَّ: میں تم کو رخصت کروں۔ تسریحٌ سے مضارع۔

اَعَدَّ: اس نے تیار کیا۔ اِعْدَادٌ سے ماضی۔

تشریح: غزوۂ بنی قریظہ کے بعد جب ازواجؓ مطہرات نے دیکھا کہ لوگ آسودہ حال ہو گئے ہیں تو انہوں نے بھی چاہا کہ وہ بھی عیش وآرام کی زندگی بسر کریں۔ اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے نان نفقے میں اضافے کا مطالبہ کیا۔ اگر چہ یہ امیرانہ عیش وعشرت نہ تھی بلکہ ضرورت اور جواز کی حد میں تھا اوراس سے ان کا مقصد آپ کو ایذا دینا نہ تھا لیکن آپ کو یہ بھی ناگوار گزرا اور قسم کھالی کہ ایک مہینہ گھر میں نہیں جاؤں گا اور مسجد کے قریب ایک بالا خانے میں رہنے لگے۔ صحابہ کرام سخت مضطرب تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ کسی طرح معاملہ طے ہو جائے۔ ان کو اپنی صاحبزادیوں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی فکر تھی کہ کہیں وہ اللہ کے پیغمبر کو رنجیدہ کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کرلیں۔ اس لئے ان دونوں نے اپنی اپنی بیٹیوں کو دھمکایا اور سمجھایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مطالبہ نہ کریں۔ پھر انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر کچھ بے تکلفی کی باتیں کیں جس سے آپ کو قدرے فرحت وانبساط ہوئی۔

ایک ماہ بعد یہ آیت تخییر نازل ہوئی جس میں ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ وہ دو راستوں میں سے ایک کو اختیار کرلیں۔ اگر وہ دنیا کی عیش اور امیرانہ ٹھاٹھ چاہتی ہیں تو آپ ان کو صاف صاف بتادیجئے کہ میرے ساتھ تمہارا نباہ نہیں ہوسکتا اور میں تمہیں کپڑا، جوڑا دیکر، جو مطلقہ کو دیا جاتا ہے، اچھے طریقے سے رخصت کردوں۔ اگر تم آخرت اور اللہ اوراس کے رسول کی خوشنودی کی طالب ہوتو پھر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ سکتی ہو۔ تم میں سے جو اس کے لئے تیار ہوتو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لئے اجرعظیم تیار ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد آپ گھر میں تشریف لائے اور سب سے پہلے حضرت عائشہؓ

کو یہ آیت سنائی۔ انہوں نے کسی تردد کے بغیر اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو اختیار کیا جس سے آپ کا ملال جاتا رہا۔ اس کے بعد باقی ازواج نے بھی ایسا ہی کیا اور سب نے دنیا کی رغبت کا خیال دل سے نکال ڈالا۔ (عثمانی ۲/۳۵۰، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۷۹-۴۸۲/۵)

ازواجؓ مطہرات کو تنبیہ

۳۰۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفْ لَھَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ ؕ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ﴿۳۰﴾

اے نبی کی عورتو! تم میں سے جو کوئی صریح بے حیائی کا کام کرے گی تو اس کو دوگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو براہ راست مخاطب کر کے فرمایا کہ اے نبی کی عورتو! تمہارا مقام دنیا کی تمام عورتوں سے بلند تر ہے کیونکہ تم ایسے نبی کی ازواج ہو جو تمام اولین و آخریں سے افضل و اکمل ہے۔ لہٰذا اگر تم میں سے کوئی عورت ظاہری معصیت اور کھلی بے حیائی کا کام کرے گی جو خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا باعث بنے تو اس عورت کو دوسری عورتوں کے مقابلے میں دوہرا عذاب دیا جائے گا کیونکہ نبی کی ازواج سے گناہ کا سرزد ہونا بہت ہی برا اور دوہرا گناہ ہے۔ ایک اللہ کی نافرمانی کا اور دوسرا نبی کی دل آزاری کا۔ یہ دوہری سزا دینا اللہ پر بہت آسان ہے۔ تمہاری عزت واحترام اور نبی سے نسبتِ زوجیت، اللہ کو سزا دینے سے نہیں روک سکتی۔

ازواجؓ مطہرات کے خصائص

۳۱، ۳۲۔ وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِھَآ اَجْرَھَا مَرَّتَیْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَھَا رِزْقًا کَرِیْمًا ﴿۳۱﴾ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِہٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اس کو دوبار اس کا اجر دیں گے اور اس کے لئے ہم

نے بہترین رزق تیار کر رکھا ہے۔اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح
نہیں ہو، اگر تم پرہیز گاری اختیار کرو تو نرم لہجے میں بات نہ کیا کرو کہ اس سے
اس شخص کو (فاسد) خیال پیدا ہونے لگتا ہے جس کے دل میں مرض ہے۔
اور تم صاف اور سیدھی بات کرو۔

یَقْنُتْ: وہ فرماں برداری کرے گا۔ وہ اطاعت کرے گا۔ قُنُوْطٌ سے مضارع۔

تَخْضَعْنَ: تم نزاکت کرو۔ تم نرمی کرو۔ تم تواضع اختیار کرو۔ خُضُوْعٌ سے مضارع۔

یَطْمَعَ: وہ حرص کرتا ہے۔ وہ طمع کرتا ہے۔ وہ لالچ کرتا ہے۔ طَمْعٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی نہایت خلوص اور لگن کے ساتھ ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری میں لگی رہے گی اور نیک کام کرتی رہے گی تو ہم دوسروں کے مقابلے میں اس کو اس کی اطاعت اور نیک کاموں کا دوہرا اجر دیں گے۔ ایک تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا، دوسرا اس بات کا کہ وہ قناعت اور حسنِ معاشرت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور خوشنودی کی طلب گار ہوئیں۔ چونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لئے دنیاوی آسائش کے مقابلے میں آخرت کو اختیار کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے رزقِ کریم کا وعدہ فرمایا جو آخرت میں ان کے لئے بطور ذخیرہ محفوظ ہے۔

پھر فرمایا کہ اے نبی کی عورتو! تم مرتبے اور حیثیت کے اعتبار سے عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ تمہاری شان تمام عورتوں سے ممتاز ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے منتخب فرمایا اور تمہیں امہات المؤمنین بنایا۔ لہٰذا تقویٰ و طہارت کے خلاف تم سے کوئی حرکت سرزد نہیں ہونی چاہئے۔ اگر تم تقویٰ اور خوفِ خدا دل میں رکھتی ہو تو نامحرم مردوں سے نرم اور دل کش لہجے میں بات نہ کرنا۔ بلا شبہ عورت کی آواز میں اللہ تعالیٰ نے طبعی طور پر نرمی اور نزاکت رکھی ہے لیکن پاکیزہ عورتوں کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے وہ غیر مردوں سے بات کرنے میں ایسا لب لہجہ اختیار کریں جس میں قدرے درشتی اور روکھا پن ہو، تاکہ کسی بد باطن کا قلب ان کی طرف مائل نہ ہو۔

طبرانی نے اپنی سند سے حضرت عمروؓ بن عاص کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو شوہروں کی اجازت کے بغیر (غیر مردوں سے) بات کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

دارقطنی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی مرد نماز میں یا اپنی بیوی اور کنیزوں کے علاوہ دوسری عورتوں کے سامنے انگڑائی لے۔ (عثمانی ۲/۳۵۱، مظہری ۷/۳۶۸)

عورتوں کو گھر میں بیٹھنے کا حکم

۳۳، ۳۴- وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝

اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہا کرو اور اگلے زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ بیشک اللہ یہی چاہتا ہے کہ وہ تم سے گندی باتیں دور کرے اور تمہیں خوب پاک و صاف کردے۔ اور تم اللہ کی ان آیتوں اور حکمت کی باتوں کو یاد رکھو جو تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں۔ یقیناً اللہ بڑا باریک بین (اور) بہت باخبر ہے۔

قَرْنَ: تم قرار پکڑو۔ تم سکون سے رہو۔ تم ٹھہری رہو۔ قَرَارٌ سے امر

تَبَرَّجْنَ: اپنی زیب و زینت ظاہر نہ کرو۔ بن سنور کر نہ نکلو۔ بے پردہ نہ نکلو۔ تَبَرُّجٌ سے نہی جمع مؤنث۔

الرِّجْسَ: گندگی۔ ناپاکی۔ پھٹکار۔ جمع اَرْجَاسٌ۔

تشریح: اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتی تھیں اور اپنے بناؤ سنگھار کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں اسلام نے اس بداخلاقی اور بے حیائی کو تمام عورتوں کے لئے عموماً اور ازواج مطہرات کے لئے خصوصاً حرام و ممنوع قرار دیا، گویا ان آیات کا نزول اگرچہ ازواج مطہرات کے بارے میں ہوا، مگر حکم عام ہے۔ اس لئے بلاضرورت گھروں سے باہر نکلنا، اپنی زیب و زینت، بناؤ سنگھار اور حسن و جمال دوسروں کے سامنے ظاہر کرنا اور کھلے منہ باہر پھرنا اور غیروں سے بات کرنا بلاشبہ مسلمان عورتوں پر حرام ہے۔ لہٰذا عورتوں کو گھروں میں ٹھہرنا چاہئے اور زمانۂ جاہلیت کی طرح بن سنور کر بے پردہ باہر نہیں نکلنا چاہئے البتہ شرعی یا طبعی ضرورت کی بنا پر زیب و زینت اور بناؤ سنگھار

کے بغیر عام لباس میں پردے کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے ضرورت کی حد تک باہر جاسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ یہی ہے کہ عورت اپنے گھر کی زینت بنے اور باہر نکل کر شیطان کو تاک جھانک کا موقع نہ دے۔

مسند بزار اور ترمذی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت سرتا پا پردے کی چیز ہے۔ جب یہ گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان جھانکنے لگتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ اللہ کے قریب اس وقت ہوتی ہے جب یہ اپنے گھر کے اندرونی حجرے میں ہو۔

بزار اور ابوداؤد نے جید اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھر کی اندرونی کوٹھڑی میں عورت کی نماز گھر کے اندر نماز پڑھنے سے افضل ہے اور گھر کی نماز صحن کی نماز سے افضل ہے۔ (ابن کثیر ۳/۴۸۲)

بزار میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ جہاد وغیرہ کی کل فضیلتیں مرد ہی لے گئے۔ آپ ہمیں کوئی ایسا عمل بتائیے جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت کو پاسکیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے جو اپنے گھر میں پردے کے ساتھ بیٹھی رہے گی وہ جہاد کی فضیلت پالے گی۔ (روح المعانی ۲۲/۶، ابن کثیر ۳/۴۸۲)

پھر فرمایا کہ اے نبی کی عورتو! تم نماز قائم کرو اور اس کی پوری پوری پابندی کرو۔ زکوٰۃ ادا کرتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں تمام اوامر و نواہی کی پابندی کرتی رہو۔ یہی تقویٰ ہے جو تمہارے فضیلت یاب ہونے کی شرط ہے۔ ان احکام و ہدایات سے اللہ تعالیٰ کا منشا یہی ہے کہ تم سے ظاہری اور باطنی گندگی دور ہو جائے اور تمہارا لباسِ تقویٰ میلا اور خراب نہ ہو اور تم کو ایسا پاک وصاف کردے کہ معصیت کے میل و کچیل کا نام و نشان بھی نہ رہے۔ یہ تطہیر تمہیں اسی وقت حاصل ہوگی جب تم ہمارے احکام و ہدایات پر پوری طرح عمل کرو گی اور اللہ تعالیٰ کی ان آیتوں اور حکمت کی باتوں کو یاد رکھو گی جو دن رات تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں۔ یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ تمہارے گھروں میں اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے کہ وہ تمہیں دینی اصلاح کی تعلیم دے رہا ہے اور وہ خوب واقف ہے کہ کون نبی کا اہلِ بیت ہونے اور ان کی محبت میں رہنے کا اہل ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۴۸۴-۴۸۵، مظہری ۷/۳۷۳-۳۶۹)

قرآن میں عورتوں کا تذکرہ

۳۵۔ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِیْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۝

بیشک اللہ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں، اور مومن مردوں اور مومن عورتوں، اور فرماں بردار مردوں اور فرماں بردار عورتوں، اور سچ بولنے والے مردوں اور اور سچ بولنے والی عورتوں، اور صبر کرنے والے مردوں اور صبر کرنے والی عورتوں، اور خشوع کرنے والے مردوں اور خشوع کرنے والی عورتوں، اور صدقہ کرنے والے مردوں اور صدقہ کرنے والی عورتوں، اور روزہ دار مردوں اور روزے دار عورتوں، اور پاک دامن مردوں اور پاک دامن عورتوں، اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مردوں اور اللہ کی بہت یاد کرنے والی عورتوں کے لئے اللہ نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

شانِ نزول: بغوی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں نے عرض کیا یا رسول اللہ علیہ وسلم! قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کا ذکر تو اچھائی کے ساتھ کیا ہے، عورتوں کا ذکر اچھائی کے ساتھ نہیں، تو کیا ہمارے اندر کوئی قابل ذکر بھلائی نہیں ہمیں اندیشہ ہے کہ اللہ ہماری اطاعت کو بھی قبول نہیں کرتا۔ اس پر آیت۔ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ الخ نازل ہوئی۔

(ابن کثیر ۴۸۷/۱۳، مظہری ۳۷۴/۷)

ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن میں مردوں کا تو ذکر آتا رہتا ہے۔ لیکن ہم عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھی اپنا سر سلجھا رہی تھی کہ میں نے منبر پر آپ کی آواز سنی۔ میں نے اپنے بالوں کو تو یونہی لپیٹ لیا اور حجرے میں آ کر آپ کی بات سننے لگی تو اس وقت آپ یہی آیت

تلاوت فرما رہے تھے۔ (ابن کثیر ۷۸/۴/۳، روح المعانی ۲۱/۲۲)

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت اسماءؓ بنت عمیس جب اپنے شوہر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ہمراہ حبشہ سے واپس آئیں اور رسول اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس گئیں تو ان سے دریافت کیا، کیا ہمارے معاملے میں قرآن کی کوئی آیت اتری ہے۔ امہات المؤمنین نے جواب دیا نہیں۔ اسماءؓ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عورتیں بڑے خسارے میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کس وجہ سے۔ انہوں نے عرض کیا (قرآن میں) جس طرح مردوں کا ذکر کیا جاتا ہے عورتوں کا اچھائی کے ساتھ کہیں ذکر نہیں ہوتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۷۴/۷)

تشریح: بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماں بردار، اپنے سارے کام اللہ کے سپرد کر دینے والے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے والے مرد اور عورتیں، اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری پر قائم اور ثابت رہنے والے مرد اور عورتیں، اپنے قول و عمل اور نیت میں سچے مرد اور عورتیں، اللہ کی راہ میں پیش آنے والے مصائب پر صبر کرنے والے اور طاعتوں پر جمے رہنے والے اور تمام گناہوں سے رک جانے والے مرد اور عورتیں، تواضع اور عاجزی کرنے والے مرد اور عورتیں، محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کے عطا کئے ہوئے رزق میں سے اس کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں، فرض و نفل روزے رکھنے والے مرد اور عورتیں، جنہوں نے اللہ کی محبت میں اپنی جائز خواہشات کو ترک کر دیا، ممنوع کام سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد و اور عورتیں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔ ان سب مردوں اور عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے جو ان کی طاعت سے کہیں زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا صراحت کے ساتھ ذکر کر کے عورتوں کے اس رنج و افسوس کا ازالہ کر دیا کہ قرآن میں کہیں بھی ان کا ذکر بھلائی کے ساتھ نہیں آیا۔

مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افراد والے (سب سے) آگے بڑھ گئے۔ عرض کیا گیا افراد والے کون ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کونسا مجاہد سب سے بڑے ثواب کا مستحق ہے۔ آپ نے فرمایا جو اللہ کی یاد سب سے زیادہ کرنے والا ہو۔ اس نے عرض کیا کس روزے دار کو سب سے بڑا ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا جو اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرتا ہو۔ پھر اس شخص نے نماز، زکوٰۃ، حج اور خیرات کا ذکر کیا اور آپ نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ جو اللہ کی یاد سب سے زیادہ کرتا ہو۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ابوحفص اللہ کا ذکر کرنے والے ہر بھلائی کو لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک۔ (مظہری ۳۷۵/۷)

حضرت زید کا نکاح

۳۶۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۗ

کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

شانِ نزول: طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کو نکاح کا پیغام بھیجا جو حضرت زید بن حارثہ کے لئے تھا مگر حضرت زینب نے خیال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ حضرت زید کے لئے پیغام بھیجا ہے تو انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جب اللہ اور اس کے رسول نے کسی بات کا قطعی حکم دے دیا ہو تو پھر کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو اپنے کسی امر کا اختیار نہیں رہتا۔ نزول آیت کے بعد حضرت زینب راضی ہو گئیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت زینب نے کہا کہ میں حضرت زید سے نسب میں بہتر اور اعلیٰ ہوں۔ ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے بھی اس معاملے میں ان کی موافقت کی۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو دونوں راضی ہو گئے اور دونوں نے مان لیا۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید سے ان کا نکاح کر دیا اور آپ نے حضرت زید کی طرف سے زینب کو دس دینار اور ساٹھ درہم مہر، ایک اوڑھنی، ایک کرتہ، ایک تہ بند، ایک چادر، پچاس سیر غلہ اور تقریباً ۴ من کھجور دی۔ (روح المعانی ۲۲/۲۳، مظہری ۳۷۷،۳۷۶/۷)

ابن ابی حاتم نے ابن زید کے حوالے سے بیان کیا کہ یہ آیت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ سب سے پہلی عورت تھیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی تھی۔ انہیں نے اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کردی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کردیا، اس پر وہ اور ان کے بھائی ناراض ہوگئے اور کہا کہ ہماری مراد تو یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ نکاح کرلیں اور آپ نے اپنے غلام سے نکاح کردیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۲۳/۲۲، مظہری ۳۷۷/۷)

تشریح: ایمان لانے کے بعد کسی مومن مرد اور عورت کو کسی ایسے امر میں کوئی اختیار نہیں رہتا، جس کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول فرمادیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد نہ تو کوئی اس فیصلے کی مخالفت کرسکتا ہے، نہ اس کو ماننے سے انکار کرسکتا ہے اور نہ اس بارے میں کسی کو رائے اور قیاس کا حق ہے بلکہ آپ کے فیصلے کو بسر و چشم قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فَلا وَ رَبِّکَ لایُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً ٥ (النساء ۶۵)

قسم ہے تیرے رب کی وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ وہ آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حکم (منصف) نہ بنائیں۔ پھر جو فیصلہ آپ کردیں اس سے کسی طرح اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اسے خوشی سے قبول کرلیں۔

پھر فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد ان کی نافرمانی اور حکم عدولی کرے گا اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرے گا تو وہ یقیناً حق سے بھٹک کر کھلی گمراہی میں جا پڑا۔

حضرت زینبؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح

۳۷۔ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم)! جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام فرمایا اور آپ نے بھی، کہ تو اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ (بات) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے اور اللہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ پھر جب زید اس (عورت) سے اپنی غرض پوری کر چکا تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا، تاکہ مومنوں کے لئے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کی ممانعت نہ رہے، جبکہ وہ ان سے قطع تعلق کر چکیں اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے۔

مُبْدِیْهِ: اس کو ظاہر کرنے والا۔اس کو ایجاد کرنے والا۔اِبْدَاءٌ سے اسم فاعل۔

وَطَرًا: حاجت۔ضرورت۔خواہش۔اسم ہے۔جمع اَوْطَارٌ۔

شانِ نزول: مسند احمد میں ہے کہ جب حضرت زینب کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ سے کہا کہ تم جا کر حضرت زینب کو مجھ سے نکاح کا پیغام دو۔ جب حضرت زید وہاں پہنچے تو حضرت زینب آٹا گوندھ رہی تھیں۔ حضرت زید نے کہا کہ اس وقت میرے دل میں ان کی اتنی عظمت پیدا ہوئی کہ میں سامنے سے ان کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکا اور میں نے پشت پھیر کر ان کو رسول اللہ صلی اللہ کا پیغام پہنچایا، حضرت زینب نے کہا کہ جب تک میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ نہ کرلوں کچھ نہیں کروں گی۔ یہ تو اپنے گھر میں اس جگہ کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگیں جو انہوں نے اس کے لئے مقرر کر رکھی تھی، ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتری جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں نے اس کا نکاح تجھ سے کر دیا۔ چنانچہ اسی وقت آپ بغیر اطلاع حضرت زینب کے گھر چلے آئے۔ (روح المعانی ۲۲/۲۶، ابن کثیر ۳/۴۹۱)

تشریح: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ انعام فرمایا کہ ان کو ابتدائے نبوت ہی میں اسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انعام واحسان کیا کہ ان کی پرورش کی، ان کو غلامی سے آزاد کیا، اپنا متبنیٰ یعنی منہ بولا بیٹا بنایا اور اپنی پھوپھی زاد بہن سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت زینب ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ حضرت زید کے ساتھ رہیں۔ پھر جب دونوں میں نباہ نہ ہوا اور رنجش زیادہ بڑھی تو حضرت زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ زینب کو طلاق دے دوں تو آپ نے بطور مشورہ فرمایا کہ زینب کو اپنی زوجیت میں رہنے دو۔ اس معاملے میں اللہ سے ڈرو اور طلاق دینے میں جلدی نہ کرو، شاید آگے چل کر منافرت موانست میں بدل جائے۔ زوجین کی خیر خواہی اور حسن معاشرت کے اعتبار سے آپ کا مشورہ بالکل درست تھا لیکن حقیقت میں بات دوسری تھی جس کا اظہار اس وقت مناسب نہ تھا، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو بتا دیا تھا کہ حضرت زید بہت جلد حضرت زینب کو طلاق دیدیں گے، اس کے بعد بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت ہم خود حضرت زینب کو آپ کے نکاح میں دیدیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے دی گئی اس خبر کو آپ نے اس خوف سے دل میں پوشیدہ رکھا اور کسی کو مطلع نہ کیا کہ لوگ ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا۔ اس لئے آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آپ کو لوگوں سے خوف کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اس لائق ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔

پھر جب حضرت زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور عدت بھی پوری ہوگئی تو ہم نے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں حضرت زینب سے آپ کا نکاح کردیا جس کی ہم نے بذریعہ وحی آپ کو پہلے ہی خبر دے دی تھی۔ یہ نکاح ہم نے اس لئے کیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے اور جاہلیت کی اس رسم کا قلع قمع ہو جائے کہ متبنیٰ کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور لوگوں کو صاف طور پر معلوم ہو جائے کہ منہ بولا بیٹا نسبی بیٹے کے حکم میں نہیں۔ اس لئے طلاق وعدت کے بعد متبنیٰ کی بیوی سے نکاح درست ہے۔ اسی لئے متبنیٰ کی بیوی سے پردہ واجب ہے اور نسبی بیٹے کی بیوی سے پردہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس امر کو چاہتا ہے وہ قطعی طور پر واقع ہوتا ہے۔ اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔

صحیح بخاری، مسلم اور نسائی وغیرہ میں حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت زینب ازواج مطہرات سے کہا کرتی تھیں کہ تم سب کے نکاح تمہارے والی وارثوں نے کئے اور میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر کرادیا۔

شعبی نے بیان کیا ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مجھ میں اللہ تعالیٰ نے تین خصوصیتیں رکھی ہیں جو آپ کی اور بیویوں میں نہیں، ا۔ میرا اور

آپ کا دادا ایک ہے یعنی عبد المطلب، ۲۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے آپ کے نکاح میں دیا، ۳۔ میرے معاملے میں درمیانی شخص جبریل علیہ السلام ہیں۔ (ابن کثیر ۴۹۱، ۴۹۲/ ۳، مواہب الرحمٰن ۲۲/۳۷)

متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح کا حکم

۳۸، ۳۹ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ۙ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيبًا ۝

نبی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں جو اللہ نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ اللہ کا یہی دستور اُن میں بھی رہا جو پہلے ہوئے اور اللہ کا حکم مقرر ہو چکا تھا۔ وہ (پہلے) لوگ اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے اور اسی سے ڈرتے رہے اور وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کا حکم اٹل ہے۔ جو بات اس کے ہاں طے ہو چکی وہ ضرور رہو کر رہے گی۔ سو جو کچھ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقرر اور مقدر کر دیا تھا اس کے کرنے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔ سابقہ انبیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا طریقہ اسی طرح جاری رہا کہ وہ لوگوں کی ملامت اور طعن و تشنیع کو خاطر میں لائے بغیر اللہ تعالیٰ کے پیغام اور احکام اپنی امتوں کو ٹھیک ٹھیک پہنچایا کرتے تھے کیونکہ وہ صرف اللہ سے ڈرتے تھے اور پیغام رسالت پہنچانے میں اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ لہذا آپ ﷺ بھی مخالفین کے طعن و تشنیع کی پرواہ نہ کریں اور نہ کسی کی ایذا سے ڈریں۔ ان کو سزا دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

ختمِ نبوت

۴۰۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں (اس

لئے زید کے بھی نہیں) لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے (سلسلے کے) ختم
پر ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

خَاتَمُ: آخر۔ مہر۔

خَاتِمُ: ختم کرنے والا۔ مہر۔ قرآن کریم میں اس لفظ کی دو قرأتیں ہیں یعنی یہ زبر اور زیر دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور دونوں کے معنی کا حاصل ایک ہی ہے یعنی سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے والے۔ مہر کے معنی بھی آخر کے ہوتے ہیں کیونکہ بند کرنے کے لئے کسی چیز پر مہر بھی آخر ہی میں لگائی جاتی ہے۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح اور اس کی حکمت کا بیان تھا۔ اس آیت میں منافقین کے اس طعن اور اعتراض کا جواب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرلیا۔ منافقین کا یہ اعتراض اس وقت صحیح ہوتا جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سے کسی کے باپ ہوتے لیکن یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے تین لڑکے حضرت قاسمؓ اور طیبؓ و طاہرؓ اور چار لڑکیاں حضرت زینبؓ، رقیہؓ، کلثومؓ اور فاطمہؓ پیدا ہوئیں۔ تینوں لڑکے صغرسنی میں وفات پاگئے۔ چوتھے لڑکے حضرت ابراہیمؓ ماریہ قبطیہ سے ۸ ہجری میں پیدا ہوئے جو شیرخوارگی ہی میں وفات پاگئے۔ پس آپ کا کوئی لڑکا زندہ ہی نہیں بچا جو رجل یعنی عاقل و بالغ مرد ہوتا۔ اس لئے آپ حضرت زید کے باپ کیسے ہوسکتے ہیں؟

نسبی اعتبار سے آپ ﷺ کا کسی کے ساتھ پدری رشتہ نہیں بلکہ آپ ﷺ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ آپ پر نبوت ختم ہوگئی۔ اللہ کے علم میں جن لوگوں کو نبوت عطا ہونی تھی وہ ہوچکی۔ اب کسی کو منصب نبوت عطا نہیں ہوگا۔ آپ کی نبوت قیامت تک قائم رہے گی۔ آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آپ کے امتی کی حیثیت سے آئیں گے۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ میرے بہت سے نام ہیں، میں محمد ہوں، احمد ہوں، ماحی ہوں کہ میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا۔ میں حاشر ہوں، لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا، میں عاقب (سب سے پیچھے آنے والا) ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (ابن کثیر ۳/۴۹۴)

کثرتِ ذکر کی تاکید

۴۱۔۴۴، يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۝

اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو۔ (اللہ) وہی جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی) تاکہ وہ تمہیں (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی کی طرف لائے اور وہ مومنوں پر بڑا مہربان ہے۔ جس دن وہ اللہ سے ملیں گے (اس دن) ان کی دعا سلام ہوگی اور اس نے ان کے لئے عمدہ اجر تیار کر رکھا ہے۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس نے تم پر اتنا بڑا احسان و انعام فرمایا ہے کہ اس نے تمہاری ہدایت و رہنمائی کے لئے امام الانبیا، سید الاولین والآخرین، خاتم النبین، محمد مصطفےٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام پر تم اس کا شکر ادا کرتے رہو اور اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، دن رات، صبح شام ہمہ وقت اس کو یاد کرتے رہو۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں (مسند احمد ۳/۴۷۹، رسم ۱۱۲۵۶)

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے۔ (ابن کثیر ۳/۴۵۹)

اللہ تعالیٰ خود بھی تم پر اپنی رحمت بھیجتا ہے اور اس کے حکم سے اس کے فرشتے بھی تمہارے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب اس لئے تاکہ تم اس کی رحمت و عنایت اور فرشتوں کی دعا کی برکت سے جہالت و معصیت کی تاریکیوں سے نکل کر طاعت و ہدایت کے نور کی طرف آجاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا مہربان ہے کہ خود بھی ان پر رحمت و مہربانی کرتا ہے اور

فرشتوں کو بھی ان کے لئے مغفرت ورحمت کی دعا کا حکم دیتا ہے۔ پھر جب قیامت کے دن مومن اللہ سے ملیں گے اللہ تعالٰی کی طرف سے ان کو سلام کیا جائے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ

مہربان پروردگار کی طرف سے ان کو سلام کہا جائے گا۔ (یٰسٓ آیت ۵۸)

پھر فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے ان کے لئے جنت میں عمدہ بدلہ تیار کر رکھا ہے جو ان کو وہاں پہنچتے ہی مل جائے گا۔

آپ ﷺ کی پانچ صفات

۴۵۔۴۸، یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًاۙ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا۝ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا۝

اے نبی (ﷺ)! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے (لوگوں کو) اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے اور (اے نبی ﷺ) مومنوں کو خوشخبری دیجئے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے اور ان (طرف سے پہنچنے والی) ایذا سے درگزر کرتے رہئے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ کافی کارساز ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالٰی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں جن کی بدولت یہ مومنین جہالت وگمراہی کی تاریکی سے نکل کر ہدایت کی روشنی سے منور ہوئے اور جن کی اتباع وفرماں برداری سے آخرت کی نعمتوں کے مستحق ہوئے ورنہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے وہ قیامت کے روز سب کے سامنے ذلیل وخوار ہوں گے۔

۱۔ شَاهِدًا: اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو آپ کی امت پر گواہ بنا کر بھیجا ہے۔ قیامت کے روز آپ شہادت دیں گے کہ یہ لوگ ایمان لائے اور ان لوگوں نے کفر کیا۔ جو لوگ ایمان لائے

اورانہوں نے میری اتباع کی وہی میری امت کے لوگ ہیں۔

بخاری ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز (حضرت) نوح (علیہ السلام) کو بلوا کر پوچھا جائے گا کیا تم نے (میرا پیغام) پہنچا دیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کہیں گے۔ جی ہاں۔ پھر ان کی امت کو طلب کر کے پوچھا جائے گا کیا نوح علیہ السلام نے تمہیں میرا پیغام پہنچا دیا تھا، وہ کہیں کے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا۔ اس پر نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا تمہارا شاہد کون ہے۔ کون تمہاری گواہی دے سکتا ہے۔ حضرت نوح جواب دیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت۔ اس موضوع کی احادیث بکثرت آئی ہیں۔ (مظہری ۳۸۶/۷)

۲۔ وَمُبَشِّراً: اور انبیا پر ایمان لانے والوں کو جنت کی بشارت دینے والا۔

۳۔ وَنَذِيراً: اور انبیا کی تکذیب کرنے والوں کو دوزخ کے شدید عذاب سے ڈرانے والا۔

۴۔ وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ: اور اللہ کے حکم اور اس کی توفیق سے لوگوں کو اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کی طرف بلانے والا۔

۵۔ وَسِرَاجًا مُّنِيراً: اور آپ کو روشن چراغ بنا کر بھیجا۔ جس طرح سورج کی روشنی سے کل عالم منور ہوتا ہے اسی طرح آپ کے آفتاب ہدایت سے تمام عالم میں روشنی پھیل گئی اور حق و باطل میں فرق واضح ہو گیا۔

ان مومنوں کو جنہوں نے اس نورِ ہدایت کو قبول کیا خوشخبری سنا دیجئے کہ اللہ کی طرف سے ان پر بڑا فضل ہونے والا ہے۔ آپ دین کے معاملے میں ان کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانئے اور نہ اس ایذا کی پرواہ کیجئے جو آپ کو ان لوگوں کی طرف سے پہنچے آپ تو بس اللہ ہی پر بھروسہ رکھیئے۔ تمام امور میں وہی آپ کے لئے کافی ہے۔

طلاق کا ایک خاص حکم

۴۹۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر تم ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت لازم نہیں کہ تم گنتی پوری کراؤ۔ سوتم ان کو کچھ دیدو اور خوش اسلوبی سے ان کو رخصت کردو۔

مَتِّعُوْهُنَّ: تم ان عورتوں کو فائدہ پہنچاؤ۔ تَمْتِيْعٌ سے امر۔

سَرِّحُوْهُنَّ: تم ان عورتوں کو رخصت کرو۔ تم ان کو چھوڑ دو۔ تَسْرِيْحٌ سے امر۔

تشریح: یہاں نکاح وطلاق کے بارے میں جو حکم بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے، اے ایمان والو! ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح اور طلاق کے بارے میں جو احکام تمہیں دیئے ہیں ان کی تعمیل کرو۔ انہی میں سے ایک حکم یہ ہے کہ جب تم مومنہ عورتوں کو اپنے نکاح میں لاؤ اور کسی وجہ سے ان کو چھونے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہارے لئے ان عورتوں پر کوئی عدت واجب نہیں کہ تم گنتی پوری کراؤ، ایسی عورت پر تمہارا کوئی حق نہیں، وہ فوراً دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ سو طلاق کے بعد تم ان کو کچھ مالی فائدہ یعنی کپڑوں کا ایک جوڑا دے کر اچھے طریقے سے رخصت کرو، جس میں ان کو کسی قسم کا نقصان نہ ہو اور رخصت کرتے وقت زبان سے بھی ان کو کوئی سخت بات نہ کہو اور نہ ان پر طعن وتشنیع کرو، (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۵/۵۳۲)

آپ ﷺ کو بلا مہر نکاح کی اجازت

۵۰۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ز وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ق خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کے لئے آپ کی وہ بیویاں حلال کردیں جن کو آپ نے ان کا مہر دے دیا اور وہ کنیزیں بھی جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں دی ہیں اور آپ کے چچا کی وہ بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی وہ بیٹیاں اور

آپ کے ماموں کی وہ بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی وہ بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور وہ مومن عورت بھی جو اپنی جان نبی کو ہبہ کر دے بشرطیکہ نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ صرف آپ کے لئے ہے اور مومنوں کے لئے نہیں۔ ہمیں خوب معلوم ہے جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے حق میں مقرر کر دیا ہے تاکہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

تشریح: آئندہ تین آیتوں میں نکاح کے ان سات احکام کا بیان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے ساتھ مخصوص ہیں۔

۱۔ اگرچہ آپ کی موجودہ بیویوں کی تعداد چار سے زیادہ ہے مگر ہم نے آپ کے لئے خاص طور پر ان کی زوجیت کو برقرار رکھا ہے کیونکہ آپ ان کو مہر بھی ادا کر چکے ہیں اور انہوں نے دنیا کے مقابلے میں آخرت کو اختیار کیا اور فقر و فاقے کے باوجود نبی کی زوجیت میں رہنا قبول کیا۔ یہ حکم صرف آپ کے لئے ہے۔ آپ کے سوا کسی اور کے لئے چار سے زیادہ بیویاں رکھنا حلال نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جس چیز کا دینا آپ کے ذمے ہو تو آپ اس کو فوراً ادا کر دیتے۔ بلا ضرورت اس میں تاخیر نہ فرماتے۔ اسی طرح آپ نے ازواجؓ مطہرات میں سے ہر ایک کا مہر فوراً ادا کیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ان کنیزوں کو بھی حلال کر دیا جو آپ کی ملکیت ہیں اور مال غنیمت میں آپ کو ملیں خواہ وہ کسی بھی قوم کی ہوں وہ سب آپ کے لئے حلال ہیں۔ خریدی ہوئی چیز میں شک و شبہ ہو سکتا ہے لیکن مالِ غنیمت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ دنیا کے اموال میں سے کوئی بھی مالِ غنیمت سے بڑھ کر حلال و طیب نہیں۔ اس حکم میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات میں سے کسی کا نکاح کسی امتی کے ساتھ حلال نہیں اسی طرح جو کنیز آپ کے لئے حلال کی گئی وہ بھی آپ کے بعد کسی کے لئے حلال نہ ہوگی۔

۳۔ آپ کے چچا اور پھوپھیوں کی لڑکیاں اور ماموں اور خالاؤں کی لڑکیاں جنہوں نے آپ

کے ساتھ ہجرت کی آپ کے لئے حلال کردی گئیں۔ چچا، پھوپھی میں باپ کے خاندان کی سب لڑکیاں اور ماموں خالہ میں ماں کے خاندان کی سب لڑکیاں شامل ہیں۔ ان سے نکاح حلال ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سب مسلمانوں کے لئے یہی حکم ہے۔ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے لئے ان میں سے صرف وہ لڑکیاں حلال ہیں جنہوں نے مکہ سے ہجرت کی ہو۔ ساتھ ہجرت کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ سفر میں آپ کے ساتھ ہی ہوں بلکہ اس سے مراد ہجرت میں موافقت ہے یعنی فعل ہجرت میں وہ آپ کے ساتھ ہوں خواہ انہوں نے آپ سے پہلے ہجرت کی ہو یا بعد میں۔

۴۔ وہ مسلمان عورت بھی آپ کے لئے حلال کردی گئی جو نبی کی زوجیت اور خدمت کا شرف حاصل کرنے کے لئے بغیر معاوضے اور مہر کے اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کردے بشرطیکہ آپ بھی اپنے نکاح میں لینا چاہیں۔ یہ حکم خاص آپ کے لئے ہے۔ دوسرے مومنوں کے لئے نہیں۔ آپ کے سوا کسی اور مسلمان کے لئے مہر کے بغیر کسی عورت کو اپنے نکاح میں لینا حلال نہیں۔

اللہ ان احکام اور نکاح کی شرائط کو خوب جانتا ہے جو اس نے مومنوں پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں فرض کئے ہیں۔ اس سلسلے میں جو حقوق و فرائض اور شرائط و قیود اس نے مومنین کے لئے مقرر کی ہیں وہ آپ پر اس لئے نہیں لگائیں تاکہ آپ کے لئے تنگی نہ ہو بلکہ وسعت اور سہولت ہو۔ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے، جن باتوں سے بچنا دشوار ہوتا ہے وہ ان کو معاف کردیتا ہے اور اپنی مہربانی سے جس پر چاہتا ہے وسعت کردیتا ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۳۲۔۵۳۴/۵)۔

ازواج میں مساوات سے استثنٰی

۵۱۔ تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَلَا یَحْزَنَّ وَیَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ۝

آپ ان بیویوں میں سے جس کو چاہیں الگ رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے

پاس رکھیں اور جس کو آپ نے الگ کر دیا تھا اس کو اپنے پاس بلاؤ تو بھی آپ
پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ اس لئے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنج نہ کریں
اور جو کچھ آپ ان کو دیں اس پر سب خوش رہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ
تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ جاننے والا (اور) حلم والا ہے۔

تُؤْوِیْ: تو جگہ دیتا ہے تو اپنے پاس بلاتا ہے۔اِیْوَاءٌ سے مضارع۔

عَزَلْتَ: تو نے دور کر دیا۔تو نے ایک طرف کر دیا۔عَزْلٌ سے ماضی۔

تَقَرَّ: وہ قرار پکڑے۔وہ ٹھنڈی رہے۔قُرَّۃٌ سے مضارع۔

۵۔ **تشریح**: عام مومنوں پر جن کی متعدد بیویاں ہوں، سب کے پاس باری باری سے رہنا واجب ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب ازواج کے پاس باری باری سے رہنا واجب نہ تھا اس کے باوجود آپ نے ہمیشہ برابری اور عدل ومساوات کو ملحوظ رکھا۔آپ کو اختیار تھا کہ آپ جس کو چاہیں باری دیں اور جس کو چاہیں باری نہ دیں۔جن بیویوں سے آپ طلاق کے بغیر کنارہ کش ہو گئے ان میں سے اگر کسی کو دوبارہ بلانا چاہیں تو اس میں بھی آپ پر کوئی گناہ اور تنگی نہیں۔

پھر فرمایا کہ جب ازواج مطہرات کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ باری دینا آپ پر واجب نہیں تو اس کے بعد آپ ان کے ساتھ جو بھی عدل واحسان اور برابری کا معاملہ فرمائیں گے وہ اس پر راضی اور خوش رہیں گی اور اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے جو لوگ ان احکام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کرتے ہیں یا ان کے بارے میں بدگمانی کرتے ہیں تو اللہ کو اس کا علم ہے مگر وہ اپنے حلم کی وجہ سے ان کو جلد سزا نہیں دیتا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۵۳۵)

مزید عورتوں سے نکاح کی ممانعت

۵۲۔ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝

اس کے بعد آپ کے لئے (موجودہ ازواج کے علاوہ) دوسری عورتیں
حلال نہیں اور نہ یہ کہ ان کو بدل کر اور عورتیں کر لو اگرچہ آپ کو ان کا حسن اچھا

معلوم ہو مگر جو آپ کی مملوکہ (کنیز) ہوں اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

اَعْجَبَکَ: وہ تجھ کو اچھا لگا۔ وہ تجھے کو بھلا لگا۔ وہ تجھ کو بھایا۔ اِعْجَابٌ سے ماضی۔

رَقِیْباً: نگران۔ نگہبان۔ خبر رکھنے والا۔ رُقُوْبٌ سے صفت مشبہ۔

۶۔ **تشریح:** آیت تخییر کے نزول کے بعد جب ازواج مطہرات نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کر لیا تو اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے موجودہ ازواج کے علاوہ دوسری عورتوں کو حرام کر دیا یعنی اب آپ کے لئے مزید کسی عورت سے نکاح حلال نہیں۔ یہی موجودہ بیویاں دنیا و آخرت دونوں میں آپ کی ازواج ہیں۔

۷۔ آپ کے لئے یہ بھی حلال نہیں کہ آپ ان موجودہ بیویوں میں سے کسی ایک یا ایک سے زیادہ بیویوں کو طلاق دیکر اس کے بدلے میں کسی دوسری عورت یا عورتوں سے نکاح کر لیں خواہ آپ کو ان کا حسن و جمال پسند ہو۔ البتہ وہ کنیزیں جو آپ کی ملکیت میں ہے ان میں کمی اور زیادتی اور تغیر و تبدل کا آپ کو اختیار ہے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۳۵۔۵۳۶/۵)

پردے کا حکم

۵۳۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ٘ وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْــٴَـلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّؕ

اے ایمان والو! تم نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر یہ کہ جب تمہیں کھانے کی اجازت دی جائے (اور) نہ اس (کھانے) کی تیاری کے انتظار میں رہو۔ لیکن جب تمہیں بلایا جائے تب جایا کرو۔ پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ جایا کرو اور باتوں میں نہ لگے رہا کرو۔ اس سے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتے ہیں اور اللہ

حق بات کہنے میں شرم نہیں کرتا۔ اور جب تم ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ اس میں تمہارے اوران کے دلوں کے لئے بہت پاکیزگی ہے۔

نٰظِرِیْنَ: دیکھنے والے۔ انتظار کرنے والے۔ نَظْرٌ سے اسم فاعل۔

اِنٰهُ: اس کا پکنا۔ اس کا تیار ہونا۔ مصدر ہے۔

مُسْتَاْنِسِیْنَ: اُنس کرنے والے۔ جی لگانے والے۔ اِسْتِیْنَاسٌ سے اسم فاعل۔

وَرَاءِ: پیچھے۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ کے کسی نکاح (کے موقع) پر حضرت ام سلیم نے حیس (مالیدہ) بنا کر ایک لگن میں رکھ کر حضرت انس سے کہا کہ اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دو اور کہہ دینا کہ یہ تھوڑا سا تحفہ ہماری طرف سے قبول فرمائیے اور میرا سلام بھی کہہ دینا اس وقت لوگ تھے بھی تنگی میں۔ میں نے جا کر آپ کو سلام کیا، مائی صاحبہ کا سلام اور پیغام بھی پہنچایا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا، اچھا اسے رکھ دو۔ میں نے گھر کے ایک کونے میں رکھدیا۔ پھر فرمایا کہ جاؤ فلاں اور فلاں کو بلالاؤ۔ بہت سے لوگوں کے نام لئے اور فرمایا کہ ان کے علاوہ جو مسلمان مل جائے۔ میں نے یہی کیا جو ملا اسے آپ کے ہاں کھانے کے لئے بھیجتا رہا۔ واپس لوٹا تو دیکھا گھر، حجرہ اور صفہ سب لوگوں سے پر ہیں۔ تقریباً تین سو آدمی جمع ہو گئے تھے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا جاؤ وہ پیالا اٹھالاؤ۔ میں لایا تو آپ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر دعا کی اور جو اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ نے اپنی زبان سے کہا۔ پھر فرمایا چلو دس دس آدمی حلقہ کر کے بیٹھ جاؤ اور بسم اللہ کہہ کہہ کر اپنے اپنے آگے سے کھانا شروع کرو۔ اسی طرح کھانا شروع ہوا اور سب کے سب کھا چکے تو آپ نے فرمایا پیالہ اٹھالو۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے پیالہ اٹھا کر دیکھا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ جس وقت رکھا تھا اس وقت اس میں زیادہ کھانا تھا یا اب؟

چند لوگ آپ کے گھر میں ٹھہر گئے اور باتیں کرتے رہے اور ام المؤمنین دیوار کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھی تھیں۔ ان لوگوں کا اتنی دیر تک نہ ہٹنا آپ پر شاق گزر رہا تھا لیکن شرم ولحاظ کی وجہ سے کچھ نہیں فرما رہے تھے۔ اگر ان لوگوں کو اس بات کا علم ہو جاتا تو وہ نکل جاتے لیکن وہ بے فکری سے بیٹھے رہے۔ آپ گھر سے نکل کر دوسری ازواج مطہرات کے حجروں کے پاس چلے گئے۔ پھر واپس آئے تو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب وہ بھی سمجھ گئے، بڑے نادم ہوئے اور جلدی سے نکل کر چلے

گئے۔آپ اندر داخل ہوئے اور پردہ لٹکا دیا۔ میں بھی حجرے ہی میں تھا جو یہ آیت اتری اور آپ اس کی تلاوت کرتے ہوئے باہر آئے۔ سب سے پہلے اس آیت کو عورتوں نے سنا اور میں تو سب سے پہلے اس کا سننے والا ہوں۔ (ابن کثیر ۳/۵۰۴)

تشریح: اس آیت اور اگلی دو آیتوں کو آیات حجاب کہتے ہیں کیونکہ ان میں عورتوں پر پردہ فرض ہونے کا حکم نازل ہوا۔ انہی میں مسلمانوں کو آداب طعام اور حقوق معاشرت بتائے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس عادت سے روکا جو ان میں زمانۂ جاہلیت سے چلی آرہی تھی کہ وہ دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو جایا کرتے تھے اور جب کوئی دعوت ولیمہ ہوتی تو سویرے ہی سے آجاتے اور کھانا پکنے کا انتظار کرنے لگتے، اور جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو بیٹھے باتیں کرتے رہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ان کا یہی معمول تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اول تو تم دعوت کے بغیر جایا نہ کرو اور اگر دعوت بھی ہو تو پہلے سے جا کر نہ بیٹھا کرو اور جب کھانا کھا چکو تو وہاں نہ ٹھہرو بلکہ وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ بلاشبہ تمہارا بلا اجازت آجانا اور پھر کھانا پکنے سے پہلے آکر بیٹھ جانا اور پھر کھانا کھانے کے بعد بھی بیٹھے باتیں کرتے رہنا اللہ کے پیغمبر کے لئے تکلیف کا باعث ہے وہ شرم و لحاظ کی وجہ سے تمہیں چلے جانے کے لئے نہیں کہتے۔ اللہ تعالیٰ حق بات بیان کرنے اور ادب سکھانے سے نہیں شرماتا۔ وہ تمہاری اصلاح کے لئے حق بات کو صاف صاف بیان کر دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر تمہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے یا مسلمان عورتوں سے کوئی چیز لینی دینی ہو تو باہر پردہ کے پیچھے کھڑے ہو کر ان سے مانگ سکتے ہو مگر ان کو دیکھنے اور پردے کے پیچھے سے جھانکنے کی اجازت نہیں۔ یہ پردہ دلوں کو شیطانی اور نفسانی خیالات سے پاک رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ پس جس طرح پردہ قلب کی طہارت اور پاکیزگی کا سبب ہے اسی طرح بے پردگی قلب کی نجاست اور گندگی کا سبب ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت حجاب کے نزول کے بعد کسی کو اجازت نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے کسی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے خواہ وہ نقاب پوش ہوں یا بغیر نقاب کے۔
(مظہری ۴۰۶، ۷/۴۰۷)

آپ کو ایذا دینے کی ممانعت

۵۳-۵۴۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـــًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا چھپاؤ تو اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے ابن زید کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ کسی شخص نے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو (آپ کے بعد) فلاں (بیوی) سے میں نکاح کرلوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۴۰۷/۷)

سدی کا بیان ہے کہ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ طلحہ بن عبید اللہ نے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری چچا کی بیٹوں سے تو ہمارا پردہ کرا رہے ہیں اور ہمارے بعد ہماری بیویوں سے خود نکاح کرلیتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو ہم ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۴۰۷/۷)

تشریح: تمہارے لئے یہ بات کسی طرح جائز نہیں کہ تم کسی چیز میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاؤ۔ تم ہر معاملے میں رسول اللہ کے ادب کا لحاظ رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ تم سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو آپ کو ناگوار گزرے۔ تمہارے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کی ازواج میں سے کسی کو اپنے نکاح میں لاؤ۔ تمہارا ایسا سوچنا اور کہنا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ عظیم ہے کیونکہ ازواج مطہرات دنیا و آخرت میں آپ کی بیویاں ہیں اور تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ جس طرح آپ کی زندگی میں آپ کو ایذا پہنچانا حرام ہے اسی طرح وفات کے بعد بھی آپ کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔ جس طرح آپ کی حیات میں آپ کی تعظیم اور احترام فرض اور لازم ہے اسی طرح وفات کے بعد بھی فرض اور لازم ہے۔ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا یا ان کی ازواج

سے نکاح کا ارادہ ظاہر کرو گے یا دلوں میں چھپاؤ گے تو اللہ تعالیٰ پر سب ظاہر ہے اس پر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔ وہ آنکھوں کی خیانت، سینے میں چھپی ہوئی باتوں اور دل کے ارادوں کو خوب جانتا ہے۔ اس لئے وہ تمہیں اس ظاہر و پوشیدہ گناہ کی سزا دے گا۔

قریبی رشتہ داروں سے پردے کا حکم

۵۵۔ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝

ان عورتوں پر کچھ گناہ نہیں اپنے باپوں کے سامنے ہونے میں، نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنے غلاموں کے اور اللہ سے ڈرتی رہا کرو یقیناً ہر چیز اللہ کے سامنے حاضر ہے۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ جب پردے کی آیت نازل ہوگئی تو امہات المؤمنین کے باپوں، بھائیوں اور دوسرے قریب ترین رشتہ داروں نے کہا کہ آئندہ ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سے پردے کی آڑ سے بات کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۴۰۸، ۷)

تشریح: گزشتہ آیتوں میں اجنبی مردوں سے پردہ کرنے کا بیان تھا۔ اس آیت میں ان قریبی رشتہ داروں کا بیان ہے جو پردے سے مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ان عورتوں پر اپنے باپوں کے سامنے آنے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں کے سامنے آنے میں اور نہ اپنے بھتیجوں اور بھانجوں کے سامنے آنے میں اور نہ اپنی مسلمان عورتوں اور اپنی کنیزوں کے سامنے آنے میں کوئی گناہ ہے۔ یعنی ان سب کے سامنے آنا جائز ہے۔ آیت میں اپنی عورتوں سے مراد آزاد مسلمان عورتیں ہیں خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا غیر پھر فرمایا کہ عورتوں کو بے پردہ ہو کر غیروں کے سامنے آنے اور جو احکام ان کو دئے گئے ہیں ان کی خلاف ورزی سے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے کیونکہ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے تمام پوشیدہ اور علانیہ کام اور دلوں میں آنے والے خیالات اور ارادے سب اس کو معلوم ہیں۔

آپ کی عظمتِ شان

۵۶۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ؀

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں ۔ اے ایمان والو! تم بھی اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود وسلام بھیجا کرو۔

صَلوٰۃ: رحمت ۔ دعا، مدح وثنا۔ یہاں صلوٰۃ کی جو نسبت اللہ کی طرف ہے اس سے مراد رحمت نازل کرنا ہے اور فرشتوں کی طرف سے صلوٰۃ کا مطلب ہے، ان کا آپ کے لئے دعا کرنا اور عام مومنین کا طرف سے صلوٰۃ کا مفہوم دعا اور مدح وثنا کا مجموعہ ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۲۱/ ۷)

تشریح: گزشتہ آیتوں میں آپ کے علوِ مقام، شرف وعظمت اور ازواج مطہرات کے ادب و احترام کو بیان کیا گیا۔ اس آیت میں بھی آپ کی قدر و منزلت اور عزت و مرتبہ ظاہر کرنے کے لئے مومنوں کو صلوٰۃ وسلام کا حکم دیا گیا ہے۔ جس طرح خود اللہ تعالیٰ آپ کا ثنا خواہ ہے اور اس کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے رہتے ہیں، مومنوں کو بھی چاہئے کہ وہ آپ پر درود وسلام بھیجتے رہیں کیونکہ یہ مومنوں پر آپ کا حق ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی پر درود بھیجنا یہ ہے کہ وہ اپنے فرشتوں کے سامنے آپ کی ثنا وصفت بیان کرتا ہے اور فرشتوں کا درود بھیجنا یہ ہے کہ وہ آپ کے لئے دعا کرتے ہیں۔

مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن خزیمہ وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اللہ کی تعریفیں بیان کرے، پھر درود پڑھے، پھر جو چاہے دعا مانگے۔

(ابن کثیر ۳/۵۰۸)

حضرت جابرؓ سے مرفوعاً مروی ہے، آپ نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھے پر درود نہیں پڑھا تو وہ بدنصیب ہو گیا۔ (مظہری ۴۱۲/ ۷)

بخاری، احمد، نسائی اور حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور دس خطائیں ساقط کرے گا اور دس درجے بلند کرے گا۔ (مظہری ۴۱۲/ ۷)

ترمذی میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا ہوگا۔ (مظہری ۴۱۳/ ۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اس کے لئے ایک قیراط (ثواب) لکھ دیا جاتا ہے، اور ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ (مظہری ۴۱۴/ ۷)

آپ کو ایذا دینے والوں کا انجام

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝

۵۷، ۵۸۔ بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو ان کے کچھ کئے کے بغیر ایذا دیتے ہیں تو وہ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں مسلمانوں کو ان چیزوں پر صرف تنبیہ کی گئی تھی جن میں وہ بلا قصد اور ناواقفیت کی بنا پر مبتلا ہو جاتے تھے اور جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچتی تھی۔ کیونکہ وہ ایذا رسانی بلا قصد تھی جیسے آپ کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو جانا، بلا دعوت اور وقت سے بہت پہلے آ کر بیٹھ جانا۔ یا کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہنا اور واپس نہ جانا وغیرہ۔ ان آیتوں میں اس ایذا اور تکلیف کا ذکر ہے جو کفار و منافقین کی طرف سے قصداً آپ کو پہنچائی جاتی تھی۔ اسی لئے ایذا پہنچانے والوں پر لعنت اور عذاب شدید کی وعید مذکور ہے۔

آیت کے شروع میں جو اللہ کو ایذا پہنچانے کا ذکر ہے اس سے مراد بھی آپ ہی کی ایذا رسانی ہے کیونکہ آپ کو ایذا پہنچانا حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کو ایذا پہنچانا ہے۔ پس جو شخص رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی قسم کی تکلیف پہنچائے گا وہ اس آیت کے تحت ملعون اور معذب ہے اس لئے کہ جس طرح آپ کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی طاعت ہے اسی طرح آپ کو ایذا دینا بھی گویا اللہ ہی کو ایذا دینا ہے۔ علما کے نزدیک اذیت سے مراد گناہوں کا ارتکاب اور اللہ کے احکام کی مخالفت ہے۔ حقیقی معنی مراد نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ہر تکلیف سے پاک ہے۔

جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کی طرف ان برائیوں کو منسوب کرتے ہیں جن سے وہ بری ہیں تو وہ بڑے بہتان تراش اور زبردست گناہ گار ہیں۔ پس ہر وہ شخص جو کسی مسلمان مرد یا عورت کو بلا وجہ تکلیف پہنچائے اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۲۷، ۲۲۸/ ۷، ابن کثیر ۵۱۷، ۵۱۸/ ۳)

ترمذی و نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلم وہ ہے جس کی زبان (کی ایذا) اور ہاتھ (کے ظلم) سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے لوگوں کو اپنے جان و مال کا اندیشہ نہ ہو۔ (مظہری ۴۱۷/ ۷)

ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ سے غیبت کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا تیرا اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جسے اگر وہ سنے تو اسے برا معلوم ہو۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ اگر وہ بات اس میں ہو تب بھی؟ آپ نے فرمایا تب ہی تو غیبت ہے ورنہ بہتان ہے۔ (ابن کثیر ۵۱۸/ ۳)

پردے کے مزید احکام

۵۹۔ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹوں سے اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے اوپر لٹکا لیا کریں۔ اس سے وہ جلد پہچانی جایا کریں گی اس لئے ان کو ستایا نہ جائے گا اور اللہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔

يُدْنِيْنَ: وہ نزدیک کرلیا کریں۔ وہ لٹکا لیا کریں۔ اِدْنَاءٌ سے مضارع۔

جلا بِیْبِهِنَّ: ان کی بڑی چادریں۔ وہ کپڑا جو اوڑھنی سے بڑا ہو۔ اوڑھنے کا کپڑا۔ واحد جِلْبَابٌ۔
جِلْبَابٌ اس چادر کو کہتے ہیں جس کو عورت پردے کے طور پر دوپٹے اور کرتے کے اوپر سے لپیٹ لیتی ہے۔

اَدْنٰی: بہت چھوٹا۔ بہت نزدیک۔ دُنِیٌّ سے اسم تفضیل۔

شانِ نزول: ضحاک اور کلبی کا بیان ہے کہ آیت کا نزول ان زنا کاروں کے حق میں ہوا جو منافق تھے اور راتوں کو مدینے کے راستوں میں گھوما کرتے تھے۔ جب رات کو عورتیں قضائے حاجت کے لئے گھروں سے باہر نکلتیں تو راستے میں یہ ان کو ستاتے تھے۔ اگر عورتیں خاموش رہتی تھیں تو یہ ان کے پیچھے لگ جاتے تھے اور اگر وہ جھڑک دیتی تھیں تو یہ رک جاتے تھے۔ حقیقت میں ان کا مقصد کنیزوں کو چھیڑنا ہوتا تھا مگر چونکہ کنیزوں اور آزاد عورتوں کا لباس ایک ہی جیسا ہوتا تھا اور سب ہی اوڑھنی اور کرتہ پہن کر نکلتی تھیں اس لئے کنیزوں اور آزاد عورتوں میں تمیز نہیں ہوتی تھی اور آزاد عورتیں ان کی زد میں آجاتی تھیں۔ عورتوں نے اس کی شکایت اپنے شوہروں سے کی اور شوہروں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن سعد نے طبقات میں حضرت ابو مالک کی روایت سے لکھا ہے کہ اور اسی کی مانند حدیث، حسن اور محمد بن کعب قرظی کی روایت سے بھی آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج قضائے حاجت کے لئے رات کو نکلتی تھیں۔ کچھ منافق ان کو چھیڑتے اور ستاتے تھے۔ ازواج مطہرات نے اس کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ جب منافقوں سے اس کی باز پرس ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ ہم تو یہ حرکت کنیزوں سے کرتے ہیں یعنی ہم تو ان کو کنیزیں سمجھ کر چھیڑتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۷/۴۱۸)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ اپنی ازواج سے اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ جب وہ کسی ضرورت کے تحت اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے اوپر بڑی چادر کا کچھ حصہ لٹکا لیا کریں تاکہ ان کا سر، چہرہ اور بدن کسی کو نظر نہ آئے۔ اس طرح بڑی چادر کا لٹکانا اور گھونگٹ نکالنا چونکہ آزاد اور پاک دامن عورتوں کی علامت ہے اس لئے ان کو پردے کی اس وضع اور حالت میں دیکھ کر لوگ ان سے چھیڑ چھاڑ اور تعرض نہیں کریں گے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ گھر سے باہر نکلتے وقت عورت کو اپنا سر، چہرہ اور بدن

چھپانا فرض ہے۔ یہی شرعی پردہ ہے جو پردے کے احکام نازل ہونے کے بعد سے اب تک مسلمانوں میں رائج ہے۔ پھر فرمایا کہ جو بے پردگی زمانۂ جاہلیت میں ہو چکی اور جو سر اور چہرے کو چھپانے میں کوتاہی یا بے احتیاطی بلا ارادہ اور بلا قصد اب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ایسی کوتاہی اور بے احتیاطی کو معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

حضرت ابن عباس اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی ضرورت کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے سروں اور چہروں کو بڑی چادروں سے ڈھانک لیں، صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں جس سے ان کو راستہ نظر آ سکے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کے اترنے کے بعد انصار کی عورتیں جب (گھر سے باہر) نکلتی تھیں تو وہ اپنے اوپر سیاہ چادریں ڈال کر اس طرح لپٹی اور چھپی ہوئی چلتی تھیں کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ (ابن کثیر ۳/۵۱۸، مظہری ۷/۴۱۹)

ستر اور حجاب

ستر: مرد و عورت کے بدن کے اس حصے کو جس کو عربی میں ''عورت'' اور اردو و فارسی میں ستر کہتے ہیں، سب سے چھپانا، شرعی، طبعی اور عقلی طور پر فرض ہے۔ ایمان کے بعد یہ سب سے پہلا فرض ہے جس پر عمل ضروری ہے۔ اعضائے مستورہ یا ستر کا چھپانا تمام انبیا کی شریعتوں میں فرض رہا ہے اور ہر مرد و عورت پر فی نفسہ عائد ہے خواہ کوئی دوسرا دیکھنے والا ہو یا نہ ہو۔ اسی لئے اگر کوئی شخص اندھیری رات میں ننگا نماز پڑھے جبکہ ستر چھپانے کے قابل کپڑا اس کے پاس موجود ہو تو اس کی نماز بالاتفاق ناجائز ہے، حالانکہ اس کو کسی نے ننگا نہیں دیکھا۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے ایسی جگہ نماز پڑھی جہاں کوئی دیکھنے والا نہیں تو اس صورت میں بھی اگر نماز کے دوران ستر کھل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ نماز کے علاوہ لوگوں کے سامنے ستر پوشی کے فرض ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں لیکن تنہائی میں جہاں کوئی دوسرا دیکھنے والا نہ ہو وہاں بھی شرعی یا طبعی ضرورت کے بغیر ستر کھولنا یا ننگا بیٹھنا جائز نہیں۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۷/۲۱۱)

ہر انسان فطری طور پر اپنے ستر کو چھپاتا ہے۔ اسی لئے حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے جب شجر ممنوعہ کو کھالیا اور اس کے نتیجے میں ان کا ستر کھل گیا تو ان دونوں نے فوراً جنت کے پتوں سے

اپنی اپنی پردہ پوشی شروع کردی جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ. (طٰہٰ آیت ۱۲۱)

پھر دونوں (آدم وحوا) نے اس درخت میں سے کچھ کھالیا تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور (اپنا ستر ڈھانپنے کے لئے) دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے۔

اسی لئے ہر زمانے میں بلا امتیازِ رنگ ونسل اور مذہب وملت، لوگ ستر پوشی کو ضروری سمجھتے رہے۔

عورت کا تمام بدن ستر ہے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے، چہرہ اور ہاتھ ستر میں داخل نہیں۔اسی لئے عورت کے لئے نماز میں چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنا بالاتفاق جائز ہے۔

عورت کے دونوں قدم یعنی ٹخنے سمیت دونوں پاؤں ستر میں شامل ہیں جبکہ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے۔یعنی اس پر ناف سے لے کر گھٹنے تک جسم کو ہر وقت چھپانا فرض ہے۔ستر ہر مرد وعورت پر فرض ہے۔

حجاب یا پردہ: پردہ تمام امتوں میں فرض نہیں رہا۔اسلام میں بھی ابتداءً فرض نہیں تھا بلکہ پانچ ہجری میں جب آپ نے حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کیا تو ولیمے کے موقع پر پردے کا حکم نازل ہوا۔پردہ صرف عورت پر فرض ہے اور صرف نامحرموں سے ہوتا ہے۔

اوپر بیان ہوا کہ چہرہ اور ہاتھ چونکہ ستر میں داخل نہیں اس لئے ان اعضا کو نماز میں کھلا رکھنا جائز ہے۔اس سے اکثر لوگوں کو یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کا پردہ واجب نہیں اس لئے عورتوں کے لئے محرم یا نامحرم سب کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنا جائز ہے۔یہ خیال صحیح نہیں۔ اس کی وضاحت کے لئے ذیل میں چند آیات قرآنی اور احادیث نبوی درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ سورۃ احزاب کی آیت ۵۳ میں ہے۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ.

اور جب تم پیغمبر کی بیویوں سے ضرورت کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

اس آیت میں جن لوگوں کو پردے کے پیچھے سے لینے دینے کا حکم دیا گیا ہے وہ صحابہ کرام

ہیں ۔ جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ۔ تم ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے ۔ اور جن کے بارے میں حکم دیا گیا ہے وہ ازواج مطہرات اور امت کی مائیں ہیں ۔ جب ان حضرات کو سامنے آ کر بات کرنا منع ہے تو عام خواتین کے لئے تو چہرہ کا چھپانا بطریق اولیٰ ضروری ہوگا ۔

۲ ۔ پھر اسی آیت میں اس حکم کی علت یہ بیان فرمائی :

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ

یہ حجاب تمہارے اور ان کے قلوب کے لئے طہارت و پاکیزگی کا بہترین ذریعہ ہے ۔

اس کا صریح اور صاف مطلب یہ ہے کہ جس طرح پردہ دونوں کی طہارت قلبی اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے اسی طرح بے پردگی دلوں کی نجاست اور گندگی کا ذریعہ ہے ۔

۳ ۔ وَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ .

(الاحزاب آیت ۳۲)

سو تم نرم لہجے میں بات نہ کیا کرو کہ اس سے اس شخص کو (فاسد) خیال پیدا ہونے لگتا ہے جس کے دل میں مرض ہے ۔

اس آیت میں آواز کی طبعی نزاکت کو چھپا کر بات کرنے کا حکم ہے ۔ جب عورت کی آواز ایسی قابلِ اخفا ہے تو صورت یعنی چہرہ کیوں نہ قابلِ اخفا ہوگا جو فتنے کا اصل مبدا ہے ۔

۴ ۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ سورۂ احزاب کی اسی آیت میں ازواج مطہرات سے ضرورت کی چیز پردے کے پیچھے سے مانگنے کا جو حکم دیا گیا تھا وہ ازواج مطہرات کے لئے خاص تھا تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ عام مسلمان عورتوں کے لئے پردے کا کوئی حکم نازل ہی نہیں ہوا ۔ پردے کا جو حکم امہات المؤمنین کے لئے نازل ہوا تھا وہ ان کے ساتھ ہی ختم ہو گیا حالانکہ اس پر سب سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ پردے کا حکم مسلمان عورتوں کے لئے ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ صحابیات پردے کے حکم سے مامور تھیں ۔

۵ ۔ سورۂ احزاب کی آیت ۳۳ میں عورتوں کے متعلق یہ حکم ہے ۔

وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح اپنی زیب وزینت کا اظہار نہ کرو۔

اگر عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی اجازت ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کو گھروں میں قرار پکڑنے کا حکم نہ دیتا اور نہ زمانۂ جاہلیت کی طرح زیب وزینت کے اظہار سے منع فرماتا۔

۶۔ سورۂ احزاب کی آیت ۵۹ میں ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْ وَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جلا بِیْبِھِنَّ

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اپنی بیویوں اور اپنی بیٹوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے اوپر لٹکا لیا کریں یعنی ان سے گھونگٹ نکال لیا کریں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت سے اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنے سروں کے اوپر سے چادر لٹکا کر منہ ڈھانک لیا کریں اور صرف ایک آنکھ (راستہ دیکھنے کے لئے) کھلی رکھیں۔ (ابن کثیر ۳/۵۱۸)

۷۔ سورۂ نور کی آیت ۲۷ میں ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاتَدْ خُلُوْا بُیُوْتاً غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْ نِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا .

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں (بے دھڑک) نہ داخل ہو جایا کرو جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں رہنے والوں کو سلام نہ کر لو۔

اگر عورتوں کو عام طور پر چہرہ کھول کر پھرنا جائز ہوتا تو پھر کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت لینا فرض اور واجب نہ ہوتا جیسا کہ اس آیت میں صراحتاً مذکور ہے۔

۸۔ سورۂ نور کی آیت ۳۱ میں ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْ مِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِ ھِنَّ.

آپ مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔

اگر عورتوں کو عام مردوں کے سامنے چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت ہے تو پھر ان کو نظریں نیچی رکھنے کا حکم دینے کی کیا ضرورت تھی۔

۹۔ اسی آیت میں ہے۔

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا.

اور عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے۔

اگر اس سے مراد یہ لی جائے کہ عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہے تو اسی آیت میں آگے چل کر محارم کے استثنٰی کی کیا ضرورت تھی۔ اس لئے کہ جب عورتوں کو غیر مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہوگئی تو باپ، بیٹا اور بھائی وغیرہ کے سامنے کھولنے کی اجازت بدرجۂ اولیٰ ہو جائے گی۔ پس اس آیت میں اس امر کی تصریح ہے کہ سوائے ان محارم کے جن کا آیت میں ذکر ہے، کسی اور کے سامنے عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں۔

۱۰۔ بیضاوی کہتے ہیں کہ سورۂ نور کی آیت ۳۱ میں جس ستر کا ذکر ہے اس کا تعلق صرف نماز سے ہے، پردے سے نہیں کیونکہ آزاد عورت کا سارا بدن واجب الستر ہے۔ شوہر اور محرم کے سوا عورت کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا کسی مرد کے لئے جائز نہیں سوائے حالتِ مجبوری کے۔

(بیضاوی ۲۹۵)

۱۱۔ سورۂ نور کی آیت ۳۱ ہی میں ہے۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَايُخْفِينَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ.

اور عورتیں اپنے پاؤں (زمین پر) زور زور سے مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ عورت کے لئے ہر ایسی حرکت ممنوع ہے جس سے اس کی چھپی ہوئی زینت کا اظہار ہو یہاں تک کہ اسے عطر اور خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنا بھی منع ہے۔ (ابن کثیر ۲/۲۸۵)

پس مذکورہ آیت سے ظاہر ہے کہ جس طرح زینت کا اظہار موجبِ فتنہ ہے اسی طرح زینت کی آواز کا اظہار بھی موجبِ فتنہ اور ممنوع ہے۔ ظاہر ہے عورت کی آواز زیور کی آواز سے زیادہ موجبِ فتنہ ہے۔ اس لئے عورت کی آواز زینت کی آواز سے زیادہ حرام ہوگی۔ ایسی صورت میں چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

نوٹ: جس طرح عورت کے لئے اپنے زیور کی آواز کا نکالنا ناجائز اور حرام ہے اسی طرح عورت کا اپنی آواز نکالنا مثلاً کسی اجنبی مرد سے بلا ضرورت بے تکلفی سے باتیں کرنا یا گانا گانا وغیرہ بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا۔ لہٰذا عورت کی آواز کا بھی پردہ واجب ہے۔

۱۲۔ سورۂ نور کی آیت ۶۰ اس طرح ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ ط وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ.

اور بڑی بوڑھی عورتیں جنہیں نکاح کی امید ہی نہ رہی ہو تو ان پر بھی کچھ گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے (چادریں) اتار دیا کریں۔ بشرطیکہ وہ اپنی زینت ظاہر کرنے والی نہ ہوں۔ اور اگر وہ اس (چادریں اتارنے) سے بھی بچیں تو ان کے لئے زیادہ بہتر ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنی بوڑھی عورت جس کی طرف رغبت کا کوئی احتمال ہی نہ رہے، برقع کے بغیر باہر نکل سکتی ہے۔ مگر اس کے لئے بھی بہتر یہی ہے کہ چہرہ نہ کھولے۔ پس جب بوڑھی عورت کے لئے بھی بہتر اسی کو قرار دیا گیا کہ وہ چہرہ ڈھانپ کر رکھے تو نوجوان عورت کے لئے چہر کھولنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔

۱۴۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازار کا ذکر فرمایا تو انہوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! عورت کے لئے کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا عورت ایک بالشت لٹکا لے۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا ایسی صورت میں تو اس کے پاؤں نظر آئیں گے۔ آپ نے فرمایا تو پھر اسے چاہئے کہ وہ ایک ہاتھ کی مقدار تک چادر لٹکا لے۔ (ابوداؤد ۴/۳۳، رقم ۴۱۱۷، دارمی ۳/۳۶۱)

اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب گھر سے باہر نکلتے وقت عورت کے لئے پاؤں چھپانے کا اتنا اہتمام ہے تو چہرہ چھپانے کا کتنا اہتمام ہوگا جو حسن و جمال کا اصل مظہر اور جذبات کو برانگیختہ کرنے میں پاؤں سے کہیں زیادہ مؤثر ہے۔

۱۵۔ ابوداؤد میں حضرت ابو اسید انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں کو راستے میں باہم مخلوط ہو کر چلتے ہوئے دیکھا تو عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم ادھر ادھر ہو جاؤ۔ تمہیں راستے کے درمیان میں نہیں چلنا چاہئے۔ یہ سن

کر عورتیں دیواروں سے لگی لگی چلنے لگیں یہاں تک کہ ان کے کپڑے دیواروں سے رگڑ تے تھے۔ (ابن کثیر ۳/۲۸۶)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب عورتوں کو راستہ چلتے وقت مردوں کے ساتھ مخلوط ہوکر چلنے کی اجازت نہیں تو ان کو کھلے منہ مردوں کے سامنے آنے جانے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔

۱۶۔ مسند احمد، سنن ابی داؤد اور ترمذی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن وہ اور حضرت میمونہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھیں کہ اتنے میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم (جو نابینا تھے) آگئے۔ اس وقت پردے کی آیت نازل ہوچکی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں پردے میں چلی جاؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ تو نابینا ہیں، نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ پہچان سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو اور اسے نہیں دیکھ سکتیں۔

(ترمذی ۴/۳۵۷، رقم ۲۷۸۷، ابوداؤد ۴/۳۱، رقم ۴۱۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ نہ تو مرد عورت کا چہرہ دیکھ سکتا ہے اور نہ عورت مرد کا چہرہ دیکھ سکتی ہے۔

۱۷۔ ایک عورت جس کو ام خلاد کہتے تھے کسی غزوے (احد) کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے نقاب ڈالا ہوا تھا۔ اس کا بیٹا غزوے میں شہید ہوگیا تھا اس لئے وہ اپنے بیٹے کے اجر وثواب کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ تم اپنے مقتول بیٹے کے بارے میں پوچھنے آئی ہو اور نقاب بھی ڈالا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر میں نے بیٹا گم کردیا ہے تو حیا تو ہرگز گم نہ کروں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بشارت دی کہ تیرے بیٹے کو دو شہیدوں کا اجر ملا ہے اس لئے اس کو عیسائیوں نے قتل کیا ہے۔ (ابوداود کتاب الجہاد)

اس واقعے میں چند غور طلب باتیں ہیں۔

۱۔ شدید صدمے کے موقع پر بھی وہ نقاب ڈال کر مردوں کے سامنے آئی۔ اگر اسلام میں چہرے کا پردہ فرض نہ ہوتا تو اس شدید صدمے کے موقع پر نقاب کی کیا ضرورت تھی؟

۲۔ صحابہ کرام نے اس سے یہ نہیں کہا کہ اسلام میں تو چہرے کا پردہ نہیں ہے، تم نے نقاب کیوں ڈالا ہوا ہے۔ ایسے موقع پر تمہارا ہوش وحواس میں ہونا ہی بڑی ہمت کی بات ہے۔

۳۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ چہرے کا پردہ نہیں ہے یا چہرہ کھولنا حیا کے خلاف نہیں۔

۱۸۔ ایک مرتبہ رسول اللہ علیہ وسلم نے کفار پر مسلمانوں کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے، عورتوں کو بھی عید کی نماز کے لئے نکلنے کا حکم فرمایا تو ایک عورت نے سوال کیا کہ اگر کسی کے پاس چہرہ ڈھانپنے کے لئے بڑی چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی ساتھی عورت کو چاہئے کہ وہ اپنی چادر عاریتاً اسے دیدے۔ (ترمذی ۲/۶۵، رقم ۵۳۹ بخاری کتاب الحیض باب شہود الحائض العیدین، مسلم ۲/۲۴ رقم ۱۲، ۸۹۰)

اگر اسلام میں عورت کو بے پردہ نکلنے کی اجازت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عاریتاً دینے کی بات نہ فرماتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چہرے کے پردے کی اتنی تاکید ہے کہ اگر دوسری عورت سے چادر لینی پڑے تو لے لے مگر بے پردہ مردوں کے سامنے نہ آئے۔

۱۹۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اے علی! عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کے بعد دوسری مرتبہ (قصداً) نگاہ مت ڈالو۔ پہلی اچانک نظر تو معاف ہے مگر دوسری (بالارادہ) جائز نہیں۔

(ترمذی ۴/۳۵۶، رقم ۲۷۸۶، ابوداود ۲/۲۱۴، رقم ۲۱۴۰)

۲۰۔ حضرت جریر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کسی نامحرم عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کرنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا کہ (فوراً) نظر کو ہٹالو۔ (ابوداود، ۲/۲۱۴، رقم ۲۱۴۸)۔

۲۱۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے باوثوق ذریعے سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھنے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے اور اس پر بھی جس کو دیکھا جائے۔ (مشکوٰۃ، کتاب النکاح، باب النظر الی المخطوبہ و بیان العورات)

۲۲۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان کسی عورت کے محاسن یعنی حسن و جمال کو پہلی مرتبہ دیکھ کر اپنی آنکھ بند کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی عبادت نصیب فرمائے گا جس کی حلاوت (شیرینی) وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔ (مسند احمد ۶/۳۵۴، رقم ۲۱۷۷۵)

۲۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا کہ (بتاؤ) عورت کے لئے کونسا کام سب سے بہتر ہے۔ اس پر صحابہ خاموش ہو گئے۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے واپس آ کر حضرت فاطمہؓ سے دریافت کیا کہ عورتوں کے لئے سب سے بہتر کام کونسا ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ وہ مردوں کو دیکھے اور نہ مرد اس کو دیکھیں۔ میں نے یہ جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ فاطمہ میری ہی لخت جگر ہے (اس لئے وہ صحیح سمجھیں) (مسند بزار، دارقطنی)

۲۴۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے سال قبیلہ خشعم کی ایک عورت آئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے بندوں پر جو حج فرض کیا ہے وہ میرے باپ پر ایسے وقت میں عائد ہوا ہے کہ وہ بہت بوڑھا ہے۔ سواری پر ٹھیک طرح بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ اگر میں اس کے بدل میں حج کر لوں تو کیا اس کی طرف سے ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ فضل (جو اس وقت آپ کے پیچھے سوار تھے) اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت بھی فضل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آپ نے فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیا۔ (مظہری بحوالہ بخاری ۴۹۲، ۶/۴۹۳)

۲۵ شیخین نے صحیحین میں حضرت صفیہ کے قصے میں بیان کیا ہے کہ لوگوں نے حضرت صفیہ کے متعلق یہ رائے قائم کی تھی کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پردہ کرائیں تو سمجھ لو کہ وہ بیوی ہیں اور اگر پردہ نہ کرائیں تو سمجھ لو ام الولد ہیں۔ (مظہری ۶/۴۹۶)

۲۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط دینے کے لئے پردے کے پیچھے سے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ (ابوداود، نسائی، مشکوٰۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عورتیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ کرتی تھیں۔

۲۷۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محرمہ (احرام والی) عورت (چہرے پر) نقاب نہ ڈالے اور نہ (ہاتھوں میں) دستانے پہنے۔ (ابوداود ۱۰۵/۲، رقم ۱۸۲۵)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے زمانے میں بھی عورتوں کو چہرہ چھپانے کا حکم تھا اور عورتیں

چہرے پر نقاب ڈال کر نکلتی تھیں۔

نوٹ: اس کا مطلب یہ نہیں کہ حج کے دوران حالتِ احرام میں عورت پر غیر مردوں سے چہرے کو چھپانا اور پردہ کرنا فرض نہیں بلکہ حج کے دنوں میں حالت احرام میں بھی غیر مردوں سے چہرہ چھپانا اسی طرح فرض اور ضروری ہے جس طرح عام دنوں میں فرض ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ احرام کی حالت میں چہرے پر نقاب اس طرح ڈالنا ہے کہ وہ چہرے کو مس بھی نہ کرے اور پردہ بھی ہو جائے۔ اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ چہرے اور نقاب کے درمیان ہاتھ رکھ کر نقاب کو چہرے سے علیحدہ رکھے۔ دوسری صورت یہ کہ چھجے والی ٹوپی سر پر رکھ کر نقاب اس کے اوپر سے ڈالی جائے۔ یہ صورت زیادہ سہل ہے۔ اور بھی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اصل مقصود پردہ کرنا اور نقاب کو چہرے سے علیحدہ رکھنا ہے۔

۲۸۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ہم (ازواج مطہرات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کو جاتے ہوئے احرام کی حالت میں تھے۔ جب ہمارے پاس سے کوئی سوار گزرتا تو ہم اپنی چادر اپنے سر کے اوپر کھینچ کر اپنے چہروں پر لے آتے اور جب ہم آگے بڑھ جاتے تو ہم اپنے چہروں کو کھول دیتے تھے۔
(ابوداو کتاب المناسک باب فی المُحرمۃ تغطی وجھھا)

۲۹۔ ابن عباس کی روایت میں ہے کہ عورت اپنی زینت صرف اپنے گھر میں ان لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے جن کو اس کے سامنے آنے اور گھر میں داخل ہونیکی شرعاً اجازت ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۱۱۹)

اس کا مطلب محارم کے سامنے آنا ہے۔ بے پردہ پھرنا مراد نہیں۔

۳۰۔ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے پردہ عورت شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے اور شیطان کی صورت میں واپس جاتی ہے۔
(مسلم ۲/۳۲۹، رقم ۱۴۰۴۳، ترمذی ۲/۳۸۵، رقم ۱۱۶۱، ابوداود ۲/۲۱۵، رقم ۲۱۵۱)

۳۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت گویا ستر ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیاطین اس کو اپنی نظر کا نشانہ بناتے ہیں۔
(ترمذی ۲/۳۹۲، رقم ۱۱۷۶)

جس طرح ستر کو چھپانا ضروری ہے اسی طرح عورت کے لئے پردے میں رہنا ضروری ہے۔

۳۲۔ ترمذی، ابوداود اور نسائی کی روایت میں ہے کہ ہر آنکھ زانیہ ہے۔ عورت جب عطر لگا کر پھول پہن کر مہکتی ہوئی مردوں کی کسی مجلس کے پاس سے گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے۔ (یعنی زانیہ) (ترمذی ۳۶۰/۴، رقم ۲۷۸۶، ابو داود ۵۱/۴، رقم ۴۱۷۳، نسائی کتاب الزینہ، باب ما یکون للناس من الطیب)

۳۳۔ حضرت عائشہ نے اپنی وفات کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ انہیں رات کے وقت دفن کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان کے تدفین رات کے وقت عمل میں آئی (طبقات ابن سعد ۶۱/۸)

منافقین کا انجام

۶۰۔۶۲۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

اگر یہ منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ جو مدینے میں افواہیں اڑاتے ہیں (اب بھی) باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔ پھر یہ لوگ آپ کے ساتھ اس شہر میں بہت کم رہ سکیں گے۔ (وہ بھی) پھٹکارے ہوئے، جہاں بھی پائے گئے، پکڑے گئے اور خوب قتل کئے گئے۔ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے معاملے میں بھی اللہ کا یہی دستور جاری رہا اور آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔

مُرْجِفُوْنَ: فساد کرنے والے۔ افواہیں پھیلانے والے۔ اِرْجَاف سے اسم فاعل۔

نُغْرِيَنَّكَ: ہم تجھے ضرور مسلط کریں گے۔ ہم تجھے ضرور پیچھے لگا دیں گے۔ اِغْرَاءٌ سے مضارع۔

يُجَاوِرُوْنَكَ: وہ تمہارے ہمسائے ہوں گے۔ وہ تمہارے نزدیک ہوں گے۔ مُجَاوَرَةٌ سے مضارع۔

تشریح: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبائل کے خلاف جہادی دستے بھیجتے تو کچھ منافق مدینے میں جھوٹی اور سنسنی خیز خبریں پھیلانے لگتے اور کہتے کہ جن لوگوں کو جہاد کے لئے بھیجا گیا تھا وہ

مارے گئے یا کہتے کہ وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ کبھی کہتے کہ دشمن عنقریب مدینے پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس سے ان کا مقصد لوگوں میں بے چینی اور بے دلی پھیلانا ہوتا تھا۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں ضعف ایمان کی بیماری ہے، اپنی بدکاریوں، مدینے میں سنسنی خیز جھوٹی خبریں پھیلانے اور عورتوں کو چھیڑنے سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان سب پر غالب اور مسلط کر دیں گے۔ پھر وہ زیادہ عرصے مدینے میں رہ بھی نہ سکیں گے اور بہت جلد تباہ و برباد کر دیئے جائیں گے اور جو تھوڑا بہت وقت وہ مدینے میں گزاریں گے وہ بھی لعنت اور پھٹکار کے ساتھ گزاریں گے۔ وہ ہر طرح سے دھتکارے جائیں گے۔ جہاں بھی بھاگ کر جائیں گے، گرفتار کئے جائیں گے اور بری طرح قتل کئے جائیں گے۔ ان کو کہیں پناہ نہ ملے گی۔

جو لوگ انبیا سے منافقانہ سلوک کرتے تھے اور سنسنی خیز خبریں پھیلا کر انبیا کے مشن کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے تھے اور اپنی سرکشی سے باز نہیں آتے تھے تو ان کو مغلوب کر کے خوب قتل کرانا ہمارا قدیمی طریقہ ہے جو گزشتہ اقوام میں بھی جاری رہا۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوگا۔ اگر مدینے کے یہ منافقین اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ان کا بھی یہی انجام ہوگا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۴۵، ۵۴۶/ ۵، مظہری ۴۱۹، ۴۲۰/ ۷)

قیامت کا قریب ہونا

۶۳۔ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور تجھے کیا خبر شاید قیامت بالکل ہی قریب ہو۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مشرکین و منکرین کو آنے والے عذاب اور قیامت سے ڈراتے تو وہ تمسخر کے طور پر آپ سے پوچھتے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس سے ان کا مقصد آپ کو پریشان کرنا اور تکلیف دینا ہوتا تھا۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ﷺ ان کو بتا دیجئے کہ قیامت کے آنے کا صحیح وقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ نے کسی مقرب فرشتے کو دیا اور نہ کسی نبی اور رسول کو۔ پس تم تو اس کو آیا ہی سمجھو۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنی شہادت کی اور درمیان کی انگلی اٹھا کر فرمایا۔

انا والساعة كها تين.

میں اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح ہیں یعنی جس قدر بیچ کی انگلی آگے نکلی ہوئی ہے، میں قیامت سے اتنا ہی پہلے آ گیا ہوں۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ.

قیامت بہت قریب آ گئی اور چاند شق ہو گیا۔

اور ارشاد ہے۔

اَتٰی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ.

بس قیامت آ ہی گئی سو تم اس کے لئے جلدی مت کرو۔ (ابن کثیر ۳/۵۱۹، عثمانی ۲/۳۶۶)

کفار کا انجام

۶۴۔۶۸۔ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۙ﴿۶۴﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۚ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۚ﴿۶۸﴾

بیشک اللہ نے کافروں پر لعنت کر دی ہے اور ان کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ وہ (وہاں) کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مدد گار۔ جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ کاش! ہم نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی ہوتی اور وہ کہیں گے۔ اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی، سو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے رب! (اب) تو ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔

سَعِیْرٌ: دہکتی ہوئی آگ۔ دوزخ۔ سَعْرٌ سے صفت مشبہ۔

تُقَلَّبُ: وہ پھیرا جائے گا۔ وہ الٹ پلٹ کیا جائے گا۔ تَقْلِیبٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: بیشک اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور ان پر اپنی ابدی لعنت نازل فرمائی ہے۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قیامت کے منکر ہیں ان کے لئے دہکتی ہوئی آگ تیار ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ کبھی وہ وہاں سے نکل سکیں گے اور نہ چھوٹ سکیں گے اور نہ وہاں ان کو کوئی فریادرس ملے گا اور نہ کوئی دوست و مددگار جو انہیں چھڑا لے یا اس عذاب سے بچا سکے۔ جس طرح گوشت بھوننے کے وقت گوشت کو الٹ پلٹ کیا جاتا ہے اسی طرح قیامت کے دن آگ کے اندر کافروں کے چہروں کو الٹ پلٹ کیا جائے گا۔ اس وقت وہ تمنا کریں گے کاش انہوں نے دنیا میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ہوتی۔ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ پھر وہ کہیں گے اسے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کو حق پر سمجھ کر ان کی اطاعت کی اور ان کے کہنے پر چلتے رہے۔ ہمیں تو اب پتہ چلا کہ وہ خود بھی گمراہ تھے اور انہوں نے ہمیں بھی گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹکایا۔ اے ہمارے پروردگار! اب تو بھی ان کو دوگنا عذاب دے۔ ایک تو ان کے گمراہ ہونے کا اور دوسرا ہمیں گمراہ کرنے کا، اور ان پر بدترین لعنت برسا۔ (ابن کثیر ۳/۵۱۹)

مسلمانوں کو نصیحت

۶۹۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾

اے ایمان والو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی۔ پھر اللہ نے موسیٰ کو ان کی باتوں سے بری کر دیا، اور وہ اللہ کے نزدیک بہت عزت دار تھے۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو کافروں پر غلبہ دیا تو عبداللہ بن ابی بن ابی سلول منافق اور اس کے ساتھی اور قبائل عرب میں سے بہت سے لوگ آپ کے مطیع و فرماں بردار ہو گئے لیکن چونکہ ان کے دلوں میں حقیقی نور ایمان نہ تھا اس لئے ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔ ان کی منافقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تو عیاں تھی ہی، صحابہ کرام میں بھی یہ لوگ منافق ہی مشہور تھے۔ اس لئے کوئی بھی ان کی باتوں پر اعتماد نہیں کرتا تھا خواہ وہ سچی بات ہی نقل کریں۔ جہاد میں بھی یہ لوگ ظاہری طور پر شریک ہوتے تھے، اس سے ان کا اصل

مقصد مال غنیمت میں حصہ لینا ہوتا تھا۔ چونکہ ان لوگوں نے ظاہری طور پر مسلمانوں کی سی شکل وشباہت اختیار کی ہوئی تھی اس لئے جو پردیسی اعراب دور دور سے آتے تھے اور صدق دل سے ایمان لاتے تھے، ان کے حق میں ان منافقوں کی بدزبانی سے ضرر کا خوف تھا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس طرح بنی اسرائیل میں سے بعض لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی تھی، تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا، نہ زبان سے اور نہ اپنے عمل سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی وجاہت اور مرتبے والے اور مستجاب الدعوات تھے۔ وہ جو دعا کرتے تھے قبول ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنے بھائی ہارون کے لئے نبوت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے وہ بھی عطا فرمادی جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا اَخَاهُ هَارُوْنَ نَبِيًّا. (طٰهٰ آیت)

اور ہم نے اپنی رحمت سے اس کو اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے قول سے بری اور پاک وصاف کر دیا۔

جس طرح موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجاہت والے تھے اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اکرم اور وجاہت والے ہیں اس لئے کسی کے اذیت دینے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طہارت و پاکیزگی میں تو کچھ فرق نہیں آئے گا لیکن اذیت دینے والا ہلاک وبرباد ہو جائے گا۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ لوگوں میں کچھ مال تقسیم کیا۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضامندی کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے کہا کہ اے خدا کے دشمن میں تیری بات کی خبر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور دوں گا۔ چنانچہ میں نے جا کر آپ کو خبر کر دی۔ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر فرمایا اللہ کی رحمت ہو حضرت موسیٰ پر وہ اس سے بہت زیادہ ایذا دیئے گئے لیکن انہوں نے صبر کیا۔ (مواہب الرحمٰن ۱۲۰۔۱۲۱/۲۲، ابن کثیر ۵۲۰، ۵۲۱/۳)

تقویٰ اور قولِ سدید

۷۰، ۷۱۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو تا کہ وہ تمہارے اعمال کی اصلاح کردے اور تمہارے گناہ معاف کردے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو وہ بڑی کامیابی کو پہنچا۔

سَدِیْدًا: سیدھا۔ سَدَادٌ سے صفت مشبہ۔

فَازَ: وہ مراد کو پہنچا۔ وہ کامیاب ہوا۔ فَوْزٌ ومَفَازَۃٌ سے ماضی۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو دو باتوں کا حکم دیا ہے۔ ایک تقویٰ اختیار کرنے کا جس کا تعلق قلب سے ہے۔ اور دوسرے صحیح اور انصاف کی بات کہنے کا۔ اس کا تعلق زبان سے ہے۔ پس مومنوں کو اپنے تمام امور خواہ وہ عبادت و معاملات ہوں یا دوسرے امور سب کی انجام دہی کے وقت دل میں خوف وخشیت الٰہی ہونی چاہئے۔ زبان سے بھی ہمیشہ درست اور انصاف کی بات کہنی چاہئے اور زبان سے کوئی لفظ ایسا نہیں نکلنا چاہئے جو خلاف شرع ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا باعث ہو۔ جب قلب اور زبان درست ہو جائیں گے تو باقی اعمال بھی درست ہو جائیں گے کیونکہ اعمال کا دارومدار زیادہ تر انہی دونوں پر ہے، سو ان دونوں باتوں کو اختیار کر لینے سے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح فرمادے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ خوب سمجھ لو کہ کامیابی کا دارومدار اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری میں ہے۔ سو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کی اس نے عظیم کامیابی حاصل کی۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۴۸/۵)

اللہ کی امانت

۷۲، ۷۳۔ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ، إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۞ لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ، وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۞

بیشک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے (اپنی) امانت پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کردیا اور وہ اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔ بیشک وہ بڑا ظالم اور نادان ہے۔ تا کہ اللہ منافق

مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب
دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں پر مہربانی کرے اور اللہ معاف کرنے
والا (اور) مہربان ہے۔

عَرَضْنَا: ہم نے سامنے کیا۔ ہم نے پیش کیا۔ عَرْضٌ سے ماضی۔

اَشْفَقْنَ: وہ ڈر گئیں۔ اِشْفَاقٌ سے ماضی۔

اَبَیْنَ: انہوں نے انکار کیا۔ اِبَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: بلا شبہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے احکام شریعت کی اطاعت و بجا آوری کو پیش کیا اور ان میں شعور و ادراک بھی پیدا کر دیا اور ان کو ماننے اور نہ ماننے کا اختیار بھی دیدیا اور ان کو بتا بھی دیا کہ اگر تم اس ذمہ داری کو قبول کرو گے، اور ہمارے احکام کی پابندی کرو گے تو اس پر تمہیں اجر و ثواب ملے گا اور اگر ان کی خلاف ورزی کرو گے تو عذاب اور سزا ملے گی۔ لیکن ان سب نے اس امانت کو اٹھانے اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم میں اتنی قوت و طاقت نہیں کہ تیری امانت کے بوجھ کو اٹھا سکیں۔ اگر خدانخواستہ یہ امانت ہمارے ہاتھ سے ضائع ہوگئی یا ہم اس کی حفاظت نہ کر سکے یا ہم اس میں خیانت کر بیٹھے تو نہ جانے ہم پر کیا مصیبت نازل ہو، سوائے خدا جس کام کے لئے آپ نے ہمیں پیدا کیا ہے اور جس کام پر آپ نے ہمیں لگا رکھا ہے ہم اس پر راضی ہیں اور ہم ہر طرح سے تیرے مطیع و فرمان بردار ہیں۔

آسمان و زمین کے عذر و انکار کے بعد جب یہ امانت کمزور و ناتواں انسان پر پیش کی گئی تو اس نے اپنے ضعف و ناتوانی کے باوجود اس امانت کا بوجھ اٹھا لیا اور اس کی پیش کردہ ذمہ داری کو قبول کر لیا۔ بلا شبہ انسان بڑا ہی ظالم اور ناتجربہ کار تھا کہ اس نے اپنی جان پر بھی ترس نہ کھایا اور جس بوجھ کو اٹھانے سے آسمان و زمین جیسے عظیم اجساموں نے پہلو تہی کی اس بوجھ کو اس نے اٹھا لیا۔ چونکہ انسان نے اپنی رضا و رغبت سے اس کو قبول کیا ہے اس لئے اس کو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں اس امانت میں خیانت نہ ہو جائے۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری میں لگے رہنا چاہئے، تاکہ امانت کا حق ادا ہو جا سکے۔

ہم نے یہ امانت انسان پر اس لئے پیش کی تاکہ اس کی طبیعت اور فطرت میں جو امانت و خیانت کا مادہ چھپا ہوا ہے وہ ظاہر ہو جائے اور منافقوں کا نفاق اور مشرکوں کا شرک اور مومنوں کا اخلاص

ظاہر ہو جائے۔ پس جو لوگ اس امانت میں خیانت کریں گے اور اس سے انحراف و انکار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس کی سزا اور عذاب دے گا اور جو مومن مرد و عورت اس کی حفاظت اور اس کا حق ادا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو انعام و اکرام اور اجر و ثواب بھی دے گا اور ان پر نظر رحمت بھی فرمائے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۵۰۔۵۵۴/۵)

مقالاتِ زواریہ

ترتیب: سید فضل الرحمٰن صفحات: ۵۶۸

- فقیہ العصر حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ۱۳۹ نثری تقاریر اور علمی مقالات کا ضخیم مجموعہ۔
- طلباء، علماء، مقررین اور واعظین کے لئے ایک بیش بہا تحفہ اور عوام و خواص کے لئے یکساں مفید۔
- تمام تقاریر اور مضامین کی زبان نہایت سادہ، اندازِ بیاں عام فہم اور قرآنی آیات واحادیث کی دلنشین تشریح ہے۔
- تمام قرآنی آیات کی اصل عربی عبارت اور اس کا مکمل حوالہ دیا گیا ہے۔
بعض ایسے جدید مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہے جو اہلِ علم کے ہاں اختلافی رہے ہیں۔
- روز مرہ پیش آنے والے مسائل و مشکلات پر تبصرہ اور سماجی و معاشرتی برائیوں کے انسداد و سدباب کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں تجاویز پیش کی گئی ہیں۔
اس مجموعہ کو درج ذیل سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے
(۱) قرآنی تعلیمات، (۲) ایمان ودعوت اسلام، (۳) احکامِ دین،
(۴) تجارت و معیشت، (۵) اخلاق و حقوق، (۶) تصوف و سلوک،
(۷) سیرت و سوانح
- خوبصورت اور دلکش رنگین سرورق، اعلیٰ کمپیوٹر کمپوزنگ، نہایت نفیس آفسٹ طباعت اور مضبوط جلد بندی کی اضافی خوبیوں کے ساتھ۔ اہلِ علم کے لئے ایک گرانقدر تحفہ۔

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

الفضل-اے-۴/۱۷، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی نمبر ۱۸،
پوسٹ کوڈ ۷۴۶۰۰، فون: ۶۶۸۴۷۹۰